یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب متضمن بر تحقیق و تدقیق تاریخ بلگرام و تذکرہ عمائد و مشاہیر کرام

حصہ ۱

تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام

مؤلفہ جامع کمالات صوری و معنوی محمود الشعرا جناب منشی محمد محمود صاحب احمد عثمانی بلگرامی لکھنوی

باہتمام قاضی شریف الحسن صاحب بلگرامی

ڈسٹرکٹ گزٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی

جون سنہ ۱۹۳۰ء

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدائے بزرگ و برتر کی حمد اور اُس کے رسول برحق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و الہ و اصحابہ وسلم کی نعت اور اصحاب کبار کی منقبت کے بعد اضعف العباد اللہ القوی محمد محمود المتخلص بہ محمد عثمانی بلگرامی ثم الکھنوی خلف رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خاں بہادر متخلص بہ ظہیر عثمانی بلگرامی مرحوم و مغفور عرض کرتا ہے کہ پہلے اپنا مولد و منشا شہر لکھنؤ اور وہاں کی مستقل بود و باش ہونے کی وجہ سے اپنے اس آبائی وطن بلگرام کی طرف کوئی توجہ خاص نہ تھی ۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ یہاں وطن ہے اور مکان و جائداد آبائی یہاں بھی ہونے کی وجہ سے برسوں کے بعد کبھی ضرورتاً چند روز کے لیے آنا بھی ہو جایا کرتا تھا اور یہاں کے بعض بزرگ و احبا کا اخلاق حب الوطن کی طرف مائل کر دیتا تھا آخر انہیں حضرات کی مخلصانہ کوشش نے ۱۳۰۶ء ایکہزار تین سو چھ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء ایکہزار آٹھ سو اٹھاسی عیسوی میں بحیلہ ملازمت یہاں کی مستقل سکونت کے لیے مجبور کیا اور مع اہل و عیال لکھنؤ سے آکر اپنے مکان خاص میں قیام پذیر ہوا ۔ اسی عرصہ میں اس نامور مقام بلگرام کے تاریخی حالات دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ کتب و اسناد و فرامین و خطوط قدیم وغیرہ جو کچھ ملے انکو دیکھنا اور ہر صورت سے حالات کا پتہ لگانا شروع کیا ۔ مشاہیر کے بہت کچھ حالات دریافت ہوئے مگر قدیم تاریخی واقعات کی حالت کچھ عجب گومگو پائی بلکہ اصل تو یہ ہے کہ راجہ سری جس کے عہد میں یہاں اسلام کا دخل ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس کی عملداری کے قبل کی کوئی حالت صحیح کسی نے نہیں لکھی ۔ جہاں تک دیکھا گیا صرف آبادی اسلام سے حال ملتا ہے وہ بھی اختلاف اور مبالغے کے ساتھ ۔ ہنود کی تو کوئی تاریخ موجود نہیں البتہ مسلمانوں نے شوق کیا مگر ابتدا سے

اسلام کے بہت عرصے کے بعد بعض ایسے رسالوں کا بھی پتا لگتا ہے جو زمانہ قدیم میں لکھے گئے۔ مثلاً شیخ برکت اللہ فرشوری نے جامع البرکات میں رسالۂ شیخ عماد فرشوری کا ذکر کیا ہے اور انکو معاصر سید محمد صغری جد سادات صغروی کا لکھا ہے جن کا زمانہ اخیر چھٹی اور شروع ساتویں صدی ہجری کی مطابق اخیر بارھویں اور شروع تیرھویں صدی عیسوی میں تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ مذکور بلگرام کی تاریخ میں نہ تھا شاید بطور نسب نامے کے ہوگا جس میں کہیں کہیں کسی کا کچھ حال بھی لکھا ہوگا۔ اس لیے کہ اگر تاریخی واقعات و ابتدائی اسلام وغیرہ کا ذکر ہوتا تو شیخ برکت اللہ صاحب فرشوری و نیز اُن کے خاندان والوں نے جہاں اپنے جد اعلیٰ شیخ محمد فقیہ فرشوری کو فاتح بلگرام اور اپنے خاندان کو قدیم سے قاضی قرار دیا ہے وہاں کبھی رسالہ شیخ عماد فرشوری کا مفصل حوالہ دیے بغیر نہ رہتے۔ اس کے بعد نسب نامہ منظومۂ میر عبد الواحد کلاں صغروی اور رسالۂ انساب مولفہ سید حسن دانشمند صغروی اور کتاب مراۃ المبتدین مولفہ سید شریف بن عمر صغروی کا پتہ لگتا ہے جس کی تالیف کو تقریباً دو سو ستر برس کا زمانہ ہوا ہوگا۔ اس کتاب کی عبارت کا حوالہ جابجا میر آزاد کی تالیف میں ملتا ہے مگر حوالوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف مشاہیر کا تذکرہ ہے جس کا مدار بقول بعض مولفین اکثر سمعی کہانیوں پر ہے۔ قدیم تاریخی واقعات کا اس میں ذکر نہیں اس لیے کہ یہ کتاب جن متاخرین کے ہاتھ لگی وہ اپنی اپنی تالیف میں جہاں انھوں نے حسب دلخواہ واقعات میں طبع آزمائی کی ہے اگر ذرا بھی اپنی تحریر کی موافقت یا تائید اس میں پاتے گو وہ بے اصل اور من گھڑت ہی کیوں نہ ہوتی بغیر اس کا حوالہ دیے نہ رہتے۔ یہی حالت دیگر مذکورۂ بالا رسائل کی بھی ہے کہ تاریخی واقعات بالخصوص فتح بلگرام کے حالات سے کورے ہیں۔ المختصر اگلوں نے تاریخی حالات نہیں لکھے اگر انکی توجہ اس طرف ہوتی اور اس وقت کے ہنود سے بھی کچھ مدد لیتے تو قدیم حالات بہت کچھ دریافت ہو سکتے تھے اور غالباً اگر اگلے لوگ تحقیق و انصاف سے لکھتے تو قریب قریب صحیح واقعات قلم بند ہوتے برخلاف ان تالیفات کے جن کا آغاز بارھویں صدی ہجری سے ہوا۔ یہ تالیفات جہاں تک میری نظر سے گزریں ان کے مولفین کا مقصد تاریخ کی صحت نہیں معلوم ہوتا بلکہ ہر مولف کی مختلف تالیف اس امر کا ثبوت دیتی ہے کہ تالیف سے ان کا خاص منشا اپنے خاندان کا اقتدار اور ایک دوسرے پر تفوق ظاہر کرنے کا تھا۔ واقعات کی صحت پر بالکل نظر نہیں رکھی گئی بلکہ بعض تالیفات کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح واقعات پر اپنے اپنے حسب منشا تصنع کا پردہ ڈالکر ان کے چھپانے کی کوشش کی گئی جس قدر تاریخی حالات میری نظر سے گذرنے

اُن کے مولفین شیوخ فرشوری شیوخ عثمانی۔ سادات رضوی اور سادات صغروی کے بزرگ نظر آئے جن میں
شیوخ فرشوری اور سادات صغروی نے تالیفات کی تعداد زیادہ کی ہے اور غائر نظر ڈالنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ ان [illegible] فتح کا ذکر بار بار کیا ہے اور اسی وجہ سے اپنے
[illegible] کی غرض سے انھوں نے تالیفات کا خزانہ خوب لٹایا ہے۔ یہ جملہ تالیفات
حقیقتاً اپنے اپنے خاندانوں کے نسب نامے ہیں اُنہیں میں ہر مولف نے اپنے اکثر بزرگوں کے تذکرے
بھی درج کر دیے ہیں۔ بعض نے غیر خاندان کا نسب نامہ بھی معہ تذکرۂ مشاہیر لکھا ہے۔ ان تالیفات
کو میں نے تاریخ بلگرام کی حیثیت میں نہیں پایا۔ جناب میر غلام علی صاحب آزاد نے ایک کتاب
مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام کے نام سے ضرور لکھی مگر میں تاریخ بلگرام اُسکو بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ انہوں نے اس
میں دو فصلیں قائم کر کے پہلی فصل میں فقرا اور دوسری میں فضلاء کا تذکرہ صرف لکھا ہے۔ تاریخی واقعات کی تشریح
کو بالائے طاق رکھ دیا۔ البتہ فتح بلگرام اور ابتدائے اسلام کا واقعہ ضرور خوب تصنیف کیا ہے اور اپنی بعض دیگر
تالیف میں بھی کچھ حصہ تصنیف شامل کر کے سادات صغروی کے لیے بہت کچھ مسالہ تیار کر دیا ہے جس سے بعض
تاریخی واقعات نے اختلافی شکل پیدا کر لی میری تحقیق میں پہلے اس معرکۂ اختلاف و وحدت میں حضرت سادات
صغروی بالخصوص بتھیے سادات ساکنان محلہ میدانپورہ نے قدم رکھا ہے۔ جناب سید محمد صغریٰ صاحب کی
نسبت ان حضرات نے ایسی ایسی باتیں بنائیں اور تاویلیں کیں کہ اپنے سنجیدہ مزاج برادران سیدواڑہ
وغیرہ کو بھی بہکا کے آہستہ آہستہ اپنا ہمخیال بنا لیا۔ انہیں کی غیر منصفانہ اور نامحققانہ تحریروں و رشوخ بیانی
نے مجھکو تنقیح و تحقیق اور انصافاً جا بجا جواب دینے پر مجبور کر کے بزرگ سادات محلۂ سیدواڑہ وغیرہ کے
سامنے نادم و خواستگار معافی بنایا۔ الغرض انھوں نے اپنی قابلیت و جوہر علمی کے مطابق خوب خوب
شبدیز قلم کی جولانی دکھائی ہے۔ پہلے سید ضیاء اللہ صاحب تاجوڑئی اور علامہ میر عبدالجلیل صاحب
بتھیے ساکنان محلہ میدانپورہ نے اپنے اپنے نسب نامے نظم لکھے اور مجملاً اُن میں سید محمد صغریٰ صاحب
کو فاتح بلگرام کہا مگر بعد ان کے میر آزاد صاحب اتنی شہ پاکر اُسکو لے اُڑے اور ایسی ایسی اُسکی تفصیل کی
کہ اُن کی شوخی تحریر اور آتش بیانی نے بالکل بارود میں چنگاری کا کام کیا اور اُسی وقت سے اختلاف کا طوفان
نہایت زور شور سے اُٹھ کھڑا ہوا اور ہر مولف اپنی اپنی ہانکنے لگا اس میں شک نہیں کہ اس جادے کی پیشوائی کا
فخر میر صاحب موصوف کو ضرور حاصل ہے اور اس واقعہ نگاری کے اُستاد وہی ہیں۔ شیوخ فرشوری نے

جو کچھ بلند پروازیاں کیں گو وہ میر آزاد صاحب کے خلاف ہیں مگر طریقہ سکھایا ہوا اور جوش دلوایا ہوا انہیں کا ہے۔ اس بارے میں میرا زیادہ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے لہذا میں اپنے اس قول کے ثبوت میں میر آزاد صاحب کے ہر مضمون خلاف پر اُن کے معاصرین نے جو خیالات اپنے میر صاحب موصوف کی حیات میں بذریعہ تقریر و تحریر ظاہر کیے اپنے اپنے موقع پر بجنسہٖ نقل کروں گا۔ اور اسی طرح شیوخ فرشوری اور دیگر مدعیوں کی بھی کمزور تحریروں اور تقریروں کی نسبت جو کچھ اُن کے معاصرین نے لکھا ہے پیش کروں گا۔ اس وقت صرف میر آزاد صاحب کی تالیفات کی نسبت مجملاً و مختصراً بعض اُن کے معاصرین کی چند تحریریں نقل کیجاتی ہیں جن سے اختلاف کی ابتدا اور صحیح واقعات کی پردہ پوشی کا پتہ لگ جائیگا اور ناظرین منصف مزاج بخوبی اصلیت کی تہ کو پہنچ جائیں گے۔

مولف شرائف عثمانی اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں (اما بعد احقر الناس عاصی غلام حسن صدیقی الفرشوری البلگرامی متخلص بہ ثمیں بر ضمیر مہر تنویر نکتہ سنجان و دقیقہ شناسان حق بیں و حق پژوہ عرض میدارد کہ در عنفوانِ جوانی و اواسطِ ایام زندگانی کہ بہترین اوقات و خوش ترین ساعات حیات است جمع از دوستان و برادران مثل اخوی مکرمی شیخ اہل اللہ خلف شیخ محمد افضل عثمانی البلگرامی وغیرہ سلمہم اللہ تعالےٰ و میر نوازش علی عرف اللہ میاں نبیرہ و جانشین میر لطف اللہ عرف شاہ لدعا بہتمہ طرح مجلس انداختہ ہمہ گہ صحبت موافق میداشتیم و از ہر نوع مواد شعر و سخن مہیا ساختہ علی الرغم روزگار ہجام حضور بادہ سرور پیمودہ بحکایات مسرت آمیز و کلمات بہجت انگیز رونق انجمن افزودہ وقت را غنیمت مے انگاشتیم بیشتر وقت بر زبان میر نوازش علی مذکور جاری مے گشت بلکہ مے گفتند کہ کتابے مخصوص بذکر شعرائے بلگرام پیراستہ آید۔ بنابر آنکہ اسامی شعرا معدودے چند بیش نبود ندخواطر متوجہ ایں کار نمی شدند در حیز تاخیر تعویق بود۔ دریں ضمن در شہور ۱۱۵۱ہ یک ہزار و یک صد و پنجاہ و یک ہجری میر غلام علی ہیتمہ متخلص بآزاد سلمہ اللہ الی یوم التناد کہ از الہ آباد رونق افزائے وطن شدند و بریں خطرہ اطلاع یافتند تقریب تعمیر حجرہ تربۂ مزار سید محمد واسطی مرحوم کہ جد اعلان عشیرۂ سید عمر وغیرہ ساکنان بلگرام محلہ سیدواڑہ میگویند کتابے بر سبیل نسب نامہ جمع فرمودند بے اطلاع ما مردم اکثر اقوال سماعی و قیاسی کہ معتمد علیہ نبودند درج نمودند و بعد چندے بعزم زیارت حرمین شریفین از بلگرام براہ دکن روانہ سفر حجاز گردیدند در آں حین نواب آصف جاہ نظام الملک بہادر ناظم صوبجات دکن بود با دملاقات نمودہ رباعی گفتہ بخدمتش گزرانیدند و آں اینست۔ رباعی

اے عالی دین محیط جود و احساں　　　حق داد ترا خطاب آصف بجہاں
او تخت بدرگاہ سلیمان آورد　　　تو ال نبی را بدر کعبہ رساں

نواب معزالیہ پانصد روپیہ زاد راہ باعنایت فرمودہ و استدعا کرد کہ ہرگاہ از زیارت حرمین الشریفین مراجعت بہندوستان نمایند ہمیں راہ بیایند۔ پس آزاد مذکور بعد حصول زیارت بیت اللہ شریف و مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارد دکن شدند۔ نواب معزالیہ باعزاز و اکرام پیش آمدہ و میر مذکور را تا غایت الف واسینیا سے دست داد۔ الآن بجسب آبخورد در آں ملک استقامت دارند و از انجا کتابے مسمی ماثرالکرام فی تاریخ بلگرام و نسخہ سرو آزاد نام تالیف فرمودہ بہ بلگرام فرستادند۔ چوں بنظر جمع از فضلا و بعضے از روسائے بلگرام گذشت بسبب آنکہ اکثر اقوال خلاف واقع تاریخ و اسناد وثائق و فرامین بودند ہر یک بزرگان بملاحظہ آں بگرداب حیرت در افتادند کہ ہرگاہ تبیان ایشاں سرتاسر خلاف واقع و مخالف اسناد و تواریخ سلف است بجز اینکہ ساقط از اعتبار است چہ تواں گفت۔ وقطع نظر بنائے کتاب محتوی بر صدق و صواب مے باید تا جار　خلف را دلیل یقینی باشد و معتمد علیہ گردد۔ خصوصًا اکثر بزرگان شیوخ عثمانی کہ از ابتدائے آبادی اسلام بلگرام منصب قضا و احتساب در دودمان ایشاں الآ ں از روئے اسناد و فرامین از عہد سلطنت سلطان محمود غزنوی بلا فصل نسلاً بعد نسلٍ تعلق دارد و سجلات و وثائق بمواہیر و دستخط ایں قضات در تمام بلگرام موجود اندو　افرامین سلاطین و کتابہائے عمارت والواح مزارات وغیرہ احکام شرعی و مالی ازاں خبرے وہند دریافتہ بمیر سید محمد خلف الصدق میر عبدالجلیل وخال آزاد مذکور اظہار نمودند کہ اگر موافق اسناد و فرامین وغیرہ وثائق در کتاب ماثرالکرام بقید تحریر آرند ہر آئنہ موجب مزید اعتبار و اعتماد گردد۔ میر سید محمد مذکور فرمودند کہ ماخود استخراج میر غلام علی کردہ ایم نوشتہ اند کہ ما را اطلاع نبود حالا شما کتابے علیحدہ مشتمل بر احوال بزرگان خود بنویسید و ہرچہ در آں شکوکے داشتہ باشند از نسخہ ماثرالکرام　سازند لاجرم جمعے از اخوان صفا متحلی بزیور　وحلیہ وفا کہ عبارت از برادران عشیرۂ قضات عثمانیان است التماس نمودند کہ کتابے مخصوص بہ ذکر قدمائے بلگرام منتج از زوائد و محتوی بر فوائد واقعات صنادید بلگرام مع سوانح سلاطین اسلام و اولیائے کرام کہ جوار سواد بلگرام آسودہ اند باید نوشت تا حاکی و ناطق باشد و از دروغ مبرا بود تاکہ کذب بے افترائے آزاد مذکور نزد یک خبرت بنیان واضح ولائح گردد۔ بالآخر در شہور

۱۱۵۹ھ یک ہزار و یک صد و پنجاہ و نہ ہجری مقدسہ ہنگیں ہمت بر تالیف ایں نسخہ سر دادم واز آنجا
کہ باعث بر تالیف ایں نسخہ برادران عثمانی بودہ اند و راقم الحروف نبیرۂ ایں دودمان ایں نسخہ را ترتیب دادم
و شرائف عثمانی نام گزاشتم و برخے از احوال اسلاف خود کہ در بلگرام اشتہار بفرشوری دارند نیز در
قید تحریر آوردم وانچہ از ازادی کتب تواریخ معتبرہ واسناد و فرامین سلاطین و سجلات و وثائق اسلاف
وکتابہائے عمارات والواح مقابر و مساجد وغیرہ بنظر در آمدہ وہم از بعضے تصانیف بزرگان عثمانیان
وگواہی و دستخط پیشان عشایر فرشوریاں و ترکانان و اغوانان و شریفان و سادات واسطہ و بعضے سادات
کہ عقب آنہا ماندہ چیدہ چیدہ مفصل دریں صفائح ثبت نمودم) ترجمہ (اس کے بعد آدمیوں سے زیادہ
حقیر گنہگار غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی متخلص بہ ثمیں حق دیکھنے والے اور حق تلاش نکتہ سنجوں اور دقیقہ شناسوں
کے روشن دل پر ظاہر کرتا ہے کہ شروع جوانی اور زندگی کے درمیانی دنوں میں جو کہ زیست کے بہتر اور
اچھے وقت ہیں بہت سے دوست اور بھائی مثل بھائی شیخ اہل اللہ بن شیخ محمد افضل عثمانی بلگرامی وغیرہ سلمہم اللہ
تعالیٰ اور میر لطف اللہ عرف شاہ لدھا بھتیجے کے پوتے اور جانشین میر نوازش علی عرف لالہ میاں ایک
جلسے میں باہم صحبت موافق رکھتے تھے اور ہر طرح کا مادہ شعر و سخن مہیا کر کے زمانے کے برخلاف خوشی
و خرمی کے ساتھ مسرت آمیز حکایتوں اور خوشی و تازگی بخشنے والے کلمات سے محفل کی رونق بڑھا کر
وقت کو غنیمت جانتے تھے۔ میر نوازش علی مذکور اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک کتاب خاص بلگرام
کے شاعروں کے ذکر میں مرتب کی جائے چونکہ شاعروں کے نام تھوڑے سے ہی تھے اس لیے اس
کام کی طرف طبیعتیں متوجہ نہ ہوتی تھیں اور یہ کام رکا رہا۔ اسی اثنا ۱۱۵۱ھ ایک ہزار ایک سو اکاون
ہجری مطابق ۱۷۳۸ء ایک ہزار سات سو اڑتیس عیسوی کے مہینوں میں میر غلام علی بھتیجے متخلص بآزاد خدا
اُن کو قیامت تک سلامت رکھے الہ آباد سے وطن "بلگرام" میں آئے اور اس خطرے "ارادہ
تالیف کتاب مذکور" سے اطلاع پائی تو خاندان سید عمر وغیرہ ساکن بلگرام محلہ سیدواڑہ کے جد اعلیٰ
سید محمد صغریٰ مرحوم کے مزار کے چبوترے کی تعمیر کی تقریب میں ایک کتاب "شجرۂ طیبہ" بطریق
نسب نامہ جمع فرمائی اور بغیر اطلاع ہم لوگوں کی اکثر سنے ہوئے اور قیاسی قول جو معتبر نہ تھے اس میں درج
کیے تھوڑے دنوں کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے ارادے سے دکن کی راہ سے حجاز کے
سفر کے لیے روانہ ہوئے اس وقت نواب آصف جاہ نظام الملک بہادر دکن کے صوبوں کے

ناظم تھے اُن سے ملاقات کی اور رباعی لکھکر اُن کی خدمت میں گذرانی ترجمہ رباعی اے دین کی حمایت کرنے والے سخاوت اور نیکی کے سمندر خدا نے تجکو دنیا میں آصف خطاب دیا ۔ وہ "آصف" سلیمان کی درگاہ میں تخت لایا ۔ تو نبی کی آل "ہم کو کعبے کے دروازے تک پہنچا دے ۔ نواب موصوف نے زاد راہ کے لیے پانچسو روپیہ انکو عنایت فرمائے اور خواہش کی کہ جب حرمین شریفین کی زیارت کرکے ہندوستان کو پلٹے گا تو اسی راہ سے آئے گا ۔ پس آزاد مذکور بیت اللہ اور مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرکے دکن مین پہنچے ۔ نواب موصوف اعزاز و اکرام سے پیش آئے اور میر مذکور کو بہت الفت اور انس ہوگیا ۔ آجکل دانے پانی کے بموجب اُسی ملک میں قیام رکھتے ہیں اور وہاں سے کتاب مسمی ماثرالکرام فی تاریخ بلگرام اور کتاب سرو آزاد نام تالیف فرماکر بلگرام بھیجیں ۔ جب بہت سے فاضلوں اور بعض رؤسائے بلگرام کی نظر سے گذریں تو اس سبب سے کہ اکثر باتیں ۔ تاریخ ۔ سندوں ۔ دستاویزوں اور فرمانوں کے خلاف تھیں سب بزرگ انکو دیکھکر حیرت میں پڑ گئے کہ جب ان "میر آزاد" کا بیان تمام و کمال خلاف واقع اور اگلی تواریخ اور سندوں کے خلاف ہے تو سوا اس کے کیا کہا جائے کہ نامعتبر ہے ۔ اور قطع نظر اس کے کتاب کی بنیاد سچائی اور درستی سے شامل ہونا چاہیے تاکہ آیندہ والوں کے لیے یقینی دلیل ہو اور اس پر اعتبار کیا جائے ۔ خاص کر اکثر بزرگ شیوخ عثمانی کہ ابتدائے آبادی اسلام بلگرام سے قضا اور احتساب کا منصب ان کے خاندان میں سندوں اور فرمانوں کی رو سے سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت سے بلا فصل نسلاً بعد نسلٍ اس وقت تک تعلق رکھتا ہے اور ان قاضیوں کے دستخط اور مہروں کے قبالے اور دستاویزیں تمام بلگرام میں موجود ہیں اور باوجود اس کے بادشاہوں کے فرمان اور عمارتوں کے کتابے اور مزاروں وغیرہ کی لوحیں اور ان کے شرعی و مالی احکام اُن کے منصبوں کے خبر دیتے ہیں یہ سب باتیں دریافت کرکے میر آزاد مذکور کے ماموں میر سید محمد ولد عبدالجلیل سے ظاہر کیا کہ اگر سندوں ۔ فرمانوں اور دستاویزوں وغیرہ کے موافق کتاب ماثرالکرام میں تحریر کریں تو ضرور زیادہ اعتبار کا سبب ہو میر سید محمد مذکور نے فرمایا کہ ہم نے خود میر غلام علی کی رائے دریافت کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ ہمکو اطلاع نہ تھی اب آپ ایک کتاب علیحدہ بزرگوں کے احوال میں خود لکھیے اور جو کچھ شکوک ہوں کتاب ماثرالکرام سے دور کر دیجیے ۔ ناچار چند بزرگی کے زیور اور وفا کے خلعت سے آراستہ

خالص دوست بھائیوں نے جن سے قضات عثمانی کا خاندان مراد ہے کہا کہ ایک کتاب مخصوص
قدمائے بلگرام کے ذکر میں فضول باتوں سے پاک اور بزرگان بلگرام کے واقعات کے فائدوں
سے ملی ہوئی مع سوانح بادشاہان اسلام اور اُن روسائے کرام کے جنکے مزار سواد بلگرام کے
جوار میں ہیں لکھنا چاہیے جس سے سب حال معلوم ہو اور جھوٹ سے پاک ہو تاکہ آزاد مذکور کا
جھوٹ اور بہتان عقلمندوں کے نزدیک واضح اور ظاہر ہوجائے۔ بالآخر ۱۱۵۹ء ایک ہزار ایک سو انسٹھ
ہجری" مطابق ۱۷۴۶ء ایک ہزار سات سو چھیالیس عیسوی" کے مہینوں میں تمام ہمت اس کتاب
کی تالیف کا باعث عثمانی بھائی ہوئے ہیں اور راقم الحروف اس خاندان کا ناتی ہے اس کتاب کو
ترتیب دیا اور **شہر الف عثمانی** نام رکھا اور تھوڑا سا حال اپنے بزرگوں کا بھی جو بلگرام میں
فرشوری مشہور ہیں لکھدیا اور جو کچھ تواریخ کی معتبر کتابوں اور اگلی سندوں اور فرمانوں اور قبالوں
اور دستاویزوں اور عمارتوں کے کتابوں اور مقبروں اور مسجدوں وغیرہ کی لوحوں اور عثمانی بزرگوں
کی بعض تصانیف اور اگلے فرشوریوں اور ترکمانوں اور اغوانوں اور شریفیوں اور سادات ڈھبا اور
بعضے سادات کہ جن کا خاندان باقی نہیں رہا اُن کی گواہیوں اور دستخطوں کی رو سے چیدہ چیدہ مفصل
ان صفحوں میں تحریر کردیا) اب ناظرین ذرا شہر الف عثمانی کے دیباچے کے ایک مقام کی اتنی عبارت
ملاحظہ فرمائیں (وما ورائے آں ساکن جدید از احوال قدمائے اسلام و فتح بلگرام چہ خبر دارد وانچہ
برخود مخفی ست بر دیگراں چہ نویسد مقصود آزاد مذکور ہمیں قدر بود کہ من از اولاد سید محمد و اسطی ام
و نیز سید مذکور فتح بلگرام نمودہ و ازیں امر بجز بدنامی ہیچ مطلب شان بر آمد کار نگردید۔ الانا واقفان
را از مطالعہ کتاب کاذبہ اسلام و آبادی مسلمین بلگرام بموجب تاریخ طبعزاد آزاد خداداد کہ سنش
شش صد و چہاردہ ہجری واضح خواہد شد۔ و بزرگ حضرت آزاد مذکور از قصبہ سمدن در عہد ملک
بہلول لودی در بلگرام برائے تحصیل علم بر آمدہ و بعد چندے بوجہ اخلاق اہالیان بلگرام طرح توطن انداختہ
ان معنی بر جمہور قدمائے بلگرام پیدا و ہویدا است و عبث کتابے مضمون باطلہ کہ دور از قیاس است
فراہم نمودہ و متقدمین را با متاخرین قرار دادہ و خود را از اولاد سید محمد مذکور ظاہر ساختہ) ترجمہ
(اور علاوہ اس کے نیا سکونت رکھنے والا قدیم مسلمانوں اور فتح بلگرام کا حال کیا جانے۔ جو وہ
خود نہیں جانتا دوسروں کو کیا بتائے گا۔ آزاد مذکور کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں سید محمد صغری

کی اولاد سے ہوں در سید مذکور ہی نے بلگرام کو فتح کیا اور اس سے سوائے بدنامی کے اُن کا اور کچھ مطلب نہ نکلا ۔ مگر ہاں ناواقفوں کو جھوٹی کتاب " مآثرالکرام " کے مطالعہ سے اسلام اور بلگرام کے مسلمانوں کی آبادی آزاد کی طبع زاد تاریخ خداداد کے بموجب ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء ایک ہزار دو سو سترہ عیسوی میں معلوم ہوگی ۔ حضرت آزاد مذکور کے بزرگ قصبۂ سمدن سے ملک بہلول لودی کے عہد میں تحصیل علم کے لیے بلگرام* پر ظاہر ہے ۔ دور از قیاس جھوٹے مضمون کی کتاب " ماثرالکرام " بیکار تالیف کر کے متقدمین کو متاخرین میں قرار دیا اور اپنے آپ کو سید محمد مذکور کی اولاد سے ظاہر کیا) اس بیان کی تصدیق و تائید حیات جلیل مولفہ جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی مطبوعہ پبلشر رام نارائن لال الہ آباد ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ سطر ۱ و ۲ میں ملاحظہ ہو (یعنی آزاد کے مورث اور بزرگوں کے خمیر کا اسی خاک صمدن ضلع فرخ آباد سے ہونا جہاں کے توطن کا شرف بندہ ہیچدان کو بھی حاصل ہے) - حاشیہ ۲۷ صفحہ ۱۳ سطر ۵ لغایت ۱۲ (صمدن ضلع فرخ آباد ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں مسلمانوں کا ایک مشہور قصبہ ہے ۔ حوادث دہر سے گھٹتے گھٹتے اس کی مردم شماری تین ہزار رہگئی ہے ۔

سادات کی آبادی بہت پرانی ہے کسی وقت سادات کے بہت سے قبائل اور عشائر یہاں رہتے تھے جو عرب و عجم کے مختلف مقامات سے آئے تھے ۔ رفتہ رفتہ بہ تقاضائے خدمت یا بہ تلاش معاش ترک وطن کر گئے ۔ میر غلام علی آزاد کا خاندان بھی انہیں میں سے تھا ۔ ان کے مورث ملک بہلول لودی کے عہد میں طلب علم کے لیے بلگرام گئے اور وہیں کے ہو رہے اسی لیے شیخ غلام حسن ثمیں نے شرایف عثمانی میں آزاد کے دعوائے بلگرامیت پر تعریض کی ہے اور اپنے انگریزی " ترجمہ احمد شاہ ابدالی و وزیر عماد الملک " کے دیباچہ میں ایروین صاحب بھی اُن کے ہم نوا پائے جاتے ہیں) اور لیجئے دوسرے میر آزاد صاحب کے ہمعصر فاضل اجل قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی بلگرامی رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں تحریر فرماتے ہیں

(بعضے اخوان زماں مثل میر غلام علی آزاد بہتمہ در تالیف خود ماثرالکرام تاریخ بلگرام بے سمعیات بردہ و اعتماد بر افواہ عام کردہ کہ جز افسانہ بیش نیست و ماخذ تالیف خود در امراۃ المبتدین تصنیف میر شریف بن سید عمرو اسطی کہ او نیز اقوال افواہ عامہ جمع نمودہ مقرر کردہ و میر غلام علی آزاد اسلام

* آئے اور چند دنوں کے بعد اہل بلگرام کے اخلاق کی وجہ سے یہیں رہ پڑے یہ بات تمام قدمائے بلگرام

بلگرام را در عہد سلطان شمس الدین التمش ۶۱۴ھ اربع عشر و ستمائۃ نوشتہ و تاریخ آنرا لفظ خداداد
یافتہ) ترجمہ (بعض ہمعصر بھائیوں مثل میر غلام علی آزاد بھتیجے نے اپنی تالیف مآثر الکرام تاریخ بلگرام
میں سنی ہوئی باتوں پر اعتبار کیا جو کہانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مراۃ المبتدین تصنیف میر سید شریف
ولد سید عمر واسطی کو کہ انھوں نے بھی عام سنی ہوئی باتیں جمع کر دیں اپنی تالیف کا ماخذ مقرر کیا۔ اور
میر غلام علی آزاد نے بلگرام کے اسلام کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق
۱۲۱۷ء ایکہزار دو سو سترہ عیسوی" میں لکھکر اُسکی تاریخ خداداد پائی) یہ اور نیز دیگر اعتراضات جو آیندہ
ہر موقع پر ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جائینگے سب میر آزاد صاحب کی وفات سے کم از کم تین
سال قبل اُن پر بڑے شد و مد سے ہوئے اور میر صاحب موصوف کی نظر سے بخوبی گزرے مگر کسی
کا جواب اُن کی یا اُن کے خاندان کے کسی شخص کی طرف سے آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا گو بظاہر
تلخ تھے لیکن انکو شربت کے گھونٹ کی طرح پی جانا پڑا۔ خیر یہ سب کچھ سہی مگر اس میں شک نہیں کہ جناب میر
آزاد صاحب نے اپنی جودت طبع سے سادات صغروی کے قدیم اور فاتح بلگرام ہونے کا دعویٰ کرنے کا
بہت اچھا ڈھرا ڈال دیا اور آیندہ اس خاندان کو بہت کچھ مضمون آفرینی کا سبق دے گئے۔ جس سے
اُن کی درسگاہ میں بعض بڑے زور شور کے ارشد تلامذہ نکلے جنھوں نے تعلیمی مضامین میں ایسی خامہ فرسائی
کی جس کی جرأت خود اُن کے پیشوا میر آزاد صاحب کو بھی نہ ہوئی تھی۔ اُن کی سحر بیانی کا اپنے موقع پر ذکر
ہوگا انشاءاللہ۔

اب مجکو ایک خاص تصنیف کا ذکر کرنا ہے جس نے سونے میں سہاگے کا کام کیا ہے۔ وہ
ایک مختصر رسالہ فارسی میں ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے نام سے موسوم ہے اور شاید صحیفہ
آسمانی کی طرح بلگرام میں جناب سید محمد الملقب بسید صغری کے بلگرام کو فتح کرکے اسلام قائم کرنے کی خبر
دینے کے لیے نازل ہوا ہے۔ نہ اُس کے زمانہ تصنیف کا پتہ لگتا ہے نہ مصنف صاحب کا اور
کہانیاں وہ وہ اس میں درج ہیں جن کا سر ہے نہ پیر عقل سلیم اُنکو دیکھکر گرداب حیرت میں پڑجاتی اور
خواہ مخواہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جناب میر آزاد صاحب نے جو سید محمد صغری و خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ صاحب
ولایت بلگرام کو ہمعصر اور پیر بھائی قرار دیکر ہر ایک کے سنہ وفات تحریر فرمائے ہیں ان جملہ جدت خیز
مضامین کی تائید اور تصدیق کے لیے وہ نازل ہوا ہے۔ مقام غور ہے کہ حضرت خواجہ صاحب موصوف

کا کوئی مفصل حال کتب تواریخ میں نہیں ملتا اور نہ اُن کے مریدین کا ہونا کہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس امر کے معترف بھی مورخین بلگرام ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے ولی اللہ کا حال مفصل وثوق اور سند کے ساتھ کوئی نہیں لکھ سکا ان کا ملفوظ تیار کرنا تو دور کنار لیکن اس ملفوظ کے گمنام مصنف صاحب کو نہیں معلوم بذریعہ الہام دریافت ہوا یا کیا بات ہوئی جو قلم اُٹھا کر کہاں کی کہاں لکھ ڈالی جسکا کوئی ماخذ نہیں معلوم ہوتا نہ مصنف صاحب نے کہیں اپنے آپ کو خواجہ صاحب کا ہمعصر اور اُنکا یا اُن کے خاندان کا مرید وغیرہ ہونا ثابت کیا ہے جس سے پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند کے زمرے میں اُنکی یہ تصنیف سمجھی جا سکے بہر حال انہیں وجوہ سے اُسکی شان میں صحیفہ آسمان کی طرح نازل ہونا مجبوراً کہنا پڑا یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا زمانہ حالانکہ عہد سلطان محمود غزنوی میں متحقق ہے۔ لیکن اگر بالفرض عہد سلطان شمس الدین التمش ہی میں مان لیا جائے تو بھی تیرھویں صدی ہجری زمانہ ظہور رسالہ مذکور تک چھ سو برس ہوتے ہیں۔ اتنے عرصہ دراز کے بعد ایسے مفصل حالات جن کا کہیں پتہ نہیں ایک گمنام مولف "جو دراصل مصنف ہی" کے قلم سے تحریر ہو گئے اور بڑا تعجب یہ ہے کہ باوجودیکہ میر آزاد صاحب کے تحریر کردہ اُن تاریخی واقعات کی پوری تائید اور تصدیق اس سے ہوتی ہے جن پر دوسرے مورخ سہمی بلکہ غلط اور طبع زاد ہونے کا دھبا لگاتے ہیں مگر کہیں اس کی سند انھوں نے اپنے کلام کی تائید میں نہیں پیش کی اور نہ دیگر مورخین قدیم نے کہیں اپنی تالیفات میں اس کا ذکر کیا۔ البتہ بعض متاخرین مثل جناب سید محمد صاحب صغروی وغیرہ نے اپنی تالیف اور میر آزاد صاحب کے تعلیم کردہ مضامین میں خوب اس کی سندیں دی ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس صحیفے کے نزول کو بہت زمانہ نہیں ہوا بلکہ تیرھویں صدی ہجری کا ایک شگوفہ ہے اور اگر تیرھویں صدی کے قبل نازل ہوا تو بارھویں صدی ہجری کے اُدھر اُس کے وجود کا پتا لگنا دشوار ہے۔ غالباً کسی دور اندیشی اور مصلحت سے اس کو میر آزاد صاحب نے اپنی تائید کلام کا شرف نہیں بخشا اور پردۂ اخفا کے غلاف میں محفوظ رکھا کہ آئندہ کسی زمانہ میں

ہ پیر نہیں اُڑتے مرید اُڑتے ہیں یعنی پیروں میں وہ کرامات نہیں ہوتی جو مرید لوگ اپنی طرف سے اُن کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں

اپنے پیروان متاخر کی تحریر و تقریر میں بخوبی سند ہوگا اور اُسوقت اپنے کلام کی بھی تائید کا کام خود بخود اس سے نکلیگا ۔ اس کے مولف کے نام کا نشان نہونا بڑا پُر مصلحت راز ہے ۔
اس میں شک نہیں کہ آزادی کا پہلو اس میں ضرور ہے ۔ اور اگر ایسا نہیں تو خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اس کے کسی خاص واسطی قلم کی جادو نگاری ہونے میں تو کلام ہی نہیں ۔ اس موقع پر ایک نقل قابل ذکر ہے جو خالی از دلچسپی نہوگی ۔ ایک مرتبہ چند اصحاب نے ایک صحبت میں فتح بلگرام اور قدامت پر ذکر چھیڑا تو حافظ سید اولاد احمد صاحب صغروی ساکن محلہ میدان پورہ بڑے دعوے کے ساتھ بولے کہ دیگر قبائل جو بلا کسی سند کے فاتح بلگرام اور قدیم ہونے کا دعوی کرتے ہیں یہ بالکل بے اصل ہے اور سید محمد صغریٰ صاحب کا فاتح ہونا اظہر من الشمس ہے جس کا جی چاہے حضرت خواجہ عماد الدین کا ملفوظ الناکر دیکھ لے جس میں صاف صاف خواجہ صاحب کی زبان سے ایک سید کا فوج مسلمانان عرب و لایت سے آکر کافروں کا قتل کرنا مرقوم ہے اور آن کی پیشین گوئی کے چند سال بعد ہمارے جدّ اعلیٰ سید محمد صغریٰ صاحب نے آکر بلگرام کو فتح کیا ۔ اتفاق سے اُس جلسے کے ایک کونے میں میں بھی بیٹھا تھا ۔ سُن کر رہا نہ گیا اور اُوٹھ کر دست بستہ عرض کی کہ جناب سید صاحب کا فرمانا بہت بجا ہے مگر ایک چھوٹی سی حکایت اس وقت حسب حال ہے جو گلزار دبستاں میں لڑکے پڑھا کرتے ہیں ۔ **حکایت** شیرے و مردے باہم "یک خانہ تصویر خود ہا دیدند ۔ مرد شیر را گفت ہمی بینی شجاعت انسان کہ شیر را تابع کردہ است شیر گفت بلے مصور ایں انسان است اگر شیر مصور بودے ایں چنیں نبودے ۔ ترجمہ (ایک شیر اور ایک آدمی نے ساتھ ساتھ ایک گھر میں اپنی تصویریں دیکھیں" ان تصویروں میں آدمی کو غالب اور شیر کو مغلوب کرکے دکھایا تھا" آدمی نے شیر سے کہا تو آدمی کی بہادری دیکھتا ہے کہ شیر کو اپنے بس میں کرلیا ہے ۔ شیر نے کہا ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر تصویر آدمی کی بنائی ہوئی ہے اگر شیر کی بنائی ہوئی ہوتی تو ایسا نہوتا) ملفوظ کی اصل حالت تو اوپر بیان ہی ہوچکی ۔ اس موقع پر اس حکایت کے چبھتے ہوئے فقرے سنکر مقرر صاحب اور آن کے ہمخیال تو سوتنھ کی تاس لیکر رہگیے اور بعض دیگر حاضرین جلسہ دوسرے خاندان والے بلیساختہ قہقہہ لگا بیٹھے ۔ ابھی تھوڑا زمانہ ہوا کہ شاعر نامی جناب سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی نے ایک تاریخ بلگرام مسمی بہ طبقات کرام لکھکر اس کا پہلا حصہ طبع کروایا جب اسکی کچھ جلدیں

بلگرام میں آئیں تو اُس کے مہمل ہونے کا اسقدر شہرہ ہوا کہ دیگر قبائل تو درکنار خود اُن کے خاص قبیلے کے بزرگوں نے نادم ہوکر اُن کی کتاب کی مہملیت پر صاد کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوراً خجل ہوکر انکو وہ مطبوعہ جلدیں تلف کر دینا پڑیں پس جب تاریخ نویسی کی حالت اور مورخوں کے منشار و اختلاف و اختراع کی کیفیت جو اوپر مذکور ہوئی ہو تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ تاریخی واقعات صحیح لکھے گیے زیادہ تر اقوال سماعی اور مضامین طبع زاد پر تاریخ کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ البتہ بعض اور خاندان والوں نے قدیم قبالوں اور تحریروں وغیرہ سے کچھ کام لیا ہے جو قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ مجھکو کل تالیفات یہاں کی ہم نہ پہنچیں۔ اکثر مفقود ہو گئیں جو رہیں اُن میں سے کچھ مکمل اور کچھ نامکمل دیکھنے کو ملیں اور کچھ لوگوں کے پاس تھیں مگر انھوں نے اُن میں ہوا لگ جانے کا ننگ گوارا نفرمایا۔ تاہم میں نے کوشش اور کھوج سے بہت کچھ پتا حتی الامکان لگایا۔ جو کتابیں دستیاب نہ ہو سکیں اُنہیں سے اکثر کے حوالے دیگر تالیفات میں دیکھنے سے یہ بات ضرور دریافت ہوئی کہ قدیم مولفین نے مخصوص اختلاف میں قدم نہیں رکھا اور نہ خاص قدامت و فتح بلگرام کی نسبت کوئی مختلف فیہ مسئلہ چھیڑا اور نہ بارھویں صدی ہجری والے مولفین اپنے اپنے دعووں کے مطابق اور موید جو مضامین اُن قدیم کتابوں میں پاتے وہ ضرور اس مسئلہ خاص میں مثل دیگر حوالوں کے بعینہٖ اُن کی سند دیے نہ رہتے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے فتح و قدامت کے مسئلہ میں بالکل اختلاف نہ تھا اور یہ تاریخ کے سمندر میں اختلاف کا تلاطم بعض جدت خیز طبائع سے بزعم علم و فضل بارھویں صدی ہجری میں پیدا ہوکر اسکی موجیں زیادہ شور انگیز اور طوفان خیز ہوتی گئیں۔ میں نے اس طوفان سمندر کو کوزے میں بند کرکے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ جملہ موجوں کے تھپیڑوں اور تلاطم کا پورا سین اُن کے پیش نظر ہو اور سچے واقعات کے آبدار گوہر اسکی تہ سے برآمد ہو جائیں۔

المختصر پہلے میں نے ۱۳۰۹ھ ایکہزار تین سو نو ہجری مطابق ۹۲-۱۸۹۱ء ایکہزار آٹھ سو بانوے و ترانوے عیسوی میں اپنی تاریخی معلومات کو فارسی میں قلم بند کرکے اس کا نام شمشیر بے نیام تاریخ بلگرام رکھا۔ تالیف کتاب کے ایام میں حجت تمام کرنے کی غرض سے اکثر صاحبان سے زبانی بھی عرض کی اور بلگرام کے نامور و مشہور قبائل کے عمائد اور ذی علم اصحاب کی خدمت میں ایک تحریر بھی بذریعت

حالات وحصول اسناد وغیرہ پیش کی اور وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہا اس پر شیوخ عثمانی کے یہاں سے اکثر اسناد و سجلات و فرامین قدیم اور واقعات تحریری وغیرہ بہم پہنچے کچھ شیوخ صدیقی فرشوری نے رسالے وغیرہ دکھائے۔ جناب مولوی محمد عبدالولی صاحب صدیقی فرشوری نے اپنے پردادا حضرت شیخ فرشوری کی تالیف کتاب شرائف عثمانی کی دو جلدیں۔ ایک مسودہ اور دوسری مکمل جو مولف کی نظر ثانی اور تکمیل کے بعد صاف کی گئی تھی دکھائیں اور کچھ اوراق تاریخی حالات میں جو خود اپنی معلومات کے مطابق حسب طلب جناب ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست کے واسطے تحریر کیے تھے وہ بھی عنایت فرمائے۔ میں نے اپنی کتاب ہذا میں جا بجا حوالے شرائف عثمانی کے مکمل اور مولف کے نظر ثانی کیے ہوئے نسخہ مذکور سے دیے ہیں۔ سادات رضوی ساکنان محلہ ملکنٹھ کچھ ہاں ہوں کرکے رہ گئے و علی ہذا۔

مگر بڑے افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرات سادات صغروی ساکنان محلہ سیدواڑہ و میداپنورہ وسلسلہ جو اکثر باتوں کے مدعی ہیں وہ بالکل ہی کانوں میں تیل ڈالکر بیٹھ رہے۔ بہت اصرار پر بعض نے اتنا فرما دیا کہ میر آزاد صاحب کی تالیفات شجرۂ طیبہ اور مآثر الکرام وغیرہ میں سب کچھ موجود ہے تلاش کرکے دیکھ لو لیکن میں ان تالیفات کو اس بارے میں بخوبی دیکھ چکا تھا کہ بقول سعدی چوں طبل غازی بلند آواز و میان تہی۔ ترجمہ۔ (نٹ کے ڈھول کی طرح آواز اونچی اور بیچ میں خالی)

اِس اُن کے جواب سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اُن کی معلومات میر آزاد صاحب کی تحریر ہی تک محدود اور اسی پر طبیعت خوش اور مطمئن ہے اور سوا میر آزاد صاحب کے تصنیف کردہ بے ثبوت واقعات اور سمعی غیر معتبر روایات کے جن کے نہ راوی کا پتہ ہے نہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ نہ قیاس قبول کرتا ہے اور نہ کسی غیر خاندان کا واقف کار کوئی فرد بشر سوا تردید کے انکی تائید کرتا نظر آتا ہے اُن کے پاس اور کچھ نہیں۔ البتہ میں اپنے مکرم جناب سید مہدی رضا صاحب عرف کالے میاں بن سید محمد رضا صاحب عرف کالے محمد خاندان سید ابوطاہر ساکن محلہ سیدواڑہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے آخر میں سادات صغروی کے کئی نسب نامے اور بہت کچھ حالات مجکو دیے اور اپنے والد ماجد کی تالیفات خلاصۃ الانساب اور شجرۃ الانساب وغیرہ خاص مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے اور کتاب جنیدیہ مولفہ سید جنید صغروی اور اس کے حواشی جو مولف جنیدیہ کے بھتیجے سید غلام حسین صغروی نے لکھے اور اپنے بھتیجے خان بہادر سید اولاد حیدر

صاحب فوق کا ایک رسالہ خاص اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا وغیرہ مرحمت کر کے مرہون منت فرمایا
المختصر اُن کے اور نیز دیگر تالیفات کے مطالعے سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ میر آزاد صاحب کی تحریر کے
بعد جن سادات صغروی یا اُن کے متعلقین نے جو کچھ لکھا ہے آنکھیں بند کر کے اور تحقیق کو بالائے
طاق رکھ کے میر آزاد صاحب ہی کی نقل اور پیروی سے اپنا جی خوش کیا۔ بعد اس کے پھر میں نے
احتیاطاً التماس ذیل بذریعہ اخبار و جرائد شائع کیا مگر صدائے برنخاست

التماس

خاکسار نے ۱۳۴۳ء ہجری میں تاریخ بلگرام لکھنا شروع کی مگر بوجوہ چند و نایابی اکثر تالیفات مولفین
بلگرام قلم کی رفتار بہت سست بلکہ برسوں بند رہی جسقدر رسالا بہم پہنچا اُسکی مدد سے بہت کچھ لکھا
لیکن اُس کے دیکھنے سے ایک بڑی دقت یہ واقع ہوئی کہ جو خاص بات تاریخ کا جزو اعظم تھی یعنی "فتح
بلگرام" اس کی بابت بہت بڑا اختلاف نظر آیا۔ اکثر خاندان شیوخ عثمانی و فرشوری و سادات صغروی
وغیرہ بخلاف یکدیگر اپنے اپنے جد اعلاؤں کی نسبت فاتح بلگرام ہونے کے مدعی پائے گئے۔ لہذا
اس اختلافی صورت میں ضرورت پڑی کہ ہر مدعی کا دعوی مع اُس کے ثبوت و دلائل کے علیحدہ علیحدہ
قلم بند کیا جائے تاکہ ناظرین بتمکین اُس پر غائر نظر ڈالکر صحیح نتیجے کو پہنچ سکیں۔ اس بارے میں بہت
کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے مگر بعض تالیفات بلگرام مثل رسالۂ شیخ عماد فرشوری۔ نسب نامہ شیخ
عبد الکافی فرشوری۔ نسب نامہ نور محمد خطیب فرشوری رسالہ انساب سید حسن دانشمند۔ نسب نامہ
منظومۂ میر عبد الواحد کلاں مراۃ المبتدین مولفہ سید لطیف۔ نسب نامۂ منظوم سید مبارک محدث۔
تبصرۃ الناظرین مولفہ سید محمد شاعر۔ بوستان الکرام مولفہ سید ابوالحسن اور تذکرۃ الکرام مولفہ میر
نوازش علی رضوی وغیرہ مکمل اسوقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس لیے جملہ باشندگان بلگرام
بالخصوص خاندان ہائے مسطور یا اور جن خاندان کے اصحاب فتح کے مدعی ہوں سب کی خدمت
میں دست بستہ التماس ہے کہ تاریخی حالات خاص کر فتح بلگرام کے متعلق جو کچھ تالیفات و اسناد

---

[1] کوئی آواز نہ آئی یعنی خاموشی رہی۔

وسجلات قدیم وغیرہ جن حضرات کے پاس موجود ہوں تھوڑے عرصہ کے لیے مرحمت فرما کر مجھکو مرہون منت فرمائیں کہ کسی مدعی کے دعوے کے ثبوت میں کوئی کمی کسی کے خیال کے مطابق باقی نہ رہجائے - اس وقت جملہ مدعیان فتح بلگرام کے ثبوتوں کا زبردست معرکہ زیر تحریر ہے - اگر خاموشی اختیار کیگئی اور بعد انطباع میری کتاب کے کسی ایک مدعی کے ثبوتوں کے مقابلہ میں کسی دوسرے مدعی کو اپنے ثبوت کم زور معلوم ہونے پر تاؤپیچ آیا اور پھر نئے ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی توگستاخی معاف وہ ثبوت (مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلاخود باید زد[۵]) کے مصداق ہوں گے اور دیگر مدعیان مخالف کو اُن کے مصنوعی اور مستحدث کہدینے کا موقع ملیگا - جو شاید بیجا نہو گا - اس لیے مکرر گذارش ہے کہ ضرور اور جلد میری استدعا قبول فرمائی جائے - اور اگر باوجود متواتر درخواستوں کے بھی کوئی حربہ اس معرکے میں استعمال کرنے سے چھوڑ دیا گیا تو مجبوری ہے پھر میری کتاب کو مجھ سے اگلے موئفین کی تالیفوں کی طرح کوئی مخالف مدعی مورد اعتراض نہ ٹھرائے -

واضح کہ اس مضمون کے کئی اشتہار میں ۱۳۰۹ھ ہجری سے اب تک بلگرام میں دیچکا ہوں مگر پوری کامیابی نہوئی - لہذا اب بذریعہ اخبار وجرائد آخری استدعا ہے بعد اس کے معرکہ مذکور کا خاتمہ کر دیا جائے گا - فقط

ملتمسہ ہیچمیز محمد محمود محمد - بلگرام ضلع ہردوئی محلہ قاضی پورہ

یہ التماس کئی رسالوں میں اشاعت کے لیے بھیجا منجملہ اُن کے مرقع لکھنؤ جلد ۱ نمبر ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ آخر میں نظر سے بھی گذرا - اسی طرح غالبًا اور رسالوں میں بھی ہوگا - علاوہ ازیں کتاب ہذا میں اس نظر سے درج کر دیا کہ اسکو دیکھکر اب بھی جو اصحاب جو کچھ ثبوت و دلائل وغیرہ اپنے دعوے کے متعلق مرحمت فرمائیں وہ درج کیے جائیں اور نیز میری حیات تک جسوقت بھی جو کچھ اسناد وغیرہ دستیاب ہوں گے وہ بھی ضرور کتاب میں بڑھا دوں گا - اسوقت مجبوراً جو کچھ کتب تواریخ اور نسب نامے وغیرہ جس خاندان کے اپنی کوشش اور حکمت عملی سے مجھکو دستیاب ہوسکے اُن سے لکھا - جب لکھ چکا تو دوسری دقت یہ درپیش آئی کہ ایک سرے سے تمام احباب اور

---

[۵] - لڑائی کے بعد جو گھونسہ یاد آئے وہ اپنے منہ پر مارنا چاہیے -

قدردانوں کے اصرار نے مجھے اس کے اُردو کردینے کے لیے مجبور کیا عرصہ دراز تک تفکرات چند در چند اور علالت وغیرہ کی وجہ سے اُن کی تعمیل ارشاد سے قاصر رہا۔ آخر اُسکو اُردو کرنا پڑا اور نہ صرف یہی بلکہ جہاں کہیں دوسری زبان کی عبارت درج کی گئی وہاں اُس کے ساتھ اُسکا اردو ترجمہ بھی شامل کردیا اور اسوقت تک جو کچھ باتیں اور دریافت ہوئیں اُس میں بڑہا دی گئیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اُسکی تکمیل بلکہ تالیف ہی اب ہوئی پہلا نام بھی تبدیل کرکے بجائے اُس کے دوسرا مناسب نام تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام رکھا اور ہر ایک بیان مسلسل کا ایک باب مقرر کرکے حسب ضرورت اکثر بابوں میں فصلیں بھی قائم کردیں۔ اور بوجہ ضخامت ایک یا چند بابوں کا ایک ایک حصہ الگ الگ کردیا اب التماس صاحبان ذی علم و ہنر کی خدمت میں یہ ہے کہ اختلافی واقعات وغیرہ میں اقوال و مباحث مختلف باہمی سے جہاں میں نے حتی الامکان حقیقت کا انکشاف کیا ہے اور قدیم مورخین کی تحریر کے علاوہ جو کچھ جدید تحقیقات سے تذکرہ مشاہیر وغیرہ میں اضافہ کیا ہے اُس کی داد دیکر مجھکو فخر و مباہات بخشیں اور دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور بمقتضائے (الانسان مرکب من الخطاء والنسیان) ترجمہ (انسان خطا اور بھول سے ملکر بنا ہے) جہاں کہیں غلط یا سہو پائیں اُسکو دامن عفو میں چھپائیں یا اصلاح منصفانہ و محققانہ سے مجھکو مستفید فرمائیں۔

چونکہ بعض اصحاب شعرا نے اس کتاب کی تالیف فارسی کے زمانہ میں ازراہ خلوص خون جگر کھاکر کچھ تاریخیں اسکی لکھکر مرحمت فرمائی تھیں اور اب اُسکی دوسری شکل اور دوسرا نام اور دوسرے سنہ تالیف ہوگیے لہٰذا وہ پہلی تاریخیں جن کے مصنف فوت بھی ہوگئے بطور اُن کی یادگار کے یہاں درج کیجاتی ہیں اور اُنکے اندراج کے لیے یہی موقع مناسب معلوم ہوتا ہے۔

لہ چونکہ بعض عربی دانان ہند نے ہندی اسماء کے معربات گھڑنا شروع کیے ہیں اور اُنکے ایسے حروف کو جو عربی میں نہیں ہیں دوسرے حروف سے تبدیل کرکے ترکیب میں استعمال کرنا اختیار کیا ہے اور اصل صورت میں ان کا ترکیبا استعمال کرنا غلط سمجھتے ہیں لہٰذا اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو کتاب ہذا کا نام تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام رکھا ہے اس میں عمداً مثل عربی دانان مذکور کے بلگرام کے کاف فارسی کو جیم عربی سے تبدیل کرکے اصلی خوبصورت نام بلگرام کو بلجرام بھی نہیں بنایا کیونکہ میرے عندیے میں یہ ترکیب جائز ہے مفصل بحث اسکی مخزن تحقیق میں کی گئی ہے۔

تاریخ از نتیجہ طبع جناب حکیم سید بندہ رضا صاحب آرزو رضوی بلگرامی

منشی حمد کہ بر پاکی طبع محمود | ہر کسے را نظر افتاد نماید عش عش
بہر تاریخ کتابے کہ بود تالیفش | آرزو گفت نوی طرز عبارت دلکش ۱۳۰۹

ولہ

آرزو - حمد خوش نوشت کتاب | بتلاشِ کمال وجد و کد
پے تاریخ از لبِ ہاتف | نسخۂ بے نظیر بر آمد ۱۸۹۲ء

تاریخ تصنیف سید واجد علی صاحب واجد رضوی بلگرامی

دبیرِ نکتہ پرور حمد ذی فہم | کہ در فضل و بلاغت ہست محسود
بعلم و معنی و رنگیں بیانی | سبق از ہم عنانِ خویش بر بود
بحالات وطن فرسود خامہ | دریں ہنگام خرم وقت مسعود
گہر از معدنِ معنی بر آورد | نقاب از چہرۂ اسرار بکشود
نوشتہ داستانے بے کم و کاست | نشان بلگرام از کلک بنمود
بخاک رفتگاں آب بقا ریخت | چراغ افروختہ در بزم موجود
پس از عبدالجلیل و میر آزاد | ثنا و آفریں از بہر ایں بود

برائے سال او واجد چو شد فکر
خرد گفتا بگو - تاریخ محمود
۱۳۰۹ھ

تاریخ مصنفہ مولوی غلام حیدر صاحب ارشد بلگرامی

منشی محمود حمد خوش گو | بے مثل و یگانۂ انام ست
او ہست بہ بلگرام موجود | گویا جامی میانِ جام ست

این نسخه چه دلکش رقم زد | مقبول و پسند خاص و عام ست
شمشیر بے نیام شد نام | تاریخش تیغ بے نیام ست
۱۳۱۰ ۱۰۱

هم سال دگر بخواند ارشد
حالات صحیح بلگرام ست
۱۳۰۹ سنه



پہلا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے

پہلی فصل بلگرام کی قدیم حالات اور وجہ تسمیہ

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ بلگرام جہاں آباد ہے اس آبادی کے متصل بقول ے جانب غرب اور بقول ے جانب جنوب کسی زمانے میں گنگا بہتی تھی بموجب قول اول گنگا کے پورب طرف اور بموجب قول ثانی اُتر طرف لب دریا جنگل تھا۔ مگر یہاں کے مورخین اسکو تحریر میں نہیں لائے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آبادی سے قبل کا حال ہی کسی نے نہیں لکھا جس میں اس کا ذکر کیا جاتا۔ لہٰذا اس امر کی بابت کوئی حوالہ نہیں ملسکتا۔ البتہ جب حکام انگریزی کو ملک اودھ کے قصبات وغیرہ کا حال دریافت کرنا منظور ہوا اور جناب مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع ہردوئی بلگرام کے تاریخی حالات کے مستفسر ہوئے تو تقریباً ۱۸۷۰ء ایکہزار آٹھ سو ستر عیسوی میں بعض قابل اہل بلگرام نے اپنے معلومات کے موافق اُن کو آگاہ کیا۔ چنانچہ شیخ غلام حسن تمیں صدیقی فرشوری مولف شرائف عثمانی کے پرپوتے جناب مولوی محمد عبدالوالی صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق جو کچھ مختصر کیفیت لکھدی تھی وہ مولوی صاحب موصوف نے مجھکو عنایت فرمائی جس کا دیباچہ میں ذکر ہوچکا ہے۔ اُس میں آبادی سے قبل یہاں گنگا کا ہونا اور اُس کے جانب شمال جنگل کا ذکر کیا ہے مگر وہی مدار اُس تحریر کا سماعت پر ہے۔ بہرحال یہ خبر جو سینہ بسینہ بذریعہ سماعت پہنچی ہے۔ اُس میں جنگل اور گنگا کا ہونا تو ضرور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ البتہ دکھن کی طرف آبادی کے متصل گنگا کے ہونے میں جس شکل سے مشہور ہے بیشک تامل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ گنگا یہاں سے منتقل ہوکر کسی زمانے میں قنوج کے قریب بہنے لگی اور بلگرام سے گنگا تک پانچ کوس کا فاصلہ ہوگیا۔ دلیل اُس کے یہاں ہونے کی یہ پیش کیجاتی ہے کہ اب تک بلگرام

کے قریب جو کنویں کھیتوں وغیرہ میں کھودے جاتے ہیں اُن میں دریا کی بالو نکلتی ہے اور اس سے
بین ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ۱۸۶۵ء ایکہزار آٹھ سو پینسٹھ عیسوی میں آبادی کے متصل دکھن طرف
کاشتکاروں نے آبپاشی کے لیے کنواں کھودا۔ جب پانی برآمد ہوا تو اُس کے متصل ایک ناؤ
کا ٹکڑا اور دریا کی بالو نکلی جس کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔ اس کا ذکر بھی مولوی عبدالولی
صاحب نے اپنی تحریر میں کیا ہے اور اُس ناؤ کے ٹکڑے کا بچشم خود دیکھنا اُنھوں نے خود مجھ سے بیان
کیا۔ اب گذارش یہ ہے کہ بلگرام کے قریب جو کنووں میں بالو کا نکلنا بیان کیا جاتا ہے ٹھیک ہے
مگر دکھن طرف جدھر گنگا بقول ثانی بتائی جاتی ہے۔ اُدھر دریا کے مثل بالو نہیں نکلتی۔ البتہ پچھم طرف
ایسی بالو کی بھوڑ ضرور ہے اور وہیں کنووں میں بھی نکلتی ہے جس سے قول اوّل کی تصدیق ہو سکتی
ہے یہ ممکن ہے کہ گنگا چکر سے پچھم طرف ہوتی ہوئی نکل گئی ہو۔ مگر دکھن طرف کی روایت بالکل ضعیف
معلوم ہوتی ہے۔ جانب جنوب کنوئیں میں پانی کے پاس بالو اور تختہ نکلنے کا واقعہ بیشک صحیح ہے
مگر میرے نزدیک وہاں گنگا ہونے کا ثبوت کافی اس کو سمجھ لینا ناحق ہے۔ اس لیے کہ جب کنواں
زیادہ گہرا کھود کر منڈل کیا جاتا ہے تو پانی کے قریب بالو مثل ریگ دریا کے عام طور سے ہر جگہ برآمد
ہوتی ہے کچھ یہیں پر منحصر نہیں۔ یہ کوئی دریا ہونے کا ثبوت نہیں۔ مگر ہاں تختہ برآمد ہونا بیشک بہت
بڑی دلیل ہے اور جو لوگ یہاں کے تاریخی واقعات سے بخوبی واقف نہیں یا واقف ہو کر حالات
پر نظر تعمق نہیں ڈالتے انکا اسکو دلیل واثق سمجھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر میں جو واقعات پر غور کرتا
ہوں تو مجھکو یہ دلیل بھی کمزور معلوم ہوتی ہے۔ واقعات ملاحظہ ہوں۔ شیخ غلام حسن صاحب
ثمین فرشوری نے شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ جب قاضی محمد یوسف عثمانی سلطان محمود غزنوی کے
حکم سے مسلمانوں اور دینداروں کی جماعت سے دریائے گنگ عبور کرکے بلگرام میں وارد ہوئے
تو کہتے ہیں کہ بلگرام کا والی جس کا نام سری راجہ تھا قلعے سے نکل کر جوئے کلیانی کے کنارے
مقابلے کے لیے صف آرا ہوا جو بلگرام سے قنوج کی طرف ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے
اور بہت بڑی لڑائی ہوئی اس واقع کے ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری لکھے ہیں جو مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی
کے ہیں۔ یہی قول تمام شیوخ عثمانی کا بھی ہے اور سنہ فتح مذکور کے دیگر قبائل بھی معترف ہیں البتہ
فاتح میں بعض کو اختلاف ہے اس سے معلوم ہوا کہ ۴۰۹ھ ہجری سے تختہ مذکور برآمد ہونے کے

وقت تک تقریباً آٹھ سو تہتر برس کا زمانہ سنہ ہجری کے حساب سے ہوا۔ اسوقت جوئے کلیان گر گیا بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر تھی۔ اور گنگا جوئے کلیان کے دکھن طرف اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر تھی غالباً اسی مقام پر یعنی قنوج کے قریب جانب شمال ہوگی جہاں اب ہی یا کچھ اس سے ہٹی ہوئی ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں سے منتقل ہوئے گنگا کو کسقدر زمانہ دراز گذرا کہ ۸۰۰ھ ہجری میں بھی بلگرام سے اسقدر دور اور قنوج کے نزدیک تھی گنگا کی رفتار سے ہزاروں سال کا زمانہ اس کے یہاں سے بتدریج منتقل ہونے کا پایا جاتا ہے۔ پس پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اتنے زمانہ دراز تک گنگا کی ناؤ کا تختہ زمین کے اندر مٹی میں دبا ہوا باقی رہسکتا ہے اور پہچانا جاسکتا ہے کہ یہ ناؤ کا تختہ ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ جب گنگا بلگرام سے دکھن طرف منتقل ہوئی تو بیچ میں جوئے کلیان کو پھاند کر کسطرح نکل گئی جو گنگا کے مقابلہ میں بالکل ذرا سی کم گہری ندی بلکہ نالا سا اب تک موجود ہے اور برسات کے علاوہ اُس میں پانی بھی نہیں رہتا اس کے بیچ میں چھوٹ رہنے کی کیا وجہ۔ اگر کہا جائے کہ گنگا کے منتقل ہونے کے بعد جوئے کلیان کا وجود ہوا تو پہلی بحث یعنی ۸۰۰ھ ہجری سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس پہلے گنگا کا یہاں سے منتقل ہونا اور بھی مضبوط ہوگئی اور پہلے سوال کا جواب بالکل ناممکن ہو کر گنگا کے یہاں ہونیکا جو ثبوت کافی سمجھا گیا تھا وہ اُڑ گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جوئے کلیان پہلے بڑی ندی تھی اسکی ناؤ کا وہ تختہ ہوگا تو بھی تختہ گنگا ہونے کا ثبوت نرہا۔ اور علاوہ اس کے یہ بات بھی بے جوڑ ہے اس لیے کہ جوئے کلیان جو بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ہے اس کا گنگا کی طرح جگہ سے ہٹ جانا کوئی نہیں کہتا۔ جہاں پہلے تھی وہیں اب بھی ہے اور تختہ نکلا بلگرام کی آبادی کے متصل پھر ناؤ کیا یہاں خشکی میں چلی۔ بالفرض اگر اس کا بھی منتقل ہونا مان لیا جائے تو وہ بھی ۸۰۰ھ ہجری سے قبل کا ہوسکتا ہے کیونکہ سنہ مذکور میں تو یہیں تھی جہاں اب ہے لہٰذا اس کے بھی بلگرام کے متصل ہونے کا اتنا بعید زمانہ ثابت ہوگا کہ اُس وقت کے تختے کا وجود بھی مٹی میں ابتک یا اُسوقت تک جبکہ تختہ برآمد ہوا تھا باقی رہنا ناممکن ہے البتہ یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ گنگا پہلے جوئے کلیانی کے اُتر جانب آبادی کے متصل بہتی تھی اور بعد کو جوئے کلیانی سے علیحدہ کسی ایسے مقام سے کٹ کے قنوج کے قریب جاکر بہنے لگی جہاں جوئے کلیانی کا تعلق اس سے نہ تھا اس لیے جوئے کلیانی اپنے مقام پر بدستور قائم رہی اور گنگا اس کے دکھن طرف جاکر بہنے لگی۔ اگر یہ تاویل تسلیم بھی کرلی جائے تو پھر قول ثانی کے بموجب کسی زمانہ میں گنگا کا بلگرام کے متصل دکھن جانب بہنا تو مان لیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کا یہاں سے

منتقل ہونا تک چار سو تو ہجری سے قبل ہی کا ثابت رہا اور برآمد شدہ تختہ اس صورت میں بھی ناقص ثبوت یہاں گنگا ہونے کا رہا اور جو اعتراض کم از کم نو سو برس کے قریب مٹی میں تختہ دبا رہکر باقی رہنے یا پہچانا جا سکنے کی بابت اوپر ہو چکا ہے وہ نہ ہٹا۔ پس سوا اسکے اور کوئی بات خیال میں نہیں آتی کہ کسی وقت یہ مقام جہاں تختہ برآمد ہوا گہرا ہوگا اور یہاں قبر ہوگی بعد اس کے زمین برابر ہو گئی اس قبر کا کوئی تختہ کنواں کھودنے میں نکل آیا ہے کیونکہ اتنا زمانہ ہوا کہ تختے کا وجود باقی رہا اور کسی چیز کا یا بالفرض کسی ٹوٹی ہوئی ناؤ ہی کا تختہ گر پڑا کسی وجہ سے اس زمین نشیب میں دبا رہ گیا۔ المختصر اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ دکھن طرف بلگرام کے متصل گنگا ہونے اور یہاں سے منتقل ہو جانے کا کوئی ثبوت کافی نہیں اور پھر یوں بحث کو گنجائش بہت ہے۔ مگر قنوج کے قریب اور بلگرام سے دکھن طرف تقریبًا پانچ کوس کے فاصلے پر گنگا کے ہونے میں کوئی کلام نہیں اسوقت موجود ہے۔

یہ بات بھی کسی نے نہیں لکھی کہ گنگا کے کنارے کا جنگل کب اور کس طرح اور کس کے وقت میں آبادی سے منتقل ہوا جس نے لکھا اُس نے اسلامی آبادی سے لگا لگایا اور بلگرام کی وجہ تسمیہ اپنے خیال کے موافق بیان کر دی۔

شیخ غلام حسن صاحب ثمین صدیقی فرشوری نے شرائف عثمانی میں لکھا ہے (تلے ست کہ بنام بیل مشہور است۔ گویند بیل نام دیوے یا جنے بود در عہد کفار آنجا مقام داشت و اسم بلگرام بنسبت باوست۔ چہ در ہندی گرام بمعنی مقام است چنانچہ دیہ و قریہ را گرانوں میگویند و بیل آں دیو بود کہ آنجا مقام داشت بایں واسطہ بلگرام گفتہ اند۔ گویند آں بیل از مقام خود بول میکرد و بول او تا پرگنہ مسرکھ کہ معبد کفار و از بلگرام بفاصلہ سہ منزل است میرفت و ہنود آں تبرک آنرا امید لتند مشہو ست کہ حضرت خواجہ عماد الدین اور اکشتہ چراغ اسلام روشن گردانیدہ) ترجمہ (ایک ٹیلہ ہے جو بیل کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں بیل نامی ایک دیو یا جن تھا جو کافروں کے زمانے میں وہاں رہتا تھا۔ اور بلگرام کا نام اُسی کی نسبت سے ہے کیونکہ ہندی میں گرام مقام کے معنی یہ ہے چنانچہ گاؤں کو گرانوں کہتے ہیں اور بیل وہ دیو تھا جو وہاں رہتا تھا اسی سبب سے اسکو بلگرام کہا گیا۔ کہتے ہیں وہ بیل جو اپنے مقام سے پیشاب کرتا تھا وہ پرگنہ مسرکھ تک جاتا تھا جو کافروں کی عبادت گاہ اور بلگرام سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے اور ہندو اُسکو پرساد جانتے تھے۔

مشہور ہے کہ حضرت خواجہ عماد الدین نے اُسکو مار کر اسلام کا چراغ روشن کیا۔) مولف شرائف عثمانی کے اس سمعی بیان پر کوئی بحث کی ضرورت نہیں سلئے کہ انہوں نے اسپر اعتماد کلی نہیں کیا بلکہ ہر جگہ لکھدیا ہے "میگویند و مشہور است" ترجمہ "لوگ کہتے ہیں اور مشہور ہے" جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جیسا لوگ کہتے ہیں اور مشہور ہے سنکر ویسا لکھدیا خواہ وہ صحیح ہو یا غلط وہ اُس کے ذمہ دار نہیں البتہ جناب مولوی سید محمد صاحب صغروی ساکن محلہ میدانپورہ نے نظم اللآلی کی آخری فصل میں جس کی سرخی ہے (فصل در اجوبۂ ادلۂ مدعیان قدامت) ترجمہ (قدامت کا دعوی کرنیوالوں کی دلیلوں کے جواب میں فصل) بڑے وثوق کے ساتھ ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ "جس کا ذکر میں دیباچے میں کر چکا ہوں" کا حوالہ دے دیکر بیل دیو کی کہانی لکھی ہے جسکو اپنے زعم میں اپنے جد اعلی سید محمد صغری صاحب کے قدیم اور فاتح بلگرام ہونے اور یہاں اُن کے اسلام قائم کرنے کا ثبوت خیال کیا ہے بغور ملاحظہ ہو (ما صغرائیاں را برائے اثبات حقیقت خود و ابطال دعاوی مدعیان چند ادلۂ ساطع و براہین است قاطع۔ یکے اینکہ بلگرام نام ایں قصبہ مرکب است از بیل و گرام۔ بیل نام دیو است و گرام در ہندی بمعنی شہر و آبادی۔ اضافت منقلبہ است یعنی شہر بیل و بیل دیوے بود بسیار زبردست کہ جوگیان و ساحران اینجا آنرا از کوہستان کشمیر بزور سحر و جادو آوردہ در اینجا برائے اعانت خود با متمکن کراندہ بودند و تا عہد آں دیو لعین ایں جا چراغ اسلام احدی مشتعل کردن نتوانست۔ چنانچہ در رسالۂ ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ مے نگارد کہ آں دیو لعین تا چند کردہ آدم مخالف دین و مذہب خود نمی گزاشت و کسی کہ او را پرستش نمے نمود او را بسزا مے رسانید و راجہائے ایں ملک پیش کش مے گزرانیدند تا بجدیکہ حکومت و امراو تا راجہائے کوہستان و کشمیر بود و اگر دریں ملک چراغ پرستش کسے دیگر روشن مے شد از جلد آں چراغ را دور کردے و در بلگرام ساحران و جوگیان بسیار بودند۔ آں دیو را از پرستش و افسون بجہت معاونت خود از کوہستان آوردہ بودند و ایں ہم باتفاق ثابت است و ملفوظ خواجہ صاحب برآں ناطق کہ دیو ملعون را خواجہ عماد الدین آمدہ بقوت نبود باطن سوختند) ترجمہ (اور ہم صغرویوں کے پاس اپنی حقیقت ثابت کرنے اور مدعیوں کے دعوی باطل کرنے کے لیے چند روشن اور کاٹ دینے والی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس قصبے کا نام بلگرام بیل اور گرام سے مرکب ہے۔ بیل دیو کا نام ہے اور گرام ہندی

میں شہر اور آبادی کے معنی پر ہے اُلٹی اضافت (ترکیب مقلوب) ہی یعنی بیل کا شہر۔ بیل ایک بڑا زبردست دیو تھا جسکو یہاں کے جوگیوں اور جادوگروں نے کشمیر کے پہاڑوں سے جادو کے زور سے لاکر اپنی مدد کے واسطے یہاں رکھا تھا اُس ملعون دیو کے زمانے تک یہاں اسلام کا چراغ کوئی روشن نکر سکا۔ چنانچہ خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے ملفوظ میں لکھا ہے کہ وہ ملعون دیو کئی کوس تک اپنے خلاف دین و مذہب والے آدمی کو نہیں چھوڑتا تھا اور جو اُسکی پرستش نہیں کرتا تھا اُسکو سزا دیتا تھا اِس ملک کے راجہ اُس کو نذر دیا کرتے تھے یہانتک کہ اُس کی حکومت پہاڑوں و کشمیر کے اجاڑ تک تھی۔ اگر اس ملک میں کسی دوسرے کی پرستش کا چراغ روشن ہوتا تھا تو اُس چراغ کو پھونکر سے دور کردیتا تھا۔ بلگرام میں جادوگر اور جوگی بہت تھے وہ اُس دیو کو پرستش اور جادو سے اپنی مدد کے واسطے پہاڑوں سے لائے تھے۔ یہ بھی بالاتفاق ثابت ہے اور خواجہ صاحب کا ملفوظ اس بات کو بتاتا ہے کہ دیو ملعون کو خواجہ عماد الدین نے آکر زور باطن کی قوت سے پھونکدیا۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے اپنے مسند الیہ ملفوظ خواجہ صاحب سے ایک طویل کہانی کا خلاصہ یہ بھی لکھا ہے (وقتیکہ خواجہ صاحب آں دیو ملعون را بقعر جہنم رسانیدند وجزآں براجۂ بلگرام رسید خواست کہ سوار شدہ بیاید و از خواجہ صاحب مقابلہ نماید۔ ندمایش گفتند کہ در کتب خود دیدہ ام کہ عہدے تمام مسلمانان محیط خواہند شد و ہر کہ با ایشان مقاومت خواہد نمود بخاک مذلت خواہد افتاد۔ باید کہ از حال ایں درویش تعرض مکن نمے بینی کہ ہچو دیو قوی و زبردست را کہ باعانت او آسائش مے نمودی در یکدم نابود نمودہ تو چہ حقیقت داری کہ مقاومت کنی۔ راجہ خاموش ماند۔ من بعد جوگیے کہ در سحر و ساحری طاق بود باجازت راجہ پیش خواجہ صاحب آمد و سحر ہا ظاہر نمود خواجہ صاحب بزور باطن سحر و جادوے رفع کردند چوں ہدایت اسلام در مقسوم او بود ایمان آورد و اسلام قبول کرد و نزد راجہ رفتہ ابطال سحر و تمامی قصہ بیان نمودہ دعوئے اسلام نمود راجہ برافروختہ گفت کہ رفاقت سابقہ مانع است وگرنہ ترا از جاں مے کشتم۔ جوگی گفت تو چہ حقیقت داری کہ مرا بکشی من دست آنکس گرفتہ ام کہ چندیں ہزار مثل تو پیش او ہیچو خس است و باز آمدہ از خواجہ صاحب بیان حال و استدعا استیصالش نمود خواجہ صاحب درجواب فرمودند کہ کشتن ایں دیو موقوف ایں درویش بود و زدن ایں کافر

سہل است۔ اما سیدے از ولایت مع فوج مسلمانان اہل عرب خواہد آمد و از فرمان والی دہلی اینجا
آمدہ ان کافراں را خواہد کشت چنانچہ حسب فرمودۂ خواجہ صاحب بعد چندے سید محمد صغری
غازی آمدہ آں راجہ و اعوان و انصارش را کشتند و لوائے اسلام افراختند) ترجمہ (جس وقت خواجہ
صاحب نے اس ملعون دیو کو جہنم واصل کیا اور اسکی خبر بلگرام کے راجہ کو پہنچی تو اس نے ارادہ کیا کہ سوار ہوکر
آئے اور خواجہ صاحب سے مقابلہ کرے۔ اس کے مصاحبوں نے کہا کہ ہنود نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے
کہ ایک زمانے میں تمام مسلمان گھیر لینگے اور جو کوئی اُن کے ساتھ برابری کریگا وہ ذلیل ہوگا
اس فقیر کو نہ چھیڑیے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے قوی اور زبردست دیو کو جسکی مدد سے آپ آرام کرتے تھے
ایکدم میں اُس نے ناپید کردیا۔ آپکی کیا حقیقت ہے کہ اُس کی برابری کریں۔ راجہ چپ ہو رہگیا۔
اس کے بعد ایک جوگی جو جادوگری میں یکتا تھا۔ راجہ کی اجازت سے خواجہ صاحب کے سامنے
آکر جادو کرنے لگا۔ خواجہ صاحب نے زور باطن سے جادو کو روکا۔ چونکہ اُس کی قسمت میں اسلام
کی ہدایت تھی وہ ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا اور راجہ کے پاس جاکر اپنے جادو کا رد ہونا اور تمام
قصہ بیان کرکے اُس کو بھی مسلمان ہو جانیکے لیے کہا۔ راجہ نے غصے میں ہو کر کہا کہ اگلی رفاقت کا خیال
ہی ورنہ تجھکو جان سے مار ڈالتا۔ جوگی نے کہا تیری کیا حقیقت ہے جو مجھکو مارے میں نے اُس شخص
کا ہاتھ پکڑا ہے جس کے سامنے تیرے سے کئی ہزار گھاس پھوس کے مانند ہیں۔ اور واپس آکر
خواجہ صاحب سے حال بیان کرکے اُس کی بیخ کنی کی خواہش کی خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ اس
دیو کا مارنا مجھپر موقوف تھا اور اس کافر (راجہ) کا مارنا سہل ہے ایک سید ولایت سے عرب کے
مسلمانوں کی فوج لیکر آئے گا اور دلی کے بادشاہ کے حکم سے یہاں آکر اس کافر (راجہ)
کو مارے گا چنانچہ خواجہ صاحب کے فرمانے کے بموجب تھوڑے دنوں کے بعد سید محمد صغری
غازی نے آکر اُس راجہ اور اُس کے مددگاروں کو مار کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔

المختصر اسی قسم کی اٹکل پچو روائتیں گڑھ کے مشہور کرکھی گئی ہیں اور تحریر میں بھی آگئی ہیں۔
بعض نے سادے طور پر مختصر لکھدیا ہے۔ بعض نے خوب مبالغے کا نمک مرچ لگا کر ان کو مزے دار
بنایا ہے۔ بالخصوص جناب خواجہ صاحب کے ملفوظ کے گمنام مصنف صاحب نے تو اور بھی زیادہ
بے پیر کی اُڑائی ہے گستاخی معاف مجھکو ان کہانیوں کی صحت میں تامل ہے۔ اس لیے

کہیں کہیں مقام پر تو ایسی بے ڈھنگی گڑھنت معلوم ہوتی ہے کہ قیاس چکر میں آتا ہے مثلاً جناب مولوی سید علی صاحب نے جو یہاں کے جوگیوں و ساحروں کا بزور سحر بیل دیو کو کوہستان کشمیر سے اپنی اعانت کے لیے لاکر ٹھہرانا اور اس کے عہد تک چراغ اسلام کا مشتعل نہ ہو سکنا بیان کیا ہے اور اپنی تحریر کو خواجہ صاحب کے حوالے سے مضبوط کیا ہے جیسا کہ اوپر نقل کیگئی یہ قصہ بھی کچھ کم شبہے اور تعجب میں ڈالنے والا نہیں اس لیے کہ جب جناب مولوی صاحب موصوف اور نیز اور سادات صغروی اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے جد سید محمد صغری نے بلگرام کو فتح کرکے یہاں اسلام قائم کیا اور اپنے اس دعوے کے متعلق بہت کچھ دلیلیں دیگر قبائل مدعیان قدامت کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔

تو گزارش یہ ہے کہ جب دیو مذکور کے عہد تک چراغ اسلام روشن نہو سکا اور بقول جناب مولوی صاحب وغیرہ اُن کے عقیدے کے موافق بعد اُس کے مرنے کے سید محمد صغری صاحب نے حسب فرمودہ جناب خواجہ صاحب بلگرام کو فتح کرکے اسلام کا جھنڈا بلند کیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے قبل بلگرام میں اسلام نہ تھا اور اس بات کے قایل یہی سادات موصوف ہیں - اب شبہہ قوی یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سید محمد صغری اور جناب خواجہ صاحب کی تشریف آوری کے قبل بالخصوص بیل دیو کی آمد سے پہلے یہاں اسلام کا پتا نہ تھا ہنود ہی تھے اور اپنے مذہب کے مطابق پرستش اصنام وغیرہ بے کھٹکے کیا کرتے تھے تو اس وقت ہنود کے مذہبی امور میں مزاحمت کرنیوالا ایسا زبردست فرقہ اسلام بلگرام میں تھا ہی کہاں جس سے عاجز ہو کر بمقابلہ فریق مخالف مذہب جوگیوں و ساحران کو اپنی اعانت کے لیے بیل دیو کو کوہستان کشمیر سے لاکر یہاں رکھنے کی ضرورت اشد درپیش ہوئی۔

قصہ گویوں نے تو دیوؤں اور پریوں وغیرہ کی سکونت کا کوہ قاف میں ایک مقام خاص تجویز کر لیا ہے یہ کوہستان کشمیر میں بیل دیو اور پھر وہ بھی خاص ہندو مذہب کا بھولا بھٹکا جوگیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا بہت موزوں ہوتا اگر اس کہانی کے مصنف صاحب بھی بجائے کوہستان کشمیر کے کوہ قاف سے بیل دیو کو منگواتے اور شدھی کرکے پہلے ہی سے اسکو ہندو بھی بنا لیتے

المختصر بیل دیو کی آمد کی وجہ جو بغیر کسی معتبر حوالے اور سند کے لکھدی گئی ہے بالکل بھدی اور کمزور ہے اور یہ امر تسلیم کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ کہانی محض جھوٹی اور منگھڑت ہے۔ کوئی وجہ معقول جوگیوں کو بیل دیو کے لانے کی نہ تھی اور نہ بیل اُسوقت یہاں آیا۔ اور اگر بالفرض دیو کے آنے کی وجہ

صحیح ہے یعنی جوگیوں کا مخالف مذہب " اسلام " کو مغلوب یا نابود کروانے کی غرض سے لانا مسلم ہے تو قصّہ سچا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی مسلم ہوگا کہ سید محمد صغریٰ اور جناب خواجہ صاحب کی تشریف آوری اور بیل دیو کے بھی آنے سے قبل یہاں مسلمان تھے - یہ اور بھی عقبیٰ در سید صغری صاحب کے قبل بلگرام میں مسلمانوں کا وجود نہ تسلیم کرنے والوں کے حق میں زہر ہے - کیونکہ اُن کی سبقت اور قدامت ہی میں بٹا لگایا جاتا ہے جسکو وہ اپنے اعزاز اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں -

مشکل تو یہ ہے کہ اگر کہانی کو سچا کرنے کی لیے گھبرا کے اسلام کا ہونا قبل سید محمد صغریٰ صاحب اور بیل دیو کے تسلیم کر لیا گیا اس لیے کہ ملفوظ خواجہ صاحب کی صحت پر حرف نہ آنے پائے کہ وہ ہی سند الیہ اور مطلب کے موقعوں پر حسب دلخواہ حوالے اور ثبوت کا کام تقریباً ساتویں صدی ہجری سے دینے لگا ہی تو بھی تو بیل دیو کی آمد کی وجہ قوی نہ ثابت ہو گی اور کہانی پر کذب و دروغ کا شبہہ باقی ہی رہے گا - اور اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب جوگی ایسے کامل ساحر تھے کہ بیل سے زبردست دیو کو اپنے کمال سحر سے بالکل قابو میں کر سکے حتیٰ کہ اُسکو بزور سحر یہاں لاکر رکھا اور وہ اپنا قدیم مقام چھوڑ کے بلگرام میں رہنے کے لیے مجبور ہو گیا تو ایسی حالت میں بیل سے اعانت چاہنے کی اُنکو کیا ضرورت تھی - وہ اپنے کمال سحر سے بہ نسبت بیل دیو کے جو اُن کے سحر سے مجبور ہو گیا کہیں زیادہ اعانت خود کر سکتے تھے اور بیل دیو کو مفت میں تکلیف دیکر گھر سے بے گھر کرنا بالکل بے سود تھا - بہرحال بیل دیو کی آمد کی وجہ جو بیان کیگئی ہے اُس کا قوی اور مدلل ہونا میرے نزدیک ہرن کے سینگوں پر ہے -

آمدم بر مطلب - بیل کا راجہ سری کے عہد میں ہونا اور خواجہ صاحب کے ہاتھ یا زور باطن سے اُس کا مارا جانا سب کو تسلیم ہے اور یہ غیر ممکن یا خلاف قیاس بھی نہیں - مگر اس بیل کے دیو اور اُس کے نام سے بلگرام موسوم ہونے میں غلط فہمی ہے جو آگے ظاہر ہوگی - اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ بلگرام کا دوسرا نام سری نگر ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ راجہ سری کے نام کی نسبت سے ہی - پس جب راجہ سری اور بیل کا ایک ہی زمانہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو ایک ہی زمانے میں ایک ہی مقام کے دو مختلف نام یعنی بیل کی نسبت سے بیل گرام اور راجہ سری کی نسبت سے سری نگر ہونا کتنی انوکھی بات ہے - اگر یہ تاویل کیجائے کہ بیل چونکہ دیو تھا اس کی عمر بھی بڑی تھی اس لیے راجہ سری سے پہلے بیل گرام نام دیو مذکور کی نسبت سے چلا آتا تھا جب دیو مارا گیا تب

راجہ سری اپنے نام سے سری نگر نام رکھدیا تو سوال یہ ہے کہ جب بیل راجہ سری کا ایسا محسن اور معاون تھا کہ اُسکی اعانت سے راجہ چین کیا کرتا تھا اور اُسکی وجہ سے قوی پشت تھا جبکی شہادت جناب مولوی سید محمد صاحب کی تحریر بحوالہ الملفوظ خواجہ صاحب دیتی ہے جو پیشتر نقل کیگئی تو راجہ کو کونسی ایسی ضرورت لاحق تھی کہ دیو کے مرتے ہی اُس کا نام مٹانے کی کوشش کرتا ایسے محسن اور معاون کی تو اور یادگار اُسکو قائم کرنا چاہیے تھی نہ کہ پہلا کام وہ یہی کرتا کہ اُس کا نام مٹاکر اپنے نام سے سرینگر بلگرام کا نام رکھدیتا۔ افسوس ہمارے مسلمان بھائیوں نے آپس ہی میں ایک دوسرے سے سنکر جو پایا وہ لکھ مارا کاش ہنود اور اُنکی کتابوں سے مدد لیتے بالخصوص اُن حالات میں جن کا تعلق ہنود سے تھا گو کہ اُنکی تواریخ بھی کہانی کا روپ بھرے ہوئے ہے مگر تاہم اپنی سمعی روایتوں سے ملان کرنے سے ضرور کوئی بات پیدا ہوتی۔ اگر متقدمین اسبات کا خیال کرتے تو بہت کچھ حالات صحیح دریافت ہو سکتے تھے جبکا اب دریافت ہونا مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہے مگر حتی الامکان میں نے جو تحقیق کی ہے اُس کے مطابق عرض کرتا ہوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بیل کا جھگڑا طے کیا جائے جس کا تعلق خاص بلگرام سے ہی کیونکہ اسی کی بے سروپا کہانیوں اور مختلف تذکروں نے عقل کو چکر میں ڈالا ہے۔

المختصر جب اِن کہانیوں اور مختلف روایتوں سے میری تسکین نہوئی میں نے ذی علم اور لائق ہنود سے بلگرام کی وجہ تسمیہ اور بیل کی بابت دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں ایک مدت سے بذریعہ اپنے بزرگوں کے سینہ بسینہ یہ بات مشہور چلی آتی ہے اور پوتھیوں میں بھی ذکر ہے کہ یہاں جنگل تھا اور اُس جنگل میں بِل نامی دانب یا دیت جسکو بتول بھی کہتے ہیں رہا کرتا تھا اُسی کی نام کی نسبت سے اس مقام کا نام بل گرام پڑگیا اور وہ اس دیبی کی پرستش کرتا تھا جبکا نام اسکے نام کی نسبت سے بلیشری (بل ایشوری) ہوگیا اور دیبی مذکور کی مورت جہاں اُس نے قائم کی تھی آج تک اُسی مقام پر بلگرام میں موجود ہے اور اُسی کے قریب پورب طرف کچھ آگے بڑھکر بل کا بازار تھا پہلے وہ مقام بلہٹا بعدہٗ چھوٹی بازار مشہور ہوا۔ ایک دیبی اُس نے وہاں بھی بلہاٹیشری (بل ہاٹ ایشوری) کے نام سے قائم کی تھی جو عرصہ دراز کے بعد بلہٹا دیبی کہی جانے لگی یہ دریافت ہوکر مجھکو حالت واقعات یعنی بلیشری کی مورت اور مقام بلہٹا کے دیکھنے سے ضرور

اُن کے قول کی مطابقت پائی گئی اور بلبھا کے لفظ سے قدیم اصل نام بل ہاٹ کا پتہ لگا جس کے لفظی معنی بل کا بازار۔ کثرت استعمال سے بل ہاٹ کا لفظ بگڑ کر بلبھا ہو گیا۔ مگر اس بات کی خلش رہی کہ بل یا بلبول کے وجود کا کوئی ثبوت کافی ضرور ملنا چاہیے جو ان سب باتوں کی مطابقت اور صداقت کی دلیل ہو سکے۔ چنانچہ بموجب ضرب المثل کے کہ جوئندہ یابندہ۔ ترجمہ (ڈھونڈھنے والا پانے والا یعنی جو چیز ڈھونڈھی جاتی ہے وہ مل ہی جاتی ہے) مجھکو ہنود کی مشہور تاریخ سری مدبھاگوت میں بلول کا پتہ لگ گیا ملاحظہ ہو اسکندھ ۱۰-ادھیائی ۸، آخر ترجمہ مطبوعہ (یہ مہا بلرام جی کے دیکھتے ہی سب رکھیشور خوش ہو کر بولے کہ مہاراج آپکی دیا سے سوت کے مرنے کا سوچ تو چھوٹ گیا لیکن بلول دیت بندر روپ پورنماشی اور راماوس اور دوادسی کو آکر ہمارے جگ اور ہوم میں پیپ اور لہو اور ہڈی پھینک دیتا ہے اس سے ہم لوگ بڑا دکھ پاتے ہیں۔ آپ تیرتھ باسیوں پر دیال ہو کر اُس بندر کو مار ڈالیے تو ہم لوگ نربھے ہو کر جگ اور ہوم کیا کریں۔ یہ بات سنکر بلرام جی بولے کہ بہت اچھا ہم اُسکو مار کر تمہارا پیچھا چھڑا دینگے) پھر ملاحظہ ہو ادھیای ۹، شروع ترجمہ مطبوعہ (سکھدیو جی بولے کہ اے راجہ پرچھت۔ ریوتی رمن نے رکھیشوروں کے کہنے سے بلول دیت کو مارنے کیواسطے کئی دن تک نیم کھار مصر کھیں نواس کیا۔ جب پورنماشی کے دن بڑی آندھی چلکر پانی اور لہو اور پیپ برسنے لگا۔ اُسوقت رکھیشوروں نے بلرام جی سے کہا کہ اے مہاراج یہ سب لچھن اُس بندر کے آنے کے ہیں۔ یہ بات سنکر بلدیو جی نے ہل اور موسل اپنے ہتھیار کو یاد کیا ویسے وے دونوں اُن کے پاس آپہنچے تب وہ بندر روپ دیت کالا پہاڑ ایسا لمبا اور چوڑا بڑے بڑے دانت لال لال آنکھیں ڈراونی صورت بنائے ترسول ہاتھ میں لیے بادل کی طرح گرجتا ہوا وہاں آیا تب بلدیو جی نے اپنا ہل اور موسل لیکر اُسکی طرف چلے جب اس بندر نے بلرام جی کو اپنے سے زیادہ زبردست دیکھا تب وہ منتر کے زور سے انتردھیان ہو کر مل اور موتر برسانے لگا۔ یہ حال دیکھتے ہی ریوتی رمن نے اُس بندر کو ہل کی نوک سے اُٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور ایک موسل اُس کے سر پر ایسا مارا کہ پران اُس کا نکل گیا۔ اُس دیت کا مرنا دیکھکر سب رکھیشور اس طرح خوش ہو گئے کہ جس طرح برتراسر دیت کے مرنے سے دیوتا خوش ہوئے تھے اور اُسیوقت رکھیشوروں نے ریوتی رمن کو آشیرباد دیکر ایسے خوشبودار پھولوں کی مالا گلے میں پہنا دی جس کے

پھول کبھی نہ کمھلادیں دیوتوں نے بلہ یوجی پر پھول برساکر دندبھی بجائی) جب بلول کا یہ حال معلوم ہوگیا تو احقر نے وہاں یہاں کے قابل پنڈتوں سے پھر دریافت کیا کہ یہ بلول کون ہے جسکا ذکر سری مدبھاگوت میں تذکرہ ہوا ہے انہوں نے کہا کہ یہی بلول دئیت ہے جو یہاں کے جنگل میں رہتا تھا اور نیمکھار سرکھ میں جاکر تیرتھ باسیوں کو پریشان کیا کرتا تھا یہی بل دانشٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کی بود وباش یہاں تھی اور بل گرام اسی کی نسبت سے یہاں کا نام ہوا۔ یہ معلوم ہونیکے بعد مجھکو فکر ہوئی کہ کچھ بلبشری کا بھی حال دریافت کرنا چاہیے کہ اس کی کیا اصل ہے۔ کسی کتاب میں تو اسکا پتہ لگا نہیں مگر بعض پنڈتوں نے کہا کہ ہمارے یہاں سینہ بسینہ بزرگوں سے یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ بل جسکو بلول بھی کہتے ہیں ایک دئیت تھا جو یہاں رہا کرتا تھا وہ ان دیبی کا پرستش کیا کرتا تھا اس لیے اُس کے نام کی نسبت سے اس کا نام بلبشری ہے۔ اصل اور صحیح نام بل ایشوری ہے۔ ایشوری بقاعدۂ ہندی ایشور کا صیغہ تانیث ہے معنی ترکیبی اس کے بل کی ایشوری۔ پنڈت چندی دین صاحب ولد پنڈت گنیش پرشاد صاحب شکل نے ایک روایت بیان کی کہ یہ دیبی راجہ بین قدیم والی قنوج کی ایک بیٹی منجملہ اُسکی سات بیٹیوں کے تھی۔

راجہ بین بہت بڑا درویش منش پرہیزگار آدمی تھا وہ اپنے راج کا ایک پیسا بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ذات پر نہ صرف کرتا تھا بلکہ اپنی محنت سے بینے (پنکھے) بنا بنا کر بیچتا اور اُنکی قیمت سے بسر اوقات کرتا تھا۔ اسی نسبت سے وہ راجہ بین کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ اُس کی یہ قلیل آمدنی اُس کے معمولی خرچ کو بھی کافی نہوتی تھی اس لیے اُس کو اپنی بیٹیوں کی شادی کی بڑی فکر تھی۔ پس سات بیٹیوں کی شادی کرنا امر محال تھا سمجھکر اُس نے مجبوراً یہ بات تجویز کی کہ ان ساتوں کو کہیں جنگل میں لیجا کر پرمیشر کے بھروسہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ آخر اُن بیگناہ بھولی پاکدامنوں کو اپنی چھاتی پر پتھر رکھکر گھر سے لے چلا قنوج کے اُتر طرف ایک جنگل تھا اُس کے اور قنوج کے بیچ میں دریائے گنگ حائل تھا اُسکو عبور کر کے جنگل میں آیا اور ان معصوموں کو تھوڑی دیر ادھر اُدھر وہاں کے طرح طرح کے درخت اور عجائب منظروں کی سیر میں بہلاتے بھٹکاتے کسی موقع پر نظر سے اوجھل ہوکر قنوج پہنچ گیا اب ان بیچاری معصوموں نے جو دیکھا تو باپ کا کہیں پتا نہیں۔ چندے ادھر اُدھر تلاش کر کے صبر کیا۔ جو اُنہیں کچھ سیانی اور سمجھدار تھیں اُنہوں نے خیال کیا کہ بابا جان ہماری شادیوں کے لیے فکرمند تھے اور راجکا پیسا اس کام میں وہ صرف نہیں کر سکتے تھے کمائی کی اپنی قلیل آمدنی میں یہ کام ناممکن سمجھتے تھے لہذا سوا ہمیں پرمیشر کو سپرد کر دینے کے اور چارہ ہی کیا

تھا۔خیر وہ سب جنگل کے پھل وغیرہ پر بسر کرکے اپنے پرمیشر کی یاد میں جسکے بھروسہ پر اکیلی بن میں چھوڑ دی گئی تھیں مصروف رہنے لگیں۔اُس جنگل میں یہ دئت (دیو) بل رہتا تھا۔ناگاہ ایک مرتبہ اُن سیانی لڑکیوں میں سے ایک کا سامنا ہوگیا۔بل کی بھیانک شکل اور وحشیانہ حرکات دیکھکر وہ ست کی دیبی بہت پریشان اور متردد ہوئی اور اپنے پرمیشر کی طرف دھیان کرکے التجا کرنے لگی کہ اے پرمیشر میں تیرے ہی بھروسے اور مدد پر اس ہوکے جنگل میں بن باس ہوں۔اگر میرا باپ راجہ بین تیرا سچا سیوک اور میں اُس کی ست کی بیٹی ہوں تو اس ناپاک زبردست دئت پر مجکو فتحیاب کر اور یہ مردہ ہوجائے۔اتنا کہنا تھا کہ وہ گران ڈیل زبردست دیو اُسی جگہ پہاڑ کی طرح بہٹ پڑا اور روح قالب سے پرواز کرگئی۔جب اُس دیبی نے اپنے آپ میں یہ ست دیکھا تو پرمیشر کا شکر ادا کیا اور ہر طرح سے اس کے دلکو اپنی زبان کے اثر پر تقویت اور اطمینان ہوا۔پھر اُس نے دعا مانگی کہ اے پرمیشر میں چاہتی ہوں کہ یہ دئت پھر اُسی طرح زندہ ہوجائے اور مجکو کسی طرح کا آزار نہ پہنچا سکے۔چنانچہ اُسکی دعا سے وہ پھر زندہ ہوا اور اُسوقت اُس دیبی کے پاؤں پر گر پڑا اور ایسا اُس کا معتقد ہوگیا کہ اُسکو خاص اپنی دیبی مان کر اُسکی پرستش کرنے لگا۔اسی وجہ سے وہ دیبی بلیشری (بل ایشوری) کے نام سے موسوم ہوئی۔بعدہٗ بل نے ایک پتھر پر اُس دیبی کی مورت تراشی اور اُس کی پرستش کرتا رہا۔چونکہ اس روایت کی حقیقت اور ثبوت کا مجکو پتا نہیں لگا اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔علاوہ اس کے بلگرام کے قابل اور مستند پنڈت جناب گوپال رام صاحب اس روایت کے قائل نہیں۔

وہ صرف پتھر کی مورت بناکر بل کا اُسکی پرستش کرنا اور موجودہ بلیشری کا بل کے وقت سے اپنے اسی قدیم مقام پر قائم رہنا مانتے ہیں۔میں نے دیکھا جس پتھر پر بلیشری کی مورت بنی ہے وہ ایک فٹ نو انچ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہے کسی زمانے میں ہندوؤں نے مٹھ بنوا دیا یا پرانے مٹھ کی تجدید کردی ہے۔اُس کے اندر وہ مورت مع چند اور مورتوں کے نصب ہے۔کثرت مرور ایام سے اس مورت کی آنکھ۔ناک۔کان۔اور منہ کچھ نہیں معلوم ہوتا بلکہ دیگر اعضاء بھی صاف محسوس نہیں ہوتے۔غور کرنیسے کچھ سر اور دھڑ۔ہاتھ پاؤں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔اس کی کہنگی اور فرسودگی سے ثابت ہوتا ہے کہ بیشک ہزاروں برس کی ہے۔ایک مورت سب سے بڑی بالکل بے ڈھنگی بلیشری کی مورت کے دہنی طرف نصب ہے

جو طول میں ڈھائی فٹ اور عرض میں چار انچ ہے اس کا سر گردن سے الگ ہے جو ملا کر نصب کیا گیا ہے۔ داہنا ہاتھ شانے کے پاس سے اور بایاں کہنی کے پاس سے غائب ہے۔ داہنا پاؤں ران کے پاس سے اور بایاں گھٹنے کے بیچ سے نہیں ہے۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بِل کی مورت ہے۔ کیا عجب کہ بعد بِل کے اُس کے معتقدین میں سے کسی نے اسکو تراشا ہو اور ہنود نے کسی زمانے میں یہ معلوم کرکے کہ یہ مورت بِل کی ہے یہ جگہ اُس کے لیے مناسب سمجھکر یہاں قائم کردیا ہو یہ اتنی کہنہ و فرسودہ نہیں جتنی کہ بلیشری کی مورت ہے۔ اس کے علاوہ اور چند مورتیں بلیشری کے بائیں جانب ہیں وہ بھی کسی زمانے میں ہنود نے نصب کی ہیں۔ یہ سب معمولی سخت پتھر کی ہیں۔ مٹھ کا رخ پورب طرف ہے اور اُس سے ملحق ایک کوچہ دکھن سے اُتر کو گیا ہے۔ ہندو کل مورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ اگر آنکھ میں پھلی یا جالا وغیرہ پڑجائے اور وہ پانی جو ان مورتوں پر پڑکے بہتا ہے چند روز لگایا جائے تو آنکھ اچھی ہوجاتی ہے۔ ہنود میں یہ بھی مشہور ہے کہ بلیشری پر کسی جاندار کی بھینٹ نہیں چڑھتی۔ زیادہ تر انکی بھینٹ میں ناریل اور میٹھی پھل چڑھاکے بطور پرشاد تقسیم کردیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ بکرے کا۔ ذرا سا کان کاٹ کے وہ بکرا مالی کو دیدیا جاتا ہے تھوڑے عرصہ کا واقعہ ہے کہ زمانہ شاہی میں موضع ترتی پور تحصیل و ضلع ہردوئی کے ایک بڑے سرکش ٹھاکر مکرند سنگھ نے آکے بکرا چڑھانا چاہا تو اُسوقت کے مشہور پنڈت دیبی دین عرف دودا پنڈت ولد پنڈت دھنی رام صاحب پانڈے نے جنکے مکان کا دروازہ پچھم طرف بالکل بلیشری کے مٹھ کے مقابل اور صرف ایک کوچہ درمیان میں فاصل ہے اور اُن کی وفات کو قریب ساٹھ سال کے ہوئے ہوں گے ٹھاکر صاحب سے کہا کہ یہ دیبی بل پردان (بھینٹ) نہیں لیتیں آپ یہ نئی بات نہ کیجیے مگر انھوں نے نہ مانا اور بھینٹ دینے کے لیے بکرا لے ہی آئے۔ جیسے ہی اُس پر تلوار چلائی اُن کا ہاتھ شل ہوگیا تلوار چھوٹ پڑی اور بیہوش ہوکر گر پڑے اُن کے ساتھی اُٹھا کر لیگئے اور گھر پر پہنچکے دم نکل گیا۔ یہ واقعہ مجھسے جناب گرد مرلی دھر صاحب ولد پنڈت شیام لال صاحب شکل نے جو ایک سچے اور معتبر آدمی ہیں اور بلیشری کے بالکل قریب دودا پنڈت موصوف کے گھر سے ملحق دکھن طرف رہتے ہیں۔ بیان کیا اور کہا کہ میں نے خود پنڈت دیبی دین عرف دودا پنڈت موصوف کی زبان سے سنا۔

اس واقعے کی تصدیق جناب پنڈت بھگوان دین صاحب ولد جناب پنڈت بھوانی پرشاد صاحب مسر نے بھی کی۔ بعض پنڈتوں نے یہ بھی بیان کیا کہ بل کے بنائے ہوئے اشلوک سنسکرت زبان میں ہم نے دیکھے جن میں بلبیشری کی تعریف اکثر تھی۔ جناب پنڈت گوپال رام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے یہاں خود موجود تھے مگر تلف ہو گئے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ بل سنسکرت کا زبردست عالم تھا۔

المختصر جہاں بلبیشری کا مٹھ ہے وہ محلہ بلبیشری ٹولہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلہ کے درمیان دیبی موصوف کے قریب ایک رستہ پورب کو گیا ہے اس میں آگے بڑھکر تھوڑے فاصلہ پر بل کا بازار (بل ہاٹ) تھا جس کا ذکر اوپر ہوا اسی میں بلہا ٹیشری (بل ہاٹ ایشوری) عرف بلھٹا دیبی کا مٹھ رستے کے اتر طرف دکھن رخ ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اب اس مٹھ میں بلہاٹیشری کا وجود نہیں کسی زمانے میں (جس کا اب کسی کو علم نہیں) بلہاٹیشری کی مورت تلف ہو گئی صرف مٹھ کا نشان رہگیا اُس میں ایک پتھر (جس میں دو مورتیں عورتوں کی ترشی ہوئی ہیں) کسی زمانے میں ہنود نے رکھدیا ہے جو ایک پیپل کے درخت کے نیچے زمین سے دستیاب ہوا تھا۔ اسی وجہ سے یہ مورتیں اب پیراسنی دیبی کے نام سے مشہور ہیں۔ شاید کوئی پرانا قصہ سنے ہوئے اسی پتھر کو بلھٹا دیبی بھی کہدیتا ہے۔ یہ موجودہ پتھر دو فٹ لمبا اور ۹ انچہ چوڑا ہے۔ اس کے نیچے کے حصہ میں دونوں مورتیں ۹ انچہ لمبی بنی ہیں پتھر کے دہنی طرف مورت سیدھی کھڑی ہے اور بائیں طرف والی اپنے بائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی سی اور مورت کو لیے ہوئے ہے جس کے بوجھ کی وجہ سے کمر جھکی ہوئی ہے اور بایاں کولہا ٹیڑھا بنایا گیا ہے یہ پتھر ہزاروں برس کا نہیں معلوم ہوتا۔ اسکی مورتیں بالکل صاف اور مکمل ہیں۔

میں نے اس طرح کی کئی مورتیں ایسے ہی پتھر پر بنی ہوئی دیکھیں جو بعض مقامات پر زمین سے برآمد ہوئیں اور بلگرام میں جابجا موجود ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آمد اسلام سے پہلے ذی اقتدار ہنود کی عمارتوں میں ایسے ہی پتھر تراشے ہوئے لگائے جاتے تھے منجملہ انہیں کے ایک پتھر یہ بھی ہے۔ اسی مٹھ میں میرے وقت میں تقریباً ۱۳۲۶ھ ایکہزار تین سو چھبیس ہجری مطابق ۱۹۰۸ء ایکہزار نوسو آٹھ عیسوی میں پنڈت رام دین بلگرامی نے ایک مورت پاربتی دیبی کی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک طاق چھوٹے سے ستون پختہ میں بنوا کر بالکل بیچ میں رکھی ہے۔ پاربتی سنگ مرمر کی چوکی پر پالتی مارے ہاتھ جوڑے بیٹھی ہیں۔ لمبائی اس مورت کی معہ چوکی نو انچ اور چوڑائی چھ انچ ہے۔ ہنود بلبیشری

اور بلبا ٹیشری کے مقام بل کے وقت سے یہی مانتے ہیں جواب ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ بل تھا ضرور اور وہی تھا جس کا ذکر سری مدبھاگوت میں ہے۔ گو اس کے واقعات کی شکل ہنود کے یہاں بھی سب صحیح نہو۔ اور بیل بازدیاوبائے معروف جسکی کہانیاں مشہور ہیں اُس کا پتا اُس تحریر سے لگتا ہے جو جناب مولوی عبدالوالی صاحب صدیقی فرشوری نے جناب ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست کو لکھکر بھیجی تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ وہ بیل ایک ہندو فقیر کا نام بتاتے ہیں اور وجہ تسمیہ بیل گرام اُسی کی نسبت سے لکھتے ہیں اور بعد اُس کے راجہ سری کی نسبت سی سری نگر موسوم ہونا اور بعد راجہ سری کے اہل اسلام کا سری نگر کو ترک کرکے اصلی نام بیل گرام کو بلگرام کہنا رقم فرماتے ہیں مگر یہ روایت سمعی ہے مگر اس میں بیل کی کیفیت اُن سمعی اور گڑھی ہوئی روایتوں کی طرح بے تکی نہیں جو اوپر مذکور ہوئیں لہذا قرین قیاس ہونے کی وجہ سے اس بیل کی تصدیق ہنود سے بھی کرنے کی ضرورت ہوئی اور دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ ہاں بیل بھی گزرا ہے مگر وہ دیو نہ تھا بلکہ اعلیٰ درجے کا جادوگر جوگی تھا جس کا مسکن میدان بیل تھا۔ راجہ سری اُس کا نہایت معتقد تھا اور اُس کی جادوگری کے زور کا اُسکو بھت بل تھا۔ جناب پنڈت گوپال رام صاحب ولد جناب پنڈت دیبی دین صاحب مسر سے معلوم ہوا کہ اس بیل کو قریب ہزار برس کے زمانہ گذرا ہو گا۔ ہنود اہل اسلام کے اس بیل اور نیز راجہ سری پر غلبہ پانے سے بھی انکار نہیں کرتے مگر جناب پنڈت صاحب مذکور اور دیگر ذی علم ہنود کو بلگرام کا اس بیل کے نام سے موسوم ہونا تسلیم ہے بلکہ وہ کہتے ہیں بلگرام اسی پہلے بل کے نام سے موسوم ہوا ہے اور بلبیشری اور بلبا ٹیشری عرف بلبھا دیبی اسی وقت کی ہیں۔

المختصر بل اور بیل دو شخص ان دو ملتے جلتے ناموں کے یہاں گزرے ہیں اور دونوں کے تذکرے گڈمڈ ہو کر زبانوں پر کچھ تغیر تبدل کے ساتھ رہے۔ امتداد ایام کی وجہ سے بل کے نام کا مسلمانوں میں پتا نرہا اور بیل جو اُن کے زمانے سے قریب ہوا اُسی کا نام اُن کی زبانوں پر رہا اور جو واقعات بل اور بیل دونوں کے جسطور پر مسموع ہوئے وہ سب اکیلے بیل کی نسبت خیال کیے۔ کیونکہ بل کے نام سے اُن کے گوش آشنا نہ تھے یہی وجہ ہے کہ مختلف زمانوں کے دو شخصوں کے واقعات ایک شخص واحد مان کر میل نہیں کھاتے۔ مسلمانوں کے اس دھوکے کا ثبوت شرائف

عثمانی کی عبارت میں ملاحظہ ہو جس کا اوپر ذکر ہوا اور اب اُس کا ہر فقرہ علیحدہ علیحدہ دکھایا جاتا ہے (تلے است کہ بنام بیل مشہور است) ترجمہ (ایک ٹیلا ہے جو بیل کے نام سے مشہور ہے) اتنا جملہ بیل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اونچا مقام آبادی کے دکھن طرف جس پر خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کا مزار واقع ہے اور اب تک بیل کہلاتا ہے وہی ہے جہاں بیل رہتا تھا اور اُس نے معبد بنایا تھا بلکہ کتب تواریخ میں معبد بیل اسکو لکھا ہے۔ آگے تحریر کیا ہے (گویند بیل نام دیوے یا جنے بود در عہد کفار آنجا مقام داشت واسم بلگرام نسبت باوست چہ در ہندی گرام بمعنی مقام است چنانچہ دہیہ وقریہ را گرانوں میگویند وبیل آں دیو بود کہ آنجا مقام داشت باین واسطہ بلگرام گفتہ اند ترجمہ (کہتے ہیں بیل نامی ایک دیو یا جن تھا جو کافروں کے زمانے میں وہاں رہتا تھا اور بلگرام کا نام اُس کی نسبت سے ہے۔ کیونکہ ہندی میں گرام مقام کے معنی پر ہے۔ چنانچہ گانوں کو گرانوں کہتے ہیں اور بیل وہ دیو تھا جو وہاں رہتا تھا اس سبب سے اسکو بلگرام کہا گیا) یہ جملہ بل سے نسبت رکھتا ہے اس لیے کہ بیل دیو یا جن نہ تھا مگر دونوں کے واقعات صرف بیل کی نسبت خیال کرنے کی وجہ سے (آنجا مقام داشت) ترجمہ (وہاں رہتا تھا) تحریر ہوا اور نہ بل کا مسکن بلگرام کے کسی خاص مقام پر محقق نہیں۔ اس کے آگے تحریر کیا ہے (گویند آں بیل از مقام خود بول میکرد وبول او تا پرگنہ مسرکھ کہ معبد کفار واز بلگرام بفاصلہ سہ منزل است میرفت وہنود آں تبرک آں رامیدانستند) ترجمہ (کہتے ہیں وہ بیل جو اپنے مقام سے پیشاب کرتا تھا وہ پرگنہ مسرکھ تک جاتا تھا جو کافروں کی عبادت گاہ اور بلگرام سے تین منزل کے فاصلے پر ہے اور ہندو اسکو برسا د جانتے تھے) یہ جملہ بھی کسی قدر تغیر کے ساتھ بل کے متعلق ہے اور سری بھاگوت میں جو اس کا نیمکھارہ مسرکھ میں جاکر تیرتھ باسیوں کو دق کرنا اور بلرام جی کے مقابلے کے وقت بل اور موتر برسانا مذکور ہے اُس سے مطابقت رکھتا ہے یہ جو کسی قدر تغیر ہے امتداد ایام کے باعث سے واقع ہوا ہے۔ اور آخری فقرہ عبارت مقدس کا غالباً تعصب مذہبی کی علامت ہی پھر آگے تحریر کیا ہے (مشہور است کہ حضرت خواجہ عماد الدین او را کشتہ چراغ اسلام روشن گردانید) ترجمہ (مشہور ہے کہ حضرت خواجہ عماد الدین نے اسکو مار کے اسلام کا چراغ روشن کیا) یہ جملہ بالکل بیل سے مناسبت رکھتا ہے جس سے ہنود کو بھی انکار نہیں۔

پس اگر ابتدائے آبادی اسلام کے زمانہ میں تاریخ لکھی جاتی تو اُسوقت بیل کا زمانہ بالکل قریب تھا صحیح صحیح اُس کے واقعات قلم بند ہوتے اور بل کے واقعات بھی بہت کچھ دریافت ہوتے اور دونوں ایک میں گڈمڈ نہوتے نہ اب اسقدر تحقیق اور طویل تحریر کی ضرورت پڑتی المختصر روایتوں کا خلط ملط اور مسلمانوں کا دھوکہ کھانا جو تحقیقات اور بحث سے ثابت ہوا مع وجوہ و ثبوت کے تحریر کیا گیا جس سے علاوہ اختلافات کے ایک بڑا بھاری اور بیڈھب اختلاف جو بیل کی موجودگی کے زمانے کا مختلف واقعات کے باہم گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے پڑتا تھا اور جس کا تال میل کسی طرح نہیں ملتا تھا سب جاتا رہا یعنی مطابق تاریخ ہنود تو بل بلرام جی براور کنھاجی کے زمانے اخیر دواپرگ جگ میں تھا جسکو اب تک اُن کے عقیدے کے موافق پانچہزار سال سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے قول کے بموجب وہ سلطان محمود غزنوی اور راجہ سری کا ہمسر اور نام اُس کا بیل معلوم ہوتا ہے جس کو اسوقت تک ۹۰۰ نوسو سال سے زیادہ ہوتے ہیں اُسپر بھی اور طرہ یہ ہوا کہ ہمارے سادات صغروی بیچارے کی ٹانگ پکڑ کے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں گھسیٹے لاتے ہیں۔ اس حساب سے اب تک سات ہی سو سال سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ترجمہ (راہ میں کسقدر زیادہ فرق ہے۔

المختصر بل کو بہت زمانہ دراز ہوا جیسا کہ ہنود کی تاریخ بتاتی ہے۔ بالفرض اگر اُن کے جگوں کا اعتبار اپنی تاریخی معلومات سے بہت دور ہونے کی وجہ سے نہ بھی کیا جائے تو بھی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں برس اُدھر اس کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ اور بیل کا زمانہ غلبہ اسلام کے قریب تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اب رہی یہ بات کہ بلگرام بل کے نام سے موسوم ہے یا بیل کے نام سے۔ یہ بات بھی بحث سے طے کردی گئی کہ بلگرام بل ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اس وجہ تسمیہ میں کوئی بے ٹھکانا پن نہیں معلوم ہوتا۔

ہمارے مکرم جناب سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی صغروی نے زور شاعری سے اپنی تاریخ میں بلگرام کی وجہ تسمیہ سب سے الگ لکھی ہے کہ سید محمد صغری ۶۱۲ھ چھ سو بارہ ہجری میں قبل فتح بلگرام بداعیہ جنگ تشریف لائے اور از روئے علم مکاشفہ بیلگ دیو کا حال دریافت کرکے پہلے اسی کا استیصال منظور ہوا اور بزور سیادت اور قوت دعوت لڑکر اُس دیو کو زیر اور مطیع و منقاد کیا۔ تاریخ اسکی (بیلگ رام شدہ) ترجمہ (بیلگ فرمانبردار ہوا) مشہور ہے جس سے ۶۱۳ھ چھ سو بارہ ہجری نکلتے ہیں

اُس کے رام ہونے کے بعد سید محمد صغری نے راجہ سری سے جنگ کی اور بعد فتح اسی فتح شدہ (بیلگ رام شدہ)
سے شدہ شدہ لفظ (شدہ) ساقط ہو کر پہلے بیلگ رام مشہور ہوا آخر بلگرام اور بلگرام ہو گیا۔ سبب
تو گذا عقلی مگر لگا یا خوب ۔ البتہ کسر اتنی رہ گئی کہ تاریخ پوری کرنے کی غرض سے بیل کے نام میں لوکاف
کی دم لگا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا مگر پھر بھی دو عددوں کی کمی رہ گئی جسکی وجہ سے علامہ میر عبدالجلیل
صاحب کی فتح بلگرام کی تاویلی تاریخ (خداداد) سے دو سال قبل سید محمد صغری صاحب کو بلگرام میں تشریف
لاکر بیٹھے رہنے کی ایک اور نئی روایت سب سے الگ گڑھنا پڑی اور سید محمد صغری صاحب کو مفت میں
دو سال جنگ اور فتح کے التوا کی تکلیف اٹھانا پڑی۔

المختصر تنقیح سے نتیجہ یہ نکلا کہ دواپر جگ کے آخر میں جسکو مطابق تاریخ ہنود اب تک پانچ ہزار سال
سے زیادہ ہوئے اس مقام پر جنگل تھا اور اس میں بل نامی دانب یا دیت دیوار ہا کرتا تھا جس کا ذکر
مفصل اوپر ہوا ۔ اسی بل نے پہلے اپنی آبادی یہاں قائم کرکے اس کا نام (بل گرام) رکھا اُسکے
زمانے کے بعد اور چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی کے قبل کے تاریخی حالات صحیح اور
قابل اطمینان دریافت نہیں ہوتے ۔ تاہم بلگرام کے متعلق کچھ افسانے اور حوالے بھوت کرت
اور اُس کے ترجمے پریم ساگر میں ملتے ہیں یا کچھ قصے کہانیاں بعض زبانوں پر باقی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں جنگل تھا اور اس کے قریب ہی گنگا بہتی تھی ۔ رفتہ رفتہ زمین کو کاٹتی ہوئی قنوج
کے قریب پہنچی ہے ۔ البتہ اس کا پرانا نام (بل گرام) زمانہ آخر تک برابر قائم رہنا اسبات کی دلیل ہے
کہ بل کے وقت سے راجہ سری کے عہد تک کم و بیش کسی نہ کسی طرح کی آبادی مسلسل یہاں رہی اور وہی
پرانا نام برابر زبانوں پر جاری رہا اور راجہ سری سے قبل باشندگان قدیم میں سے کسی نے اس
نام کو تبدیل نہیں کیا اگر اسکی آبادی کا سلسلہ کبھی منقطع ہو کر ایک مدت دراز تک اجاڑ جنگل پڑا
رہتا ۔ اور آخر میں کبھی کوئی اِسکو از سر نو آباد کرتا تو اس دوسری آبادی کا دوسرا نام بھی لازمی تھا
پس جسطرح قنوج کا قدیم نام ہزاروں برس سے بوجہ آبادی مسلسل کے ابتک نہیں مٹا وہی حالت اس کی
بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ہجری صدیوں کے اوائل میں یہاں ٹھٹیروں کی آبادی اور انہیں کی حکومت اور قبضہ اور یہی
اُس کا پرانا نام بل گرام دریافت ہوتا ہے ۔ ٹھٹیروں کی حکومت کے زمانے میں کبھی اس کا تعلق

ہستناپور کی غربی سلطنت سے اور کبھی اجدھیا کی شرقی بادشاہت سے ہوجاتا تھا۔

ابھی تقریباً ۱۳۳۷ھ ایکہزار تین سو سینتیس ہجری مطابق ۱۹۱۸ء ایکہزار نوسو اٹھارہ عیسوی میں عزیزی پنڈت گرور پرشاد صاحب وکیل سلمۂ ولد جناب پنڈت دیبی پرشاد صاحب تواری نے اپنے مکان کی تعمیر شروع کی تو ایک مقام پر بہت قدیم زمانے کی بھٹی اور راکھ اور برتن بنانے کا سامان تانبے وغیرہ کے ٹکڑے اور اوزار بالکل بوسیدہ اور زنگ آلودہ برآمد ہوئے جو چھونے سے مٹی کی طرح چور چور ہوگئے اس کیفیت کے ملاحظہ سے یہاں ٹھٹیروں کی قدیم آبادی کی تصدیق بھی ہوگئی یہ مقام بلبشری مذکور کے بالکل قریب گوشہ شمال ومشرق میں ہے۔

چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی میں راجہ سری قوم راجپوت رہکوار (جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ قنوج کے راجہ کا نائب یا اُس کے متعلقین میں سے تھا) نے دریائے گنگ کو عبور کرکے ٹھٹیروں کو بلگرام سے نکالکر اس پر اپنا پورا قبضہ دخل کرلیا۔ اور اسکو اپنی راج دھانی مقرر کرکے قریب قریب وسط آبادی میں ایک بلند اور عالی شان قلعہ بنایا جو اوپر کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قلعے کے جانب غرب ایک وسیع تالاب (ساگر) بنایا اور جانب شمال ایک وسیع میدان میں جو قتلغ پور کہا جاتا ہے۔ ایک چھوٹی گڑھی اور بھی بنائی۔ اور اپنے رہنے کا خاص محل مقام لپسیز میں جو بلگرام سے قریب دو میل اور چھوٹی گڑھی سے قریب ایک میل کے فاصلے پر جانب شمال ہے تعمیر کیا۔ اور بجائے قدیم نام بل گرام کے اس کا نام اپنے نام کی نسبت سے (سری نگر) رکھکے یہاں کا ذی اقتدار راجہ ہوا۔ اس کا گرو وہی زبردست ساحر بیل جوگی تھا جو بیل دیو مشہور ہے اور جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اُسکی سکونت خاص مع اپنے چند چیلوں کے راجہ سری کے قلعے (اوپر کوٹ) کے قریب گوشہ جنوب ومشرق میں ایک اونچے میدان میں تھی۔ وہ مقام خود بھی بیل کے نام سے مشہور ہے۔ بیل کی حمایت اور مدد سے راجہ کی حکومت بڑے زور شور کی تھی اور غرور کی ہوا اس کے سر میں سمائی اور یہ خیال جما ہوا تھا کہ بیل کی ساحری کے زور سے کوئی مجھکو زیر نہیں کرسکتا۔

دوسری فصل

آمد اسلام و فتح بلگرام و ذکر چند بزرگان شریک معرکۂ فتح

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی عہد سلطان محمود غزنوی میں بلگرام کی فتح واقع ہوئی اور اُسی وقت سے یہاں اسلام کے قدم جم گیے اور تمام احکام شرعی و تحریر سجلات و قبالجات وغیرہ بقاعدۂ اسلام جاری ہو گئے اور آخر زمانے تک جاری رہے۔

لیکن یہ امر کہ بلگرام کا فاتح اور یہاں اسلام کو قائم کرنے والا فی الحقیقت ہر کون شخص اس کو بعض خود غرضوں نے خواہ مخواہ جھگڑے میں ڈال رکھا ہے جس سے اُن کا یہ مطلب ہے کہ بلا سے ہمارے جد اعلیٰ فاتح سمجھے جائیں یا نہ سمجھے جائیں کم از کم اصل فاتح خاندان کی حالت ہی بادی النظر میں مثل ہمارے مشکوک و مذبذب معلوم ہونے لگے اور خود بیچ بنکر دوسروں کو جھوٹا بنائیں اور اپنی چرب زبانی اور ہمنوائی سے ناواقفوں کو دھوکہ دے دیکر اپنے جد اعلیٰ کو فاتح بلگرام ظاہر کیا کریں۔

میں دیکھتا ہوں کہ آجکل جو مشہور خاندان یہاں موجود ہیں اُن میں سے اکثر نے اپنی شرافت علوی نسب اور باہم ایک دوسرے پر تفوق کا دار و مدار انہیں دو باتوں یعنی آمد اسلام اور فتح بلگرام کو اپنے اسلاف کی طرف منسوب کرنے پر رکھا ہے۔ اور اپنے اپنے آبا و اجداد کا پیشتر آنا اور بلگرام کو فتح کرکے اسلام کی بنیاد قائم کرنا بیان کرکے فخر و مباہات کرتے ہیں کہ ہمیں قدیم اور ہم ہی فاتح ہیں۔ جو خاندان دوسرے خاندان کی قدامت کے ثبوت زبردست پاتا ہے اور اُس کی تردید نہیں کرسکتا وہ اس معاملے میں تو اُس سے متفق الرائے ہو جاتا ہے اور اُس کے ساتھ آپ بھی قدیم بنکر کہنے لگتا ہے کہ ہاں فلاں خاندان کے اور ہمارے بزرگ ایکسی وقت

میں آئے ہیں۔ مگر فتح بلگرام کے بارے میں باستثنائے بعض بالکل ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ہی جد اعلیٰ نے بلگرام کو فتح کیا باقی اور خاندان والے جن کا صرف اسوقت آنا مجبوراً تسلیم ہی وہ اُن کے ہمراہ آئے۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کا فاتح کے ساتھ شریک معرکۂ فتح ہونا ثابت ہے اور بعض دوسرے خاندان والے بھی تسلیم کرتے ہیں اُن میں سے جن کا خاندان بلگرام میں ہے کوئی اپنے فاتح ہونے کا دعویٰ کرتا نہیں معلوم ہوتا۔ اور جنہوں نے محض اپنی زبان سے اپنے کسی بزرگ کو فاتح کہلیا یا صرف اپنے قلم سے لکھ لیا مگر دوسروں نے اُس کو بالکل نہیں مانا وہ فاتح بلگرام ہونیکے مدعی ہیں۔

فتح بلگرام کے متعلق اکثر نے بہت سے واقعات اپنے فہم و ادراک کے موافق گڑھے ہیں۔ یہ دعویٰ اکثر کا ایک ہی وقت اور ایک ہی معرکے میں برعکس ایک دوسرے کے ناممکن الوقوع معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ فاتح ایک شخص کہا جائے گا جو بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست ہوگا اور جس کے تابع حکم تمام فوج ہوگی۔ البتہ بنظر شرکت جنگ فوج کا ہر ادنیٰ سپاہی بھی اپنی نسبت یہ الفاظ استعمال کرسکتا ہے کہ میں نے فتح کیا۔ اور ایک حد تک اُس کا یہ کہنا صحیح بھی ہوسکتا ہے۔ مگر ہر سپاہی بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست نہیں ہوسکتا نہ اُس کا فاتحانہ قبضہ سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اصلی فاتح ہونے کا لقب اُسکو زیبا ہوسکتا ہے سوا اس کے کہ اپنا جی سمجھالے۔ لیکن جبکا شریک ہونا ہی نہ ثابت ہو اُن کا اپنا جی سمجھا لینا بھی فضول ہے۔ پس اس نظر سے اصلی فاتح بلگرام ہونے کے لقب کا مستحق ایک ہی شخص ہوسکتا ہے جو بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست ثابت ہو اور اُسکی فتح اور حکومت وغیرہ کے ثبوت بمقابلہ ہر مدعی کے کامل اور زبردست ہوں۔

اپنے خاندان کو بہت قدیم ثابت کرنے والوں میں سے بعض ۴۰۷ھ چار سو سات ہجری مطابق ۱۰۱۶ء ایکہزار سولہ عیسوی میں اور اکثر ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں بعہد سلطان محمود غزنوی اپنے اپنے اسلاف کا بلگرام میں تشریف لاکر سکونت اختیار کرنا بیان کرتے ہیں۔ علاوہ انکے ایسے خاندان بھی ہیں جو یکے بعد دیگرے اُن کے بعد آآکر سکونت پذیر ہوتے گئے۔ وہ بیچارے کسی بات کے مدعی نہیں معلوم ہوتے اور نہ اسکے مدعی نہونے سے انکی اصلی وقعت اور شرافت میں کسی طرح کی کمی ہوسکتی ہے۔ مگر ایک نہایت حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان نو

آباد خاندانوں میں سے صرف ایک خاندان نے سب سے اختلاف کر کے اپنی ڈھائی اینٹ کی مسجد الگ بنائی - وہ کون ہمارے واجب التعظیم حضرات سادات صغروی - غالبًا اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کے خاندان میں ماشاءاللہ ترقی اور برکت بہ نسبت دیگر خاندانہائے قدیم کے زیادہ عطا فرمائی لہذا انہوں نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت تعداد نے دیگر مقامات پر شاید یہ اثر ڈالدیا ہے کہ بلگرام کے نامور اور سربراوردہ روسا اور مشاہیر میں ہمیں ہم خیال کیے جانے لگے ہیں - اس یقین نے انکو تقریبًا آخر کی دو ڈھائی صدیوں سے آفتاب درخشاں پر خاک ڈالنے کی جرأت دلوائی ہے جسکی ابتدا انہیں میں سے بعض اُن اصحاب نے اپنی افسانہ طرازی کے ذریعے سے کی ہے جنکو اپنی قابلیت اور علم پر ناز تھا - اور باطنًا یہ دعویٰ تھا کہ ہمارا قول یا تحریر اگر اب نہ سہی تو کبھی ضرور مسلم سمجھی جائیگی - گو تاریخی واقعات پر غور کرنے سے قریب قریب یہی کیفیت اور بھی بعض خاندانوں کی ظاہر ہوتی ہے مگر انہیں اور ان میں فرق اتنا ہے کہ انہوں نے سوا اپنے اس جد اعلیٰ کے جو دراصل پہلے بلگرام میں تشریف فرما ہوا اُس سے چند پشت آگے کے ایک بزرگ کا سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہی آکر بلگرام میں اسلام قائم کر دینا یا فتح کرنا بیان کر دیا ہے - تاکہ جن خاندانوں کا دراصل سلطان محمود غزنوی کے عہد سے سکونت پذیر ہونا ثابت اور اظہر من الشمس ہے - اُن کے مقابلے میں خود مدعی بننے اور ناواقفوں کو قدامت اور فتح کے بارے میں شبہے میں ڈالدینے کا موقع ملے - خیر انہوں نے تو اپنے دعوے کے لیے ایک دہوکے کی ٹٹی کھڑی بھی کر رکھی ہے اور لہو لگا کے شہیدوں میں ملنے کی ترکیب سوچ لی ہے مگر حضرات صغروی کا بغیر اس ترکیب کے فاتح ہونے کا دعوی نرالا ہے - اس لیے کہ وہ اپنے انہیں جد اعلیٰ سید محمد صغری صاحب کو سب سے قدیم اور فاتح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا بلگرام میں آکر سکونت پذیر ہونا باقوال مختلف و مشتبہ ایک سو چھپن یا دو سو پانچ یا قریب تین سو برس بعد قدیم خاندانوں کے ثابت ہوتا ہے - پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب مدعیوں کے دعوے لفظ بلفظ اور ان کے ثبوت وغیرہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جسقدر مجھکو اسوقت تک دستیاب ہو سکے ہیں بلا کم و کاست مع انکی تنقیح کے ہر خاندان کے ذکر کے آغاز میں لکھکر ناظرین کی خدمت میں پیش کردوں - جن پر غور اور انصاف کی نظر ڈالنے سے کچھ فیصلہ کسی کے حق میں کیا جا سکے - لیکن یہ جھگڑا العبد ذکر

اُن چند بزرگوں کے "جو فتح بلگرام کے معرکہ میں شریک تھے اور جن کے مزار پُر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہیں" شروع کروں گا۔ اس لیے کہ ان مقدس متقدمین کی جنکی نسل بھی باستثنای بعض بلگرام میں نہیں چلی تذکرہ کا اور کوئی موقع مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خواجہ عماد الدین چشتی قدس سرہ

ابتدائے اسلام بلگرام میں اوّل اوّل جس نے ولایت کا جھنڈا گاڑا وہ بالاتفاق آپ ہی کی ذات بابرکات ہے۔ بلگرام کے تمام خاندانوں میں شروع سے ابتک کوئی ایسا نہیں جو آپکو مقدم اسلام بلگرام اور یہاں کا شاہ ولایت نہ مانتا ہو۔ آپ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ مفصل حال آپ کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوا۔ صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ بعض اسناد سے آپکا زمانہ عہد سلطان محمود غزنوی میں متحقق ہوتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب مراۃ الاسرار میں کشف المحجوب و روضۃ الصفا سے نقل کیا ہے کہ خواجہ ابو محمدؒ کے جلہ خلفا میں سے ایک عماد الدین تھے جو امارت اور اہل و عیال چھوڑکر خواجہ کے درویشوں میں داخل ہوگئے اور خواجہ نے اُن کے حق میں فرمایا کہ (عماد الدین ما عماد دین است) ترجمہ (ہمارا عماد الدین دین کا کھمبا ہے) انتہی۔ یہاں سے آپ کا مرتبہ جاننا چاہیے کہ آپکے پیر و مرشد آپکو دین کا رکن فرماتے ہیں۔ آپ کے مرشد وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ہندوستان کی اوّل فتح حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کی مدد سے بنام سلطان محمود غزنوی ہوئی۔

آپکو بھی اپنے مرشد کے ساتھ میں سلطان محمود غزنوی کا تقرب حاصل تھا اور تیمناً و تبرکاً اکثر معرکوں میں سلطان کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے نویں حملہ میں قنوج پر چڑھائی کے وقت بھی آپ کے ساتھ تھے اور جس طرح آپکے مرشد کی بدولت معرکہ سومنات میں سلطان محمود غزنوی کو کامیابی حاصل ہوئی جسکی شاہد کتب تواریخ ہیں اُسی طرح آپکی برکت سے معرکہ سری نگر "بلگرام" میں رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی کو فتح نصیب ہوئی جب لشکر اسلام سے راجہ سری مغلوب ہوکر قلعہ بند ہوا اور اُس کے معاون وہی خواہ بیل ساحر وجرکا

ذکر فصل اول میں اوپر ہوا" نے اپنے زور سحر سے لشکر اسلام کو مغلوب کرنیکی کوشش کی تو آپ نے
اپنے زور باطن وکرامات سے، دسحر کرکے اس کو قتل کیا اور قلعہ فتح ہو کر اسلام کا جھنڈا گڑ گیا۔ مفصل
ذکر اس فتح کا قاضی محمد یوسف گازرونی مذکور کے حال میں ہوگا۔ آپکی نسبت مشہور ہے اور بعض مولفین نے
بھی لکھا ہے کہ ہر روز صبح کو تحصیل علوم کے لیے کھڑاؤں پہنے قنوج تک جاتے تھے بیچ میں گنگا
حائل ہے لیکن آپ بلا تکلف گنگا سے گزر جاتے تھے ایک پہر میں جاتے اور ایک ہی پہر میں
اسی طرح شام کو واپس آتے تھے۔ میں اس روایت کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ کہانتک صحیح ہے اس لیے
کہ بلگرام میں تشریف لانے کے وقت آپکی ولایت اور بزرگی وکمال مسلمہ ہے۔ اُس زمانہ میں آپ
کی طالب علمی کی ایسی اشد ضرورت پر قیاس نہیں جمتا علاوہ اس کے اُس وقت قنوج کے راجہ
کی ہنودی عملداری میں کون سے مسلمان بزرگ ایسے وہاں موجود تھے جن سے خواجہ صاحب
سے بزرگ صاحب کمال کو تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔

آپنے حب تعلق اہل وعیال اور ہمارت ترک کرکے گوشہ فقر میں قدم رکھا پھر متاہل نہیں ہوئے
صاحب مراۃ المبتدین نے لکھا ہے کہ آپ نے کسی کو مرید اور خلیفہ نہیں کیا اور اپنی ولایت اور حالت
کو ظاہر نہ کرتے تھے میر آزاد صاحب نے مآثر الکرام میں خضر علیہ السلام سے آپکی ملاقات ہونا
اور آخر ایام زندگانی میں آپکی کرامات ظاہر ہو کر راز فاش ہو جانا بھی تحریر کیا ہے۔

سنۂ وفات آپکے دریافت نہیں ہوئے۔ حالات اور واقعات سے وفات پانچویں
صدی ہجری مطابق گیارھویں صدی عیسوی کے ربع اول یا دوم میں معلوم ہوتی ہے۔ مزار پر
انوار متصل املاک حضرات قاضی محمد یوسف فاتح بلگرام میدان بیل "جو مسلمانوں کی قبروں کے
واسطے قاضی موصوف نے وقف کر دیا تھا" کے گوشہ شمال ومغرب میں بلندی پر واقع ہے۔

چھٹی صدی ہجری اور بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں قاضی محمد یوسف ثانی عثمانی بن قاضی شمس الدین
بن قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام نے اپنے عہد حکومت میں آپکی درگاہ بنوائی اور قلندر وابراہیم
دو شخص درگاہ کی مجاوری اور خدمت کے لیے مقرر کرکے پانچسو چوراسی گز زمین درگاہ کے قریب
انکی سکونت کے لیے ہبہ کر دی۔ بعد اُس کے جب قلندر اور ابراہیم کی خاص اولاد میں کوئی
نہ رہا تو بندگی قاضی عبدالہادی عثمانی بن قاضی محمود الہداد بن علامہ قاضی عبدالکافی بن قاضی محمد یوسف

ثانی مذکور نے بابر شاہ کے عہد میں پھر اپنے پرداد اکی طرح دو غلام عبداللہ اور عبدالرحیم کو آزاد کر کے درگاہ کا مجاور بنایا۔ اور وہی زمین جو قاضی محمد یوسف ثانی نے قلندر اور ابراہیم کو دی تھی عبداللہ اور عبدالرحیم کو سکونت کے لیے ہبہ کر دی بلفظ ہبہ نامے کی یہ ہے (با خنفظ تحریر این چند کلمہ آنکہ چوں بندہ عاصی الراجی الی رحمۃ العلام عبدالدایم ابن اللہ داد قاضی بلگرام فی التاریخ سابع وعشرین شہر رمضان المبارک آزاد کردم از ملک خود دو نفر مسمیٰ عبداللہ و عبدالرحیم را بجہت مجاوری و خدمت درگاہ خواجہ عماد الدین صاحب ولایت بلگرام قدس سرہٗ العزیز و موازی پانصد وہشتاد وچہار گز زمین معروف الحدود کہ کاغذ ہبہ نامہ آں علیحدہ بدستخط وسجل اجداد بزرگوار خود بنام قلندر وابراہیم است وازاولاد ہر دو ضعیفے باقی ست بنابراں مجدداً از زمین مذکور بہر دو نصفا نصف ہبہ نمودم تا متصل درگاہ سکونت گرفتہ بر ہماں مسلک بجاوری درگاہ پرداختہ باشند چنانچہ ہر دو اقرار نمودہ لبطوع رغبتِ خود قبول کردند و آزاد شدند۔ مے باید کہ احدے از فرزندان من دعوی زمین مذکور بنام بروہا واولاد شاں ننمایند و ناتوانند در مراعات کوشند بنابراں نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال برائے ایہا و فرزنداں ایہا حجتے باشد۔ وکان ذالک تحریر فی التاریخ الخامس من شہر ذی حجہ سنہ اربع وستین وثماں مائۃ) ترجمہ (ان چند کلموں کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ بندۂ گنہگار خدا کی رحمت کے امیدوار عبدالدایم الہداد قاضی بلگرام کے بیٹے نے ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ دو غلام مسمّی عبداللہ اور عبدالرحیم کو خواجہ عماد الدین صاحب ولایت بلگرام قدس سرہٗ العزیز "ان کے پیارے بھید پاک ہوں" کی درگاہ کی مجاوری اور خدمت کے واسطے اپنی ملک سے آزاد کیا اور پانسو چوراسی گز کے برابر زمین ظاہر حدوں کی جسکے ہبہ نامے کا کاغذ علیحدہ میرے بزرگ اور اجداد قاضی محمد یوسف ثانی مذکور" دستخطی اور آراستہ قلندر اور ابراہیم کے نام ہے اور ان دونوں کی صرف اولاد ضعیف "ناقص النسل" باقی ہیں اس بنا پر نئے سرے سے زمین مذکور دونوں " عبداللہ و عبدالرحیم" کو برابر آدھی آدھی ہبہ کروں تاکہ درگاہ کے قریب سکونت اختیار کر کے اسی طریقہ سے درگاہ کی مجاوری میں مشغول رہیں۔ چنانچہ دونوں نے اقرار کر کے اپنی خوشی اور رغبت سے قبول کیا اور آزاد ہو گئے۔ چاہیے کہ میرے فرزندوں میں سے

کوئی زمین مذکور کا دعوی ان دونوں اور انکی اولاد سے نکریں اور جہانتک ہوسکے رعایت میں کوشش کریں لہذا یہ تحریر دیگئی کہ دوسرے وقت اُن کے اور اُن کے فرزندوں کے لیے دلیل ہوا اور یہ ہبہ نامہ ماہ ذالحجہ کی پانچویں تاریخ ۸۶۴ھ آٹھ سو چونسٹھ ہجری اور مطابق ۱۴۵۹ء ایکہزار چارسو انسٹھ عیسوی میں لکھا گیا) چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحیم اور بعدہٗ اُن دونوں کی اولاد درگاہ کے مجاور ہوئے اور قلندر کے لقب سے مشہور رہے ہے۔ شرالفت عثمانی میں لکھا ہے کہ بعہد ۱۱۳۶ھ ایکہزار ایکسو چھتیس ہجری مطابق ۱۷۲۳ء ایکہزار سات سو تیئس عیسوی عہد محمد شاہ میں قاضی وقت محمد احسان عثمانی بن قاضی محمد ناصر بن قاضی محمد فضیل بن قاضی محمد یوسف ثالث بن قاضی بھکاری بن قاضی کمال بن بندگی۔ قاضی عبدالدایم مذکور سے شاہ یسین قدس سرہٗ ساکن میدان پور اور سید ابراہیم ساکن خرد پورہ وغیرہ نے استدعا کی کہ سال میں ایک دن خواجہ صاحب کا عرس مقرر کرکے کوئی شخص خاص اس کام کی خدمت کے لیے معین فرما دیا جائے کہ وہ اور اُسکی اولاد ہمیشہ ہر سال اُسے انجام دیتے رہیں۔ آخر قاضی محمد احسان عثمانی نے عید الفطر کے روز آپ کا عرس مقرر کرکے میدان بیل میں سے کچھ زمین مزروعہ درگاہ کے متصل جس کی آمدنی اُسوقت دس بارہ روپیہ سال تھی عرس کے خرچ کے لیے دیدی انتہیٰ۔ پھر ایک عرصہ دراز کے بعد خادم عرس مسمی بہادر علی نے وہ زمین سمیر کنجڑے ساکن میدانپورہ کے پاس رہن کردی چونکہ اُس سے اقرار تھا لہذا طوعًا وکرہًا دس بارہ روپیہ عرس کے لیے اُس سے لیے جاتے تھے۔ پھر وہ زمین جان محمد عرف جنا پسر بہادر علی مذکور نے منشی ظہور احمد اور انکی دختر مسماۃ آمنہ فاطمہ وغیرہ ساکنان محلہ کٹرہ کے ہاتھ بیچ ڈالی جسکی آمدنی اب ڈیڑھ سو ماصے روپے سالانہ ہوگئی اور کھیت کا نام ٹرھا مشہور ہے اس کے فروخت ہوجانے پر اداے رسم عرس کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ دوسرے سال لوگ عرس میں شریک ہونیکی غرض سے آئے اور سناٹا دیکھکر اپنے اپنے گھر واپس آگئے۔ خدا حکیم عبدالرشید سلمہٗ کا بھلا کرے کہ یہ حال دیکھکر اُس کے آیندہ سال سے اُنھوں نے عرس میں شیرینی وغیرہ تقسیم ہونے کا خرچ خود برداشت کیا اور بعدہٗ جب اپنی جائداد کا وقف نامہ محررہ ۲۹ راگست و مصدقہ یکم ستمبر ۱۹۳۰ء اپنی دختر رابعہ بیگم سلمہا کے حق میں کیا تو اس میں مبلغ بارہ عہ روپیہ سالانہ مستقل خواجہ صاحب کے عرس کے لیے مقرر کردیے۔ افسوس کہ اُس معافی قدیم کی حفاظت کا کسی نے خیال

نہ کیا ورنہ پیشتر سے کہیں زیادہ اہتمام کے ساتھ معافی کی آمدنی میں صرف ہوتا۔ اور درگاہ جو منہدم ہو رہی ہے اس کی مرمت بھی بخوبی ہو سکتی جس کے لیے اکثر چندے کی بھیک مانگنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

اس شکستہ درگاہ عالی کی کرسی یک منزلہ مکان کی برابر بلند چاروں طرف احاطہ پختہ اور جانب غرب مسجد بلاسقف ہے۔ تربت کے سرہانے ایک پتھر گڑا ہے جسکی بلندی سطح زمین سے دو فٹ آٹھ انچ ہے۔ بعد اس کے پتھر سے چار فٹ پانچ انچ کے فاصلہ پر جانب شمال ایک ستون پختہ ہشت پہل بنا ہے اور اس پر اس کے موافق گنبد ہے۔ ہر پہل میں چراغ رکھنے کے لیے طاقچے بنے ہیں۔ بلندی اس ستون کی مع گنبد آٹھ فٹ پانچ انچ ہے اور دروازہ درگاہ کا جانب مشرق گوشہ جنوب میں ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ یہ درگاہ عالی قبلہ حاجات اور برآورندۂ مرادات ہے۔ میر سید محمد متخلص بشاعر خلف علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی فرماتے ہیں۔ قطعہ

خواجۂ کامل عماد الدین قطب اولیا — حلقہ باب حریم او حصار بلگرام

از ورود موکب این خسرو عالی جناب — سرمہ چشم ملک باشد غبار بلگرام

آستان اشرف او بوسہ گاہ آسماں — بارگاہ اقدس او افتخار بلگرام

ترجمہ۔ ولیوں کے سردار کامل خواجہ عماد الدین کی درگاہ کے دروازے کا حلقہ بلگرام کا قلعہ "محافظ" ہے۔ اس عالی جناب بادشاہ کے سواروں کا گروہ آنے سے بلگرام کا غبار (ذکر) فرشتوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اس کی بزرگ و برتر چوکھٹ کو آسمان چومتا ہے اُس کی پاک بارگاہ پر بلگرام کو فخر ہے۔

میں جب لکھنؤ سے آیا تو آپکے اوصاف حمیدہ سن کر یک بیک دلمیں عقیدت کا ولولہ پیدا ہوا باوجود اس کے کہ مزار شریف بالکل بستی کے کنارے ویرانے سے متصل ہے۔ لیکن پھر رات گزرے ایکدن یہی دھن سمائی کہ بے خوف و خطر درگاہ کی طرف تنہا سناٹے میں چل کھڑا ہوا۔ آستان والا پر پہنچتے ہی فی البدیہہ یہ شعر موزوں ہوا۔

با ادب باش کہ جائے متبرک این ست — درگہ عارف حق خواجہ عماد الدین ست

ترجمہ ادب سے رہ کہ یہ خداشناس خواجہ عماد الدین کی درگاہ بڑی پاک جگہ ہے۔ یہ شعر پڑھتا ہوا مودب درگاہ کے اندر داخل ہوا اور خاک تربت کو چوم کر چشم بصیرت کا سرمہ بنایا۔ ذوق وشوق میں تربت کے جانب مشرق کھڑا ہو کے درود پڑھنا شروع کیا۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ خواب کی سی حالت مجھپر طاری ہوگئی اور مزار کشادہ نظر آیا۔ دیکھا کہ خواجہ صاحب نے چہرہ مبارک سے کفن ہٹایا اور گھوم کر میری طرف نظر کی قرینہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری طرف گھوم کے درود شریف سننے میں تکلف ہوا۔ اسوقت فرط جلال سے میرا بدن کانپنے لگا اور یکایک ہوش آگیا۔ میں زیارت سے بخوبی مشرف ہوا۔ حلیہ میری نظر میں ہے۔ آپ وہرے بدن کے بزرگ ہیں۔ گندمی رنگ چوڑا گول چہرہ۔ ناک چوڑی اونچی کم۔ گردہ گھنی کھچڑی ڈاڑھی اوسط درجے کی لمبی۔ عمر قریب ساٹھ یا پینسٹھ سال کی۔ الغرض زیارت سے مشرف ہو کر گھر واپس آیا اور دوسرے روز یہ غزل حضرت کی شان میں کہی اور مزار مبارک پر جاکر پڑھی۔

غزل

عجب سودا بسر دارم عماد الدین چشتی را — کہ خود از جاں خریدارم عماد الدین چشتی را

چو حرفے بر زباں آرم شود افشای اسرارم — نمیدانم چہ پندارم عماد الدین چشتی را

بھر جائے کہ بنشینم جمال مصطفےٰ بینم — اگر در دل خیال آرم عماد الدین چشتی را

شبے تنہا بدرگاہش بیا گاہیدم از جانش — شد آگاہی ز اسرارم عماد الدین چشتی را

ز خاکش بر نمے خیزم سرشک از دیدہ می ریزم — بجان مشتاق دیدارم عماد الدین چشتی را

ز فکرت ہا پریشانم پشیمانم پشیمانم — چہ خدمت ہا بجا آرم عماد الدین چشتی را

تعجب چیست در عالم دہر شہرت گرای ہمدم — عقیدت ہائے بسیارم عماد الدین چشتی را

شود تاب فراقش چوں منم در بلگرام اکنوں — طلبگارم طلبگارم عماد الدین چشتی را

چنیں اے حمد اثر دارد کہ در مرقد برقص آرد
ہمیں مستانہ اشعارم عماد الدین چشتی را

ترجمہ

میرے سر میں عماد الدین چشتی قدس سرہٗ کا عجب طرح کا سودا ہے کہ جان سے ان کا خریدار ہوں۔

اگر کوئی بات زبان پر لاتا ہوں تو میرے بھید کھلے جاتے ہیں - میں نہیں جانتا کہ عماد الدین چشتی کو میں کیا سمجھتا ہوں - اگر عماد الدین چشتی کا خیال دل میں لاتا ہوں تو جہاں بیٹھتا ہوں حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھتا ہوں - ایک رات کو اکیلا انکی درگاہ میں جاکر میں ان کے مرتبے سے آگاہ ہوا اور عماد الدین چشتی میرے بھیدوں سے آگاہ ہوئے میں عماد الدین چشتی کے دیدار کا جان سے مشتاق ہوں انکی خاک "تربت" سے نہیں اُٹھتا ہوں آنکھوں سے آنسو گرایا کرتا ہوں - میں اپنی فکروں سے پریشان ہوں اس لیے بہت شرمندہ ہوں کہ عماد الدین چشتی کی کیا خدمت بجالاؤں - دوستو تعجب نہیں کہ میرے بے شمار عقیدے عماد الدین چشتی کو دنیا میں مشہور کردیں - میں اب بلگرام میں ہوں انکی جدائی کی کیونکر تاب ہو میں عماد الدین چشتی کا نہایت طلبگار رہوں - اے حمد میرے مستانہ شعروں میں ایسا اثر ہے کہ عماد الدین چشتی کو قبر کے اندر وجد میں لاتے ہیں -

خواجہ صاحب کی نسبت مورخین بلگرام اور نیز مجھ کو جو کچھ حال متحقق ہوا وہ تو یہ ہے جو اوپر مذکور ہوا - لیکن جناب میر آزاد صاحب کا شبدیز قلم اس میدان میں کچھ اور ہی شوخی دکھاتا نظر آتا ہے - چونکہ خواجہ صاحب کا تقدم اور ان کے وقت سے بلگرام میں اسلام کا قیام ایسا مسلمہ اور اظہر من الشمس امر ہے کہ کسی خاندان کا کوئی فرد بشر متقدمین و متاخرین میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کا معترف نہ ہو لہذا اس کے تسلیم کرنیکے سوا تو چارہ ہی نہ تھا مجبوراً ان کو اپنی کتاب مآثر الکرام میں لکھنا پڑا (از قدما ر اولیاء بلگرام و صاحب ولایت این مقام ست) ترجمہ (بلگرام کے قدیم ولیوں میں سے اور یہاں کے صاحب ولایت ہیں) باوجود اس کے قدیم خواجہ صاحب کو جدید سید محمد صغریٰ صاحب کے ساتھ کس مزے سے ملاکر دونوں کے زمانے کے قریب دو سو برس کے فرق کو زرا سی جنبش قلم میں برابر کردیا ہے یعنی چونکہ سلطان شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مرید تھا اس لیے خواجہ عماد الدین اور سید محمد صغریٰ صاحب دونوں کو خواجہ قطب الدین موصوف کا مرید قرار دیدیا اور خواجہ عماد الدین کی تاریخ وفات بھی دوم شوال ۶۳۲ھ اثنین وثلثین وستمائۃ سید محمد صغریٰ صاحب کے زمانے سے ملتی جلتی نہیں معلوم کہاں سے تحریر کرکے سب کے زمانوں کا تال میل ملادیا - اس کے متعلق میں اور زیادہ کہنا نہیں چاہتا بلکہ میر آزاد صاحب کے معاصر قابل اور لائق مولفین نے جو کچھ انکی اس کل لسانی کی بابت ان کے حین حیات میں تحریر کیا ہے

بعینہٖ نقل کیے دیتا ہوں۔

مولانا غلام حسن صاحب ثمین فرشوری شرائف عثمانی میں لکھتے ہیں (مخفی نماناد کہ غلام علی آزاد مذکور بسیارے از اغلاط صریحہ بکار بردہ - بیشتر روایات طبع زاد او بر زبان قلمش گزشتہ - بہ تحقیق وقائع سپے نہ بردہ - یکے از جملۂ او این است کہ حضرت خواجہ رامعاصر سید محمد واسطی نوشتہ و سید محمد را پیر بھائی یعنی برادر طریقت حضرت خواجہ قرار دادہ و ہردو را مرید خواجہ قطب الدین بختیار اوسی کاکی مقرر نمودہ - و براثر آں سنۂ وفات حضرت خواجہ و سید محمد مذکور در نسخہ مآثر الکرام ثبت گردانیدہ و حالانکہ در ہیچ کتاب احوال حضرت خواجہ و سید مذکور را اندراج نیافتہ تفحص این معنی بسیارے اعزہ کردہ از جائے یافتہ نشد۔ و نہ سندے یا سجلے یا وثیقہ الیست کہ حاکی و ناطق برایں معنی بودہ باشد - مگر کم از صد سال است کہ سید شریف بن سید عمر مرحوم مذکور محلہ سیدواڑہ کتابی موسومہ مراۃ المبتدین در اخبار بلگرام تصنیف دادہ اگرچہ او نیز بر اقوال سماعی و قیاسی رفتہ آنچہ آزاد سمدنی ایجاد کردہ در مراۃ المبتدین نیامدہ) ترجمہ (پوشیدہ نرہے کہ غلام علی آزاد مذکور نے بہت سی صریح غلطیاں کیں اُن کی طبیعت کی گڑھی ہوئی اکثر روایتیں انکے قلم کی زبان سے نکلیں - واقعات کی تحقیق کی جستجو نہیں کی - منجملہ اُن کے یہ ہے کہ خواجہ "عماد الدین" کو سید محمد واسطی "سید محمد صغریٰ" کا ہمعصر لکھدیا - اور سید محمد کو حضرت خواجہ "عماد الدین" کا پیر بھائی قرار دیا - اور دونوں کو خواجہ قطب الدین اوسی کاکی کا مرید مقرر کرکے اسی نشان سے حضرت خواجہ "عماد الدین" اور سید محمد مذکور کی وفات کے سنہ کتاب مآثر الکرام میں قائم کردیے - حالانکہ حضرت خواجہ "عماد الدین" اور سید مذکور کے حالات کسی کتاب میں درج نہیں - اس امر کی بہت سے عزیزوں نے جستجو کی مگر کہیں سے پتا نہ لگا - نہ کوئی سند یا قبالہ یا دستاویز ہے جس میں سے یہ بات معلوم ہوسکے - لیکن سو برس سے کم ہوئے کہ محلہ سیدواڑہ کے سید شریف بن سید عمر مرحوم مذکور نے ایک کتاب موسومہ مراۃ المبتدین بلگرام کے حالات میں تصنیف کی - اگرچہ اُنھوں نے بھی سنی ہوئی اور قیاسی باتیں لکھیں مگر جو کچھ آزاد سمدنی نے ایجاد کی وہ مراۃ المبتدین میں بھی تھیں) دوسرے اُن کے ہمعصر قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی رسالہ سجلات فی تاریخ القضات میں تحریر کرتے ہیں (و میر غلام علی زمانہ خواجہ صاحب را در عہد سلطان شمس الدین التمش نوشتہ کہ سید محمد صغریٰ و خواجہ صاحب ہردو مرید خواجہ قطب الدین دہلوی

اندو تاریخ وفات دوم شوال سنہ اثنین وثلاثین وستمائۃ نوشتہ این ہمہ اختراع وافتراست)
ترجمہ (اور میر غلام علی "آزاد" نے خواجہ صاحب در خواجہ عمادالدین" کے زمانے کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں لکھدیا اور لکھا کہ سید محمد صغریٰ اور خواجہ صاحب دو خواجہ عمادالدین" دونوں خواجہ قطب الدین دہلوی کے مرید ہیں اور وفات کی تاریخ دوسری ماہ شوال سنہ ۶۳۲ چھ سو بتیس "ہجری" لکھدی - یہ سب ایجاد اور جھوٹ ہے) بہرحال میر آزاد صاحب نے خاص واقعات کی نسبت جہاں کہیں اور مولفین کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا وہ محض اپنی قابلیت کے بھروسہ پر - ثبوت کافی اس کا کوئی نہیں ملتا -

پیر عرب و رب قدس اسرارہم

دو بزرگ ہیں - اول الذکر کا نام نہیں معلوم چونکہ عربی تھے اس لیے پیر عرب مشہور ہیں - آخر الذکر فارس کے تھے اور اصل نام داراب تھا - دونوں سردار رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف کی المدنی الگازرونی کے لشکر کے ہمراہ تھے - پہلا معرکہ جو سنہ ۶۰۹ ہجری مطابق سنہ ۱۲۱۲ ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں جوئے کلیانی "گرگیا" کو عبور کرکے راجہ سری سے ہوا اُس میں دونوں شہید ہوکر وہیں میدان جنگ میں دفن کیے گئے - مزار دونوں کے پاس پاس ہیں ایک ہی پختہ چبوترے پر جو سڑک بلگرام سے قنوج کو گئی ہے اُس کے جانب غرب اور جوی کلیانی مذکور کے جانب شمال قریب دو سو قدم کے فاصلے پر ہیں - سرہانے دونوں کے ایک ایک پتھر گڑا ہوا ہے - کثرت استعمال سے آخر الذکر کا داراب عرب کا ہموزن ہوکر درب ہوگیا اور اب دونوں عرب درب کہے جاتے ہیں -

پیر حمیر قدس سرہٗ

آپ کا نام نہیں دریافت ہوا - حمیر بکسر اوّل وسکون میم وفتح یائی تحتانی بنی سبا کے قبیلوں

میں سے ایک قبیلے کا نام ہے اور آپ اسی قبیلے سے تھے اس وجہ سے پیر حمیر مشہور ہو گئے۔ ناواقف لفظ حمیر کو بضم اوّل و فتح میم و سکون یائے تحتانی سمجھتے اور بولتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ آپ بھی رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی الکازرونی کے لشکر کے ہمراہ سرداروں میں سے تھے جب ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں جوجی کلیانی پر معرکہ ہوکر راجہ سری کی فوج پس پا ہوتی چلی آرہی تھی تو سری نگر "بلگرام" کے قریب میدان جنوبی میں شہید ہوکر وہیں مدفون ہوئے۔ اس مقام پر بارھویں صدی ہجری میں قاضی محمد احسان عثمانی نے باغ لگایا۔ جو فی زمانہ بڑا باغ کہلاتا ہے اسی کے اندر آپ کا مزار شریف آگیا ہے۔

پیر غار قدس سرہٗ

افسران لشکر اسلام سے تھے۔ قلعے کے قریب کی جنگ میں بعد پیر حمیر مذکور کے مع اپنے چند سپاہیوں کے ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں میدان بیل کے متصل شہید ہوئے اور ہنگامہ جنگ میں اپنے ساتھی شہیدوں کے ساتھ ایک ہی غار میں دفن کیے گئے۔ چونکہ آپ افسر اور بزرگ تھے اس لیے اس زمانے کے لوگوں نے بعد شہادت پیر غار کہنا شروع کیا اور اسی لقب سے مشہور ہو گئے شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ انکی کرامات اکثر لوگوں پر ظاہر ہوئیں اور وقت شہادت فرمایا تھا کہ ہمارا مزار پختہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ مزار پر کچا چبوترہ تھا۔ اکثر لوگوں کی وہاں سے حاجتیں پوری ہورہی ہیں۔ انتہٰی۔

یہ گنج شہیداں کا کچا چبوترہ میدان بیل کے متصل گوشہ شمال مغرب میں شاہراہ کے پچھم طرف چند قدم کے بعد ہی۔ خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ اور اس گنج شہیداں کے درمیان شاہراہ مذکور فاصل ہے۔ اب اس کے جنوب طرف گور غریباں اور جانب شمال ایک کھیت ملحق ہے اس کھیت کا کنواں اس کے پورب طرف ہی جسکی پٹری اس سے ملحق ہے۔ اس چبوترے کی وجہ سے اتنا کھیت ٹیڑھا کردیا گیا ہے۔

پیر جنید قدس سرہٗ

کہا جاتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسلام کے افسروں میں سے تھے قلعے کے قریب کی جنگ میں بعد پیر غار مذکور کے ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہوئے۔ مزار مبارک قلعے کے نیچے گوشہ مشرق وجنوب میں ہے۔ اس کے اور قلعے کے درمیان شاہراہ فاصل ہے۔ مزار پختہ سرہانے پتھر گڑا ہے۔ مرمت ہوتی رہتی ہے۔

پیر غیب قدس سرہٗ

آپ کا یہ عرف صفاتی معلوم ہوتا ہے جسکی وجہ نہیں دریافت ہوئی۔ افسران لشکر اسلام سے تھے قلعے کے قریب کی جنگ میں آپ بھی ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہو کر قلعے کے جانب مشرق دفن ہوئے۔ مزار پختہ سطح زمین کے برابر ہی سرہانے پتھر گڑا ہوا ہے۔ قلعے کے پاس سے جو سڑک پورب کو گئی ہے۔ اس سے ملحق اُتر کی طرف ایک چھوٹی بلاسقف مسجد کے صحن میں مزار ہے صیقلگروں کے مکان بالکل اس کے پاس ہیں۔

حضرت حاجی محمّد سالار المعروف بہ سالار ہفت حجی مکی المدنی قدس سرہٗ

آپ قوم کے شیخ عثمانی تھے نسب کا سلسلہ آگے دوسرے باب کی دوسری فصل شیوخ عثمانی شجرہ نمبر۱ میں ملاحظہ ہو۔ آپ قاضی محمد یوسف عثمانی فاتح بلگرام کے برادر یکجدی تھے جنکا ذکر دوسرے باب کی دوسری فصل میں ہوگا۔ سات حج متواتر کیے اس لیے سالار ہفت حجی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مدینہ منورہ سے تشریف لاکر بارگاہ سلطان محمود غزنوی میں مشرف وممتاز ہوئے۔ نہایت جری وجیہ اور با اقتدار بزرگ تھے۔ سلطان موصوف چونکہ ایسے بزرگوں کا قدردان و معتقد تھا لہذا

آپکو بڑی عزت و وقعت کے ساتھ سالار لشکر مقرر کیا۔ ہندوستان کے فتوحات میں آپ سلطان کے ساتھ بعہدۂ سپہ سالاری داد مردانگی و شجاعت دیتے رہے۔ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء عیسوی میں سلطان کے ساتھ معہ اپنے برادر یکجدی قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور اور پسران شیخ محمد رفیع و شیخ محمد کریم الدین کے قنوج تشریف لائے اور حسب الحکم سلطان بمعیت قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور بلگرام کی مہم پر راجہ سری کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ جب راجہ سری شکست کھا کر قلعہ بند ہوا تو آپ کے برادر قاضی محمد یوسف عثمانی نے تو قلعے کا محاصرہ کیا اور آپ نے معہ چند سرداروں غازی کمال وغیرہ کے راجہ سری کی دوسری گڑھی کا جو قلعے کے جانب شمال تھی محاصرہ کر لیا جب راجہ محاصرہ لشکر اسلام سے تنگ آکر اُتر طرف سے گڑھی کی فوج کی مدد سے اپنے اہل عیال کو پیسنر سے لیکر فرار ہو جانے کے ارادے سے نکلا تو گڑھی پر آپ کا محاصرہ پایا پھر تو راجہ اور اُسکی گڑھی کی فوج محصور کو مجبوراً سوا کٹ مرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ آخر راجہ کو دیکھکر وہ محصور فوج بھی جان پر کھیل کر نکل پڑی اور گڑھی کے میدان شرقی میں سخت مقابلہ و مقاتلہ ہوا دونوں طرف کے بہادروں نے اپنی جانیں لڑا دیں۔ جتنی لڑائیاں بلگرام کی مہم میں ہوئیں ایسی شدید جنگ کسی میں نہیں ہوئی فتح و شکست کے فیصلہ کا یہی آخری معرکہ تھا۔ راجہ اسی اثنا رجنگ میں سرداروں کو مصروف جنگ دیکھکر اپنی فوج کے ساتھ متعلقین کو پیسنر سے لیتا ہوا فرار ہو گیا اور گڑھی فتح ہو گئی۔ آپ اُسی جنگ شدید میں شہید ہو کر اپنی جائے شہادت پر مدفون ہوئے جو قتلغ پور کے نام سے موسوم ہے۔ مزار شریف ایک پزاوے کے متصل زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے ساتھ کے جو سپاہی جنگ میں کام آئے وہ اکثر آپ کے مزار کے ملحق مدفون ہیں۔ آپ کا مزار مبارک اس وقت تک نہایت شاندار بلند و پختہ قائم ہے مگر اُس کے قریب کی زمین اسقدر کٹ گئی ہے کہ مردوں کی ہڈیاں اور بعض کے پورے ڈھانچے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُس مقام کو دیکھکر عجیب عبرت معلوم ہوتی ہے۔ مزار شریف اور اس کی شان کچھ ایسی دلکش ہے کہ اُس ہو کے میدان میں وہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ کے دونوں صاحبزادے شیخ محمد رفیع و شیخ محمد کریم الدین مذکور قنوج میں متوطن و متاہل ہوئے اُن میں سے فرزند دوم شیخ محمد کریم الدین کے پوتے شیخ معین الدین بن شیخ امین الدین

بن شیخ محمد کریم الدین تو قنوج سے قصبہ پالی میں جاکر آباد ہوئے اُن کے خاندان میں بڑے بڑے ذی اقتدار قاضی۔ رئیس اور امیر ہوئے۔ پالی میں بڑے محل اور چھوٹے محل کے رئیس سب اسی خاندان کے لوگ ابتک موجود ہیں۔ اور فرزند اول شیخ محمد رفیع کی اولاد قنوج میں اسوقت تک موجود ہیں اُن کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ اور امرائے عالی وقار ہوئے تمام مسلمانان باشندگان قنوج میں سب سے اعلیٰ و افضل و ذی اقتدار لوگ اسی خاندان میں گزرے ہیں۔ وہاں کے کچھ محلے اسی خاندان کے امرا کے آباد کئے ہوئے ہیں جن میں سے احمدی ٹولہ شیخ احمدی دانشمند بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ محمد رفیع مذکور رئیس اعظم قنوج کا آباد کیا ہوا اُنہیں کے نام سے موسوم ہے۔ اس محلے میں اکثر اُنہیں کے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ اور شیخ احمدی دانشمند مذکور کے بھائی شیخ دادن کی اولاد بوجہ قرابت باہمی پالی اور بلگرام میں بھی آباد ہیں۔

واضح ہو کہ بعض علاء الدین غوری کے ہمراہ آپ کا ہندوستان میں آکر قنوج میں قیام پذیر ہونا بتاتے ہیں اور کوئی مفصل حال ظاہر نہیں کرتے مگر چونکہ بلگرام میں آپ کا مزار شریف مشہور و معروف ہے اور یہاں کی معتبر تاریخ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ (القصہ لبعد از کشش و کوشش بسیار راجہ سری تاب جنگ نیاورد و روزے از جانب شمال قلعہ خود برآمدہ رو بفرار نہادہ دراں وقت حضرت سالار ہفت جی و پیر قرآن خواں و حضرت غازی کمال پسر سید اعز الدین الحال معروف بہ لال پیر شہید گردیدند و ہمانجا مدفون گشتند و راجہ مذکور بجانب کوہ کماؤں رفت و بلگرام نزہت شعار اسلام شد) ترجمہ (القصہ بہت محنت اور کوشش کے بعد راجہ سری لڑائی کی تاب نہ لایا اور ایک دن اپنے قلعے کے اترطرف سے نکل کر بھاگ گیا اُسوقت حضرت سالار ہفت جی اور پیر قرآن خواں "حافظ محمود" اور حضرت غازی کمال پسر سید اعز الدین معروف بہ لال پیر شہید ہوئے اور اُسی جگہ دفن ہوئے اور راجہ مذکور کوہ کمایوں کی طرف چلا گیا۔ اور بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہو گیا)۔ لہٰذا تحریر شرائف عثمانی و نسب نامۂ حضرت سالار موصوف اور واقعات پر نظر کرنے سے بیان مسطور الصدر ہی صحیح اور قابل اعتبار معلوم ہوتا ہے اور قول ثانی کمزور۔

حافظ محمود قرآن خواں قدس سرہ

آپ بہت بڑے بزرگ حافظ قرآن اور خدا رسیدہ لشکر اسلام میں تھے ۔ سنہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق سنہ ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں حضرت حاجی محمد سالار ہفت جی مذکور کے ساتھ قلعے کے شمالی اور گڑھی کے شرقی میدان میں شہید ہوکر وہیں موضع قتلغ پور کی زمین میں مدفون ہوئے ۔ آپ کی قبر مبارک سے اکثر عارفوں نے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی اس سبب سے پیر قرآن خواں مشہور ہوئے ۔ پیر قرآن خواں کا بگڑا ہوا لفظ پیر خرّا کا آجکل عوام کی زبان پر جاری ہے ۔ بلگرام کی کچہری تحصیل کے پچھم طرف تھوڑے فاصلے پر جو سڑک سانڈی کو گئی ہے اُس کے دکھن سڑک سے قریب سوا سَو ۱۲۵ قدم کے فاصلے پر قبر ہے ۔ آپ کی اور اور حاجی محمد سالار ہفت جی مذکور کی قبروں کے درمیان قریب ایک سو اسّی قدم کا فاصلہ ہے

میر آزاد صاحب نے مآثر الکرام میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ فیضی اور ابوالفضل کے بھانجے شیخ عبدالصمد کتاب اخبار الاصفیا میں لکھتے ہیں کہ " ترجمہ " حافظ محمود قرآن خواں ممتاز وقت اور سرامد عصر تھے ۔ کہتے ہیں کہ جب سے وفات پائی ہر شب جمعہ کو نکتہ نیوش خداشناس اُن کے مرقد منور سے قرآن پڑھنے کی آواز سنتے ہیں ۔ اور میں نے اُن سچے لوگوں کی زبان سے سنکر لکھا ہے کہ جنہوں نے خود گوش ہوش سے سنا ہے ۔ آرام گاہ بلگرام انتھے ۔

غازی کمال قدس سرہ

آپ قوم کے سیّد تھے نسب کا سلسلہ یوں ہے ۔ سید کمال بن سید اعزالدین المعروف بہ لال پیر بن سید عثمان بن سید ابا بکر بن سید عبداللہ ابوطالب بن سید حسن فارس لقب بن سید یحیٰی ابوالحسن بن سید حسین ابوعبداللہ بن سید احمد محدث شاعر بن سید عمر بن سید یحیٰی محدث بن سید حسین بن سید ابوالحسن بن زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی

بن ابی طالب۔

آپ کے پدر بزرگوار سید اعزالدین المعروف بہ لال پیر قریہ ساوس سے جو عراق عرب میں واسط کے قریب ہی سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں آکر ممتاز ہوئے۔ اور آپ کو بھی مع اپنے برادر سید جمال اور پسر سید نصیر الدین کے سلطان مذکور کا تقرب حاصل ہوا۔ ہندوستان کے معرکوں میں اکثر آپ نے سلطان کے ساتھ کار نمایاں کیے یہانتک کہ غازی کا لقب ملا۔ ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں بحکم سلطان محمود غزنوی قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی کے ساتھ سری نگر "بلگرام" کی مہم میں تشریف لائے۔ جب راجہ سری محاصرہ لشکر اسلام سے تنگ آکر قلعے کے اُترطرف سے اپنے اہل و عیال کو پسنیر سے ساتھ لیکر بھاگ جانے کی نیت سے نکلا تو اُدھر آپ بھی حضرت حاجی محمد سالار رہفت جی مذکور کے ساتھ گڑھی مذکور کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہاں بہت سخت مقابلہ ہوا اسی میں آپ گڑھی کے نیچے شہید ہو کر گڑھی ہی میں مدفون ہوئے اور گڑھی خالی ہوگئی۔

سید شریف صغروی بلگرامی نے مراۃ المبتدین میں لکھا ہے کہ آپ بہت صالح اور اخلاق ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ بغرض طلب علم فرزندوں کو بانگرمئو میں چھوڑ کر بلگرام تشریف لائے۔ ایک روز کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کیا مسلمان بھی مقابل ہوئے۔ ان میں غازی کمال بھی شریک تھے۔ ایک کافر نے ان کے ایسا ہاتھ مارا کہ سر الگ ہوگیا یہ ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں اپنا سر لیے ہوئے شہر کی طرف آتے تھے کہ جنگ کے تماشائیوں میں سے کسی نے کہا کہ یہ آدمی تو سر ہاتھ میں لیے ہوئے آرہا ہے۔ اس کا ٹوکنا تھا کہ اسی جگہ پر آپ نے نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور گھوڑے سے اُتر کر مرگئے اور نیزے کی لکڑی سے ایک بڑا درخت پیدا ہوا۔ مزار اسی جگہ پر ہوا جو اب عیدگاہ کی پشت پر ہے۔

میر آزاد صاحب نے بھی مآثر الکرام میں اسی قول کو نقل کیا ہے لیکن مولانا غلام حسن صاحب ثمین فرشوری بلگرامی شرائف عثمانی میں سید شریف اور میر آزاد دونوں کے قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ان کا کلام افسانے سے زیادہ نہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت غازی کمال پسر حضرت سید العارفین سید اعزالدین قدس سرہٗ برادراں ڈھبہا کے بزرگوں میں ہیں اور سید اعزالدین حضرت سالار مسعود غازی کے معرکے میں شہید ہو کر گوپامئو میں اپنی جائے شہادت پر مدفون ہوئے۔ اور حضرت غازی

کمال سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب ۱۸ ھ چار سو تیرہ ہجری میں قنوج سے رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مکی المدنی الگازرونی جدّ اعلای عشیرۂ قضات عثمانی کے ہمراہ آکر بلگرام کے معرکے میں شہید ہوکے عیدگاہ کی پشت پر مدفون ہوئے جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر چڑھائی کی تھی اسی زمانے میں ان کے والد ماجد حضرت اعزالدین معروف بہ لال پیر قریہ ساوس سے جو واسط کے قریب ہی سلطان مذکور کے ساتھ ہند میں تشریف لائے۔ اور مرآۃ الاسرار و مراۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ جب سلطان الشہدا " سالار مسعود غازی " نے اطراف کو فوجیں روانہ کیں تو سید اعزالدین کو اکثر سادات کے لشکر کے ساتھ گوپامئو اور اس کے گرد و نواح کیطرف متعین فرمایا۔ سیّد مذکور وہاں نمایاں کوششیں کرکے اپنے اکثر ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔ اُن کا مرقد منورہ قصبہ گوپامئو میں ہے انتھی۔

غازی کمال کے بیٹے سید نصیرالدین مذکور کا خاندان بلگرام میں موجود رہا وہ صاحب شرائف عثمانی کے بیان کا معترف اور سید شریف و میر آزاد کے قول کا منکر پایا جاتا ہے۔ اس نظر سے ان دونوں اصحاب آخر الذکر کا کلام بیشک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ عیدگاہ کی پشت پر جو غازی کمال کا مزار بنا یا گیا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عیدگاہ قبل کی ہے اور اسکے بعد غازی کمال اسکی پشت پر مدفون ہوئے۔ ایسا نہیں کیونکہ غازی کمال ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہو کر مدفون ہوئے اور عیدگاہ مذکور قاضی محمود عثمانی نے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں مزار غازی کمال سے ملحق جانب شرق گڑھی مفتوحہ مذکورہ پر بنوائی۔ پس جو نشان مولفین نے لکھا ہے وہ عیدگاہ بننے کے بعد کا ہے۔

ملک ہادی ترمذی

آپ بھی سرداران لشکر اسلام سے تھے۔ اور سری نگر " بلگرام " کے معرکے میں شریک تھے جب راجہ سری لشکر اسلام سے مغلوب ہو کر قلعہ بند ہوا تو زیر قلعہ جانب شمال آپ ہی اپنے دستے سے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ راجہ سری ضیق محاصرہ سے تنگ ہو کر اُسی سمت سے بھاگا تھا۔ جدھر آپ محاصر تھے اُسوقت آپ ہی سے معرکہ کارزار گرم ہوا۔ بعد اُس کے گڑھی کے

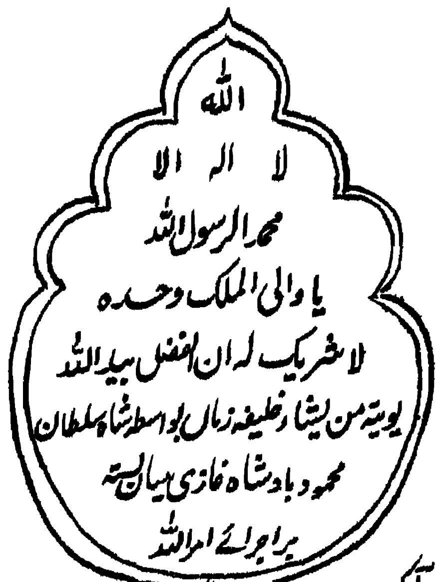
قریب حضرت حاجی محمد سالار مفت جی وغیرہ سے جو جنگ ہوئی اس میں بھی آپ شریک تھے۔ اور سردار تو شہید ہوئے جیسا کہ اوپر ان کے حال میں ذکر ہوا مگر آپ بعون اللہ تعالےٰ مظفر و منصور پھرے۔ اور بعد فتح ستی باقی ماندہ سرداروں کے برفاقت حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی یہاں مستقل قیام فرمایا۔ پائیں قلعہ جانب شمال جدھر آپ کا محاصرہ تھا وہیں مکان سکونت تعمیر کیا۔ آپ کے خاندان کی جائے سکونت وہی مقام رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد مختار دین برادر نو مسلم راجہ سری کے خاندان نے بھی آپ ہی کے قریب جانب شرق موضع بوسر سے نکل کر اپنی آبادی قائم کی۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کے بعض بزرگوں کے نام سے وہاں کے بعض محلوں بازید پورہ اور معانی ٹولا وغیرہ کا پتہ لگتا ہے جن کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا اب اس مقام پر ایک عرصہ سے سادات صغروی اور ہنود کھتریوں وغیرہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے محلہ سید واڑہ۔ کا سوپٹیہ اور کھترانا کہلاتا ہے وہاں کی اراضی کے متعلق قدیم قبالوں میں انہیں دونوں خاندان موصوف الصدر کے احفاد کے نام نظر آتے ہیں۔

جمیل

آپ غازی کمال قدس سرہ "جن کا ذکر اوپر ہوا" کے سگے بھائی تھے۔ غازی کمال کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کی حضوری میں پہنچکر فوجی خدمت پر مامور ہوئے۔ قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی کے ساتھ مع اپنے بھائی غازی کمال کے سھری نگر" بلگرام" کے حملے میں شریک تھے بعد فتح بلگرام برفاقت قاضی موصوف آپنے یہیں کی سکونت اختیار کر کے اپنی خاص قبیلے کی زوجہ منکوحہ مسماۃ تاج النساء عرف بی بی تاجن بنت سید جعفر اکبر حسینی کو بھی اپنے پاس طلب کر لیا اور پائیں قلعہ جانب مغرب خانہ سکونت تعمیر کیا۔ آپ کے اولاد نہ تھی اسوجہ سے اپنے بھتیجے نصر الدین بن غازی کمال کو متبنے کیا تھا۔ بلگرام فتح ہونیکے کے چند سال بعد وفات پائی۔

سیّد نصیر الدین

آپ غازی کمال قدس سرہٗ کے بیٹے اور سید جمال مذکور کے بھتیجے تھے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ لشکر اسلام میں شامل تھے۔ بعد فتح سری نگر" بلگرام" اپنے چچا کے ساتھ قلعے کے نیچے جانب غرب میدان میں سکونت اختیار کی۔ جب آپکی اولاد کی ترقی ہو کر وہاں آبادی کا سلسلہ بڑھا تو وہ میدان محلہ میدان پورہ کے نام سے موسوم ہوا۔ آپ کا خاندان ایک زمانہ دراز سے بلگرام میں سادات اور سادات ملا کے لقب سے مشہور ہے۔ صغیر بلگرامی نے طبقات کرام تاریخ بلگرام میں ڈھبھا کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ ہندی میں ڈھبھا اسکو کہتے ہیں جس کے پانوں کے تلوے زیادہ موٹے اور اونچے ہوں۔ آپ کے احفاد میں ایک بزرگ اسی طرح کے گزرے اور انکی اولاد سے اس خاندان کو بلگرام میں ترقی ہوئی اس لیے وہ خاندان ڈھبھا کہلایا۔ اور "ملا" کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ دادا سید اعزالدین سید سالار مسعود غازی کے معلم تھے۔ ملا محاورے میں بہت پڑھے ہوئے کو کہتے ہیں اس لیے اُن کی اولاد کے لوگ ملا کے لقب سے مشہور ہوئے اگر یہ وجہ صحیح ہے تو "ملا" کا لقب آپکے خاندان میں ڈھبھا کے لقب سے قدیم ہے واللہ اعلم۔



بعد فتح سرنگر" بلگرام" جب آپ کے دادا سید اعزالدین المعروف بہ لال پیر بحکم سید سالار مسعود غازی گوپامئو کیطرف فوج لیکر گئے اور وہاں کے معرکوں میں شہید ہوئے تو آپ نے حضرت قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی حاکم سری نگر" بلگرام" کے وسیلے سے دو فرمان حضور سلطان محمود غزنوی سے حاصل کیے جنکی رو سے سرنگر" بلگرام" اور گوپامئو دونوں مقاموں میں آپکے حقوق عطا ہوئے۔ بلگرام کے متعلق فرمان بخط کوفی کی نقل یہ ہے۔ جس پر یہ مہر ثبت ہے۔

والیان کرام متسلطۂ ولایت ہندوستان آنکہ سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف کی المدنی حاکم قصبہ سرنگر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید کہ جدم سید العارفین سید اعز الدین ہمراہ سالار مسعود غازی فی سبیل اللہ و عز شہادت یافتہ در گوپامئو مدفون گشت و پدرم سید کمال غازی نیز شہادت یافتہ در سری نگر مدفون است و عیال و اطفال ہمراہ میدارم امیدوارم کہ چیزے وجہ گزران در نگر مذکور امداد مع فرزندان مقرر شود تا درینجا بندہ مسکن خود ساختہ سکونت نماید و راجہ قنوج نیز بریں معنی برضائے خود درخواست نمود۔ دریں باب فرمان عالی شان واجب الاطاعت والاذعان از کمن لطف و احسان از درگاہ خلیفۃ الرحمن شرف نفاذ و عز اصدار یافت کہ قریہ دیوالی معمولہ سری نگر متعلقہ ضمیمہ بلدہ قنوج موازی دو ہزار ہفت صد و پنجاہ و پنج بیگہ زمین مجدد و قدیم بگز راجہ ساہی کہ دو مشت و دو انگشت مے شود و نہ صد بیگہ زمین زیر آبادانی نگر مسطور آنرا از ابتدائے فصل خریف لوئیل بسید نصیر الدین مع فرزندان مقرر و مفوض داشتہ شد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال مع فرزندان صرف مایحتاج خود مے نمودہ از قوت لایموت مطمئن بودہ بیاد الٰہی اشتغال داشتہ بسر اوقات مے نمودہ باشند و مے باید کہ عاملان و سربراہکاران و سررشتہ داران و زمینداران حال و استقبال نگر مذکور از قریہ مرقوم و از زمین تر بور لعلت مال و جہات و اخراجات و عوارضات و الی و لایت و توالعات آں و دستور زمینداری ہیچ وجہ و علتے از دوامی و درسے گاہے طمع نہ نمودہ مجوز تکالیف نگشتہ مزاحمت نرسانند و از جائے طلب سند مجدد ندارند دریں باب حسب المسطور تاکید و قدغن تمام لازم دانستہ از فرمودہ تخلف نورزند۔ تحریر فی التاریخ تسعہ خرداد ماہ الٰہی سنہ احدی وعشرین واربع مائۃ من ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مہر کی عبارت کا ترجمہ (پوجا ہوا کوئی نہیں مگر اللہ محمد اللہ کا رسول ہے' اے ملک کے مالک "بادشاہ" وہ "اللہ" اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ بڑائی اللہ ہی کی ہاتھ میں ہے جس کو چاہے دے۔ وسیلے سے زمانے کا خلیفہ شاہ سلطان محمود بادشاہ لڑائی میں کافروں کو قتل کرنے والا بادشاہ اللہ کا حکم جاری کرنے پر کمر باندھے ہوئے۔)

فرمان کی عبارت کا ترجمہ (ملک ہندوستان میں مقرر کیے ہوئے بزرگ حاکم تحریر ہو کہ سید نصیر الدین نے ایمانداروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف کی مدنی حاکم

سری نگر "بلگرام" کے ذریعے سے خدا کے پاک اور برتر سائے "سلطان محمود غزنوی" کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی کہ میرے دادا اولیا کے سردار سید اعز الدین سالار مسعود غازی کے ہمراہ خدا کی راہ پر جہاد میں شہید ہو کے گوپامئو میں دفن ہوئے اور میرے باپ سید کمال غازی بھی شہید ہو کے سری نگر بلگرام میں دفن ہیں میں جورو اور بال بچے رکھتا ہوں امیدوار ہوں کہ نگر مذکور میں میری اور میرے بال بچوں کی گزر اوقات کے لیے کوئی معاش مقرر کر دی جائے تاکہ یہاں اپنا گھر بنا کر سکونت رکھوں۔ اور قنوج کے راجہ نے بھی اس مضمون پر اپنی رضامندی سے درخواست کی۔ پس عالی شان فرمان جسکی اطاعت اور فرمانبرداری واجب ہے ازروئے لطف و احسان خدا کے خلیفہ "سلطان محمود" کی درگاہ سے جاری اور صادر ہوا کہ موضع دیوالی معمور سری نگر "بلگرام" متعلق ضمیمہ شہر قنوج دو ہزار ساتسو پچپن بیگہ کے برابر زمین قدیم حدوں کے مطابق راجہ سہائے گز سے جو دس مٹھی اور ۲۔ انگل کا ہوتا ہے اور نوسو بیگہ زمین نگر مذکور کی آبادی کے نیچے فصل خریف کے شروع سے سید نصیر الدین کے لیے مع فرزندوں کے مقرر اور سپرد کر دی گئی کہ اس کے حاصلات کو نسلاً بعد نسلٍ سال بسال مع فرزندوں کے اپنی حاجت میں صرف کر کے قائم رہنے والی خوراک سے مطمئن ہو کے خدا کی یاد میں مشغول رہ کر اوقات بسر کرتے رہیں۔ اور چاہیے کہ نگر مذکور کے عامل۔ سربراہکار۔ سررشتہ دار اور زمیندار موجودہ و آئندہ لکھے ہوئے گاؤں اور زمین سے مالک ملک اور اس کے ماتحتوں کے مال۔ اطراف۔ اخراجات حاجات اور دستور زمینداری کے سبب سے کسی طرح کوئی دام اور درم کی طمع نہ کرکے اور تکلیفوں کو جائز نہ رکھ کے دکھ نہ پہنچائیں اور کہیں سے نئی سند کی خواہش نہ رکھیں۔ اس بارے میں لکھے ہوئے کے مطابق پوری تاکید اور تقید لازم جان کے فرمائے ہوئے کے خلاف نہ کریں۔ تحریر تاریخ ۹ خرداد مطابق اساڑھ ماہ الٰہی در ماہ شمسی " ۴۲۱ھ چار سو اکیس ہجری و مطابق ۱۰۳۰ء ایکہزار تیس عیسوی"

دوسرا فرمان گوپامئو میں تین سو پچاس بیگہ پختہ زمین عطا ہونے کی بابت ہے عبارت اس کی سوائے تصریح آراضی کے سب فرمان مسطور الصدر کے مطابق ہے۔ سنہ تحریر اور عبارت مہر بھی ایک ہی اس لیے اس کی نقل بخیال طول فضول نہیں کی گئی۔ ان دونوں فرمانوں کے وجود کا ذکر

آگے دوسرے باب کی پہلی فصل اور شیوخ عثمانی کے دعوے کے ثبوت کے آغاز میں ہوگا۔

موضع دیوالی مذکور کی دو ہزار سات سو بیگہ زمین رفتہ رفتہ بذریعہ بیع وغیرہ آپ کے خاندان سے منتقل ہوتی رہی۔ آخر میں موضع مذکور کے بسوے آپکے اخلاف نے سید علی حسین ولد سید شہامت علی کے ہاتھ قاضی احمد اللہ عثمانی کے عہد میں بیچ لیے۔

آپ کی اولاد کے دونوں خاندان مذکور میں سے سادات ڈھبھا کا خاندان تیرہویں صدی ہجری مطابق انیسویں صدی عیسوی سے مفقود ہوگیا۔ اب کوئی فرد بشر اس نامی خاندان کا اولاد پسری میں نظر نہیں آتا۔ محلہ میدانپورہ کے جنوبی کنارے پر محلہ ٹکڑا کے متصل جانب غرب اس خاندان کی ایک سرا باقی ہے جو ڈھبھوں کی سرائے کہلاتی ہے اور اُس سے اس خاندان کا نام ابھی تک زبانوں پر جاری ہے۔ اور سادات ملّا کے خاندان کے کچھ لوگ ابتک باقی ہیں لیکن شہر کانپور میں سکونت رکھتے ہیں۔ افسوس کہ آپ کے خاندان کے حالات کی کوئی کتاب دستیاب نہوئی جو مفصل حال لکھا جاتا ہے۔

دوسرا باب

خاندان شیوخ عثمانی کے ذکر میں اور یہ نو فصلوں پر مشتمل ہے

پہلی فصل شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوت کے بیان میں

مسلمانوں کے جتنے خاندانوں کی قدامت بلگرام میں ثابت اور متحقق ہے منجملہ اُن کے شیوخ عثمانی کا خاندان ایسا نظر آتا ہے جسکی سکونت مسلسل اور مستقل اسوقت تک بلگرام میں موجود ہے اور اُسکے دعوے کے ثبوتوں کے مقابلے میں کسی دوسرے خاندان کے دعوے کے ثبوت بھی قابل اعتماد نہیں ملتے بلکہ تمام خاندانوں کے اکثر بزرگ اس کے دعوے کے معترف اور مسلم نظر آتے ہیں۔ لہذا پہلے اسی خاندان کا دعوی اور اُس کے ثبوت لکھکر اس کے مشاہیر کا ذکر کرتا ہوں۔ بعد اس کے جس خاندان کے دعوے کے متعلق جو ثبوت ملے ہیں اور ملینگے وہ اُس خاندان کے ذکر کے آغاز میں تحریر کرتا جاؤں گا۔

شیوخ عثمانی کہتے ہیں کہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں بلگرام کو فتح کرکے یہاں اسلام قائم کیا اور تمام بلگرام میں انکی حکومت تھی۔ قلعہ راجہ سری اور میدان بیل "جس کا ذکر پہلے باب میں ہوچکا ہے" پر اور نیز دونوں مقاموں سے لیکر چوبے کلیان کے قریب تک مسلسل ہمارا قبضہ رہا۔ اور قلعے کے دیگر اطراف کی زمین ہمارے فاتح جد اعلیٰ نے اپنے لشکر کے غازی افسروں اور سپاہیوں وغیرہ کو بعد فتح کے سکونت کے لیے تقسیم کی۔ مدتوں اُن غازیوں اور سپاہیوں وغیرہ کے خاندان اُس پر آباد رہے۔ بعدہٗ مختلف

زمانوں میں انقلاب دوران سے رفتہ رفتہ وہ زمین اکثر دیگر نو باش خاندانوں میں منتقل ہو تی گئی اور قلعۂ مذکور پر جو اوپر کوٹ کے نام سے مشہور ہے ہماری سکونت رہی اسی لحاظ سے اُسکا نام قاضی پورہ ہوا۔

قاضی عثمان احمد عرف قاضی احمد اللہ عثمانی رسالۂ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ (حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" نے سلطان محمود سبکتگیں انار اللہ برہانہٗ "اللہ اُسکی دلیل کو روشن کرے" کے عہد میں شہر گازرون سے آکر قصبۂ سرنیگر میں جو بلگرام کہا جاتا ہے قیام کیا۔ اور اُس ٹیلے پر جو شہر کے بیچ میں واقع ہے اور ہندی زبان میں اُسکو کھیڑا کہتے ہیں اپنا گھر بنایا۔ کہتے ہیں کہ اُس کھیڑے پر راجہ سری کا قلعہ تھا اور قصبۂ سری نگر راجہ کے نام سے موسوم تھا۔ جب سلطان محمود ۴۰۹ھ چار سو نو میں قنوج تشریف لایا اور قنوج کو گھیر لیا تو اُسوقت قنوج کے راجہ نے سلطان کے خوف اور شان و شوکت سے اطاعت قبول کی اور گردن باندھکے مطیع و فرماں بردار ہوا۔ چنانچہ سلطان محمود کا مہری فرمان جو لکھا گیا ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اُسوقت سے سلطان محمود غازی نے حضرت قاضی محمد یوسف کو قصبۂ سرنیگر "بلگرام" کے فتح کرنے اور احکام شرعی کے نافذ اور دین نبی کے امر و نہی "نیک کاموں کا حکم کرنا اور خلاف شرع باتوں کا منع کرنا" جاری کرنے کے لیے کافروں پر مقرر کیا اور حضرت قاضی نے سلطان کے حکم کے بموجب قصبۂ سری نگر میں غازیوں کی فوج لیکر راجہ سری والی قصبۂ سرنیگر پر حملہ کیا اور راجہ مذکور نے جو ے کلیانی پر جو قصبۂ سری نگر سے قنوج کیطرف واقع ہے مقابلہ کیا اور برابری کی تاب نہ لاکے بھاگ گیا اور گونڈے اور بہرائچ کی طرف اپنے بال بچوں سمیت جاکے آباد ہوا۔ راجہ مذکور کی اولاد گونڈے اور بہرائچ میں اسوقت موجود ہے۔ اس مضمون کا ذکر مشرح غلام حسن فرشوری نے شرائف عثمانی میں کیا ہے۔ اور حضرت قاضی نے اسلام کا ڈنکا شہر کی بلندی "قلعۂ راجہ سری" پر بجایا اور تمام کافر مغلوب۔ مطیع اور فرماں بردار ہو کر اسلام سے میل جول کے ساتھ آباد ہوئے اور حضرت قاضی فتح کے بعد مقہور "جس پر بادشاہ یا خدا کا قہر نازل ہو" راجہ کے قلعے میں قیام کرکے بلگرام کی حکومت میں مشغول ہوئے اور شرعی احکام بھی کھلم کھلا نافذ اور جاری کر دیے)

قاضی شریف احمد عثمانی اپنے رسالے میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ (حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم نور اللہ مرقدہٗ "اللہ اُنکی قبر کو روشن کرے" نے سلطان محمود غزنوی ابن امیر سبکتگین انار اللہ برہانہم "اللہ اُنکی دلیل کو روشن کرے" کے عہد میں شہر گازرون سے آکے قصبۂ سرینگر میں جسکو اب لوگ بلگرام کہتے ہیں قیام کیا اور ٹیلے پر جو شہر کے بیچ میں واقع ہے اپنا گھر بنایا۔ مشہور ہے کہ اس بلندی پر راجہ سری کا قلعہ تھا اور قصبۂ سرینگر اُس کے نام سے آباد ہوا۔ جسوقت کہ سلطان محمود غزنوی نے ممالک ہندوستان کی تسخیر کے لیے لشکرکشی کی تو حضرت قاضی یوسف حاکم نور اللہ مرقدہٗ "اللہ اُنکی قبر کو روشن کرے" سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں تشریف لائے اور حضرت سلطان نے ۴۰۹ھ چار سو نو میں قنوج کو فتح کیا اور شہر قنوج کو فتح کرنے کے بعد حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ کو راجہ سری والی قصبۂ سری نگر کے تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قاضی نے سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب مع زبردست فوجوں کے دریای گنگ کو عبور کیا اور راجہ مذکور نے اپنے قلعے سے نکل کر جوے کلیانی پر جو بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر قنوج کی طرف واقع ہے مقابلہ کیا اور لڑائی کی تاب نہ لاکر وہاں سے شکست کھاکے اپنے مضبوط قلعے میں قلعہ بند ہوا۔ حضرت قاضی نے قلعے کو گھیر لیا۔ آخر راجہ مذکور اپنے آپ میں برابری کی طاقت نہ دیکھکر مع اپنے جورو لڑکوں کے کوہ کمایوں کی طرف بھاگ گیا اور وہیں آباد ہوا۔ اور سری نگر یعنی بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے حضرت قاضی کو بلگرام کی حکومت سپرد کر دی۔ اُسوقت سے حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ اور اُن کی اولاد مقہور راجہ "جسپر بادشاہ یا خدا کا قہر نازل ہو" کے قلعے میں رہتے ہیں۔ شہر کی بلندی یعنی راجہ سری والی قصبۂ سرینگر کے قلعے میں پہلے جس نے اسلام کا ڈنکا بجایا وہ حضرت قاضی تھے۔ یہ بات راجہ مذکور کے قلعے پر قبضہ اور ملکیت سے اور نیز پرانی اور نئی سندوں سے ظاہر ہے اور سابق و حال کی سندیں بلگرام کی فتح اور قدامت راقم کے بزرگوں کی نسبت ہونے کو ظاہر کرتی ہیں)

یہ شیوخ عثمانی کا دعوی ہے جو مذکور ہوا۔ اب اس کے متعلق جو ثبوت مجھکو بہم پہنچے ملاحظہ ہوں۔ قاضی احمد اللہ عثمانی اسلام بلگرام عہد سلطان محمود غزنوی سے ہونے اور قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کے فاتح اور حاکم بلگرام ثابت ہونے کی بابت رسالہ مسجلات میں سلطان محمود غزنوی کے اس

فرمان کا حوالہ دیتے ہیں جسکی پوری نقل کتاب ہذا کے پہلے باب کی دوسری فصل میں سید نصیر الدین ابن غازی کمال قدس سرہٗ کے ذکر میں اوپر درج ہو چکی ہے۔

فی الحقیقت فرمان مذکور کے آغاز کا یہ فقرہ سلطان محمود غزنوی کی طرف سے قاضی محمدؒ یوسف عثمانی کے حاکم سرینگر "بلگرام" ہونے کا زبردست ثبوت ہے کہ (سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبہ سرینگر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید)

ترجمہ (سید نصیر الدین نے ایمان داروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبہ سرینگر "بلگرام" کے ذریعے سے خدا کے پاک اور برتر سائے "سلطان محمود غزنوی" کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی) اس فقرے میں سلطان محمود غزنوی کی طرف سے قاضی محمد یوسف کی نسبت القاب "رئیس المومنین و امیر المجاہدین" اور "حاکم سرینگر" اس امر کو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ جو خاندان اپنے بزرگوں کو جنگ سرینگر "بلگرام" میں شریک ہونیکی وجہ سے یا محض اسوقت اُن کا آنا بیان کرکے اُنہیں فاتح بلگرام ٹھہراتے ہیں اور ایک دوسرے کے بزرگوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے ساتھ آئے ہیں اُن سب میں سردار اور امیر لشکر قاضی محمد یوسف عثمانی ہی تھے اور اصل فاتح بلگرام ہونے کا سہرا اُنہیں کے سر تھا۔ باقی اور بزرگ جنکا شریک جنگ ہونا ثابت ہے اُنکی ماتحتی اور ہمراہی میں تھے۔ کیونکہ کسی خاندان کے بزرگوں کی نسبت اُن کے امیر لشکر اور فاتح یا حاکم بلگرام ہونے کا ذرا سا بھی ثبوت سوا اپنی زبانوں سے کہنے اور اپنے قلموں سے لکھنے کے اور کہیں نہیں ملتا۔

مولانا شیخ غلام حسن ثمین فرشوری نے بھی فرمان مذکور الصدر کی نقل اپنی کتاب شرالف عثمانی میں درج کی ہے اور دوسرے فرمان کا بھی ذکر کیا ہے جو تین سو پچاس[350] بیگہ پختہ زمین واقع قصبہ گوپامئو کی بابت سید نصیر الدین مذکور کو مرحمت ہوا۔ اس لیے کہ اس فرمان کے آغاز میں بھی وہی فقرہ مسطور الصدر (سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین الخ) موجود ہے۔

واضح ہو کہ فرمان مذکور الصدر سے چونکہ قاضی محمد یوسف عثمانی کی سرداری اور حکومت سرینگر "بلگرام" کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے جب ابتدائے اسلام و فتح بلگرام کے متعلق اختراع و اختلاف کا طوفان بے تمیزی برپا ہوا تو شیوخ عثمانی نے مخالفین کی لن ترانیوں کی تردید کے لیے جو

بہت سی اصلیں اور نقلیں قدیم کاغذات کی بہم پہنچائیں منجملہ اُنکے اصل فرمان سلطان محمود غزنوی بھی خاندان سید نصیرالدین مذکور سے حاصل کرکے اپنے یہاں محفوظ رکھا۔ اُس کی اور نیز دوسرے فرمان مذکور بابت اراضی گوپامئو کی مصدقہ نقلیں بھی بکری سید کرم علی صاحب پیرزادے ساکن محلہ میداپورہ "جو اصل مالکان فرمان یعنی خاندان سید نصیرالدین مذکور سے تعلق رکھتے ہیں" کے پاس محفوظ ہیں انکو بھی میں نے دیکھا۔ ان نقلوں پر ان کے مطابق اصل ہونے کی تصدیقی مہر مفتی امیرالدین احمد بن عبیداللہ کی ثبت ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تصدیق کہاں تک معتبر وصحیح ہے۔ اس لیے کہ جس فرمان کی نقل میں نے شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات وغیرہ سے پہلے باب کی دوسری فصل میں بہ تحت ذکر سید نصیرالدین کی ہے اُس سے اور اس نقل سے فرق ہے۔ اس میں تین جگہ تھوڑی تھوڑی عبارت اور پانچ الفاظ متفرق مقام کے غائب ہیں۔ اور چار لفظوں میں خفیف سا تغیر وتبدل ہے جس سے معنی میں فرق نہیں آتا۔ مگر ایک لفظ ایسا بدلا ہوا ہے جو دونوں نقلوں کے مطابق اصل ہونے کی تردید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ سنہ تحریر فرمان احدی [۴۲۱] وعشرین واربع مائۃ میں بجائے "احدی" کے "ثلث" مرقوم ہے جس سے سنہ ۴۲۳ چار سو تئیس ہو گئے۔ اور یہ صحیح نہیں ہو سکتے اس لیے کہ سلطان محمود غزنوی کی وفات سنہ ۴۲۱ چار سو اکیس کتب تواریخ سے ثابت ہے پھر سنہ ۴۲۳ چار سو تئیس میں سلطان موصوف کی وفات سے دو سال بعد کے فرمان کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اصل فرمان چونکہ خط کوفی میں تھے لہذا یہ سب فرق جو ان نقلوں میں ہوئے یہ نقل نویس سے انکو بخوبی پڑھے نہ جا سکنے کا نتیجہ اور تصدیقی مہر تصدیق کنندہ مفتی صاحب کی بے پروائی کا نشان ہے۔ جو اُنھوں نے نقلنویس کے اعتبار پر کر دی۔ اور صحیح ومعتبر نقل وہی ہے جو لائق وقابل مولفین مذکورۂ بالا نے خود اصل فرمان سے اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ بہرحال (قاضی محمد یوسف حاکم قصبۂ سرنگر) ہر نقل میں موجود ہے اس میں کہیں اختلاف نہیں۔ اور یہی اتنا جملہ فرمان بھر میں شیوخ عثمانی کے دعوے کا ثبوت ہے۔

ان فرامین مذکور الصدر سے قبل کے ایک فرمان کا اور بھی پتا لگتا ہے جو راجہ سری کے بھائی مختار دین نومسلم کے حق میں ہے۔ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ "ترجمہ" راجہ سری کے بعض بنی اعمام بلگرام سے پانچ کوس موضع پوسر میں رہتے تھے۔ جب قاضی محمد یوسف نے سرنگر

کو فتح کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا تو وہ قاضی موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اگر حضرت کی توجہ سے ہماری آبائی زمینداری سلطان کے حضور سے ہمارے واسطے مقرر ہو جائے تو ہم مسلمان ہوتے ہیں اور خراج ادا کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ چنانچہ حضرت قاضی نے اُن کی درخواست منظور کی اور راجہ سری کا بھائی اُن کی خدمت میں حاضر ہو کے مسلمان ہو گیا۔ حضرت قاضی نے یہ حال سلطان کو لکھا۔ سلطان نے نہایت خوش ہو کے بلگرام کی حکومت حضرت قاضی کو مفوض فرمائی اور راجہ کے بھائی کو مختار دین خطاب بخشا اور فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت قاضی کی خدمت میں رہ کر خاطر جمع سے رہے۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا اختیار دین باپ کے دستور پر جان و دل سے مطیع و فرمانبردار رہا انتہے۔

واضح ہو کہ جو فرمان برادر راجہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے اُس کی پوری نقل نہیں - صرف اتنا مضمون ہی شرائف عثمانی میں ہے (کہ در خدمت حضرت قاضی بودہ بخاطر جمع پرداختہ باشد) ترجمہ (حضرت قاضی "محمد یوسف گازرونی" کی خدمت میں رہکر خاطر جمع سے بسر کرے) غالباً وہ فرمان ۴۱۰ھ چار سو نو یا دس ہجری میں بعد فتح بلگرام کے لکھا گیا ہو گا۔ اُس کی بابت مدعیان مخالف کہہ سکتے ہیں کہ جب اُس کی نقل اور تاریخ وغیرہ کا پتا نہیں تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ اور فرمان صحیح ہے یہ اُن کا کہنا بصورت مدعیان مخالف بجا ہو سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی غور و انصاف کرنا چاہیے کہ وہ اپنے اپنے دعووں کے ثبوتوں کو ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے اپنے قلم سے تحریر کیے ہیں اور دوسروں نے بلکہ بعض اُنہیں کے خاندان کے بزرگوں نے اُنکو نہیں تسلیم کیا بلکہ اُلٹی تردید کی ہے جسکو میں نے اپنی کتاب میں موقع موقع پر مفصل تحریر کر دیا ہے۔ یہ واقعہ اور فرمان سلطانی کا خلاصہ مضمون مقوس بالا دوسروں کی طرح خود اپنی "شیوخ عثمانی کی" تحریر نہیں بلکہ ایک مدعیان مخالف کے خاندان کا عالم شخص لکھ رہا ہے اس لیے یہ ضرور صحیح سمجھی جانیکے قابل ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی مخالفین کی خود رقم کردہ تحریروں سے تو اس کا پایہ برتر ہونے میں کوئی تامل نہیں۔ علاوہ اس کے سلطان محمود غزنوی کے جس فرمان اصلی کی پوری نقل مع مہر بادشاہی و تاریخ تحریر سید نصیر الدین کے حال میں درج ہوئی اور اُسکی نقلوں کا ذکر بھی اوپر ہو چکا ہے وہ خود اس فرمان کا موید ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت یہ فرمان پہلے لکھا گیا اور اُسی وقت بلگرام کی حکومت حضرت قاضی کو مفوض فرمائی گئی اور جس فرمان کی پوری نقل پیش کی جا چکی ہے وہ اس کے بعد کا ہے جس میں حکومت بلگرام حضرت قاضی کو مفوض ہونے کا ثبوت بیّن فقرہ (قاضی محمد یوسف بکی المدنی حاکم قصبۂ سری نگر) میں ملتا ہے۔

شرائف عثمانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی بہت بڑی ناموری کا کام کرتا یا بڑی قدر و منزلت حاصل کرتا ہے تو اُس کے عہد کے بھاٹ ہندی زبان میں بطریق نظم و نثر کچھ تصنیف کر کے پڑھتے ہیں جسکو برو ا کہتے ہیں - یہ رسم بلگرام میں قدیم سے ابتک جاری ہے ازانجملہ حضرت قاضی کی مدح کا برو ایہ اشتر سال بیری بنو اس رندھ کار کا جے جگ جوت لوبھی ماتھے گج انکس -

ترجمہ - دشمن کو ویران کر کے جلاوطن کر دینے والا - تاریکی دور کرنیکے لیے آفتاب - لالچی کے یے ہاتھی کے ماتھے پر انکس کے مثل ہے - اور راجہ کے بھائی کو جب حضرت قاضی نے مسلمان ہونے پر سرفراز فرمایا تھا اور سلطان کی طرف سے اُس کو مختار دیں کا خطاب اور فرمان حاصل ہوا تھا تو اُسکی مدح میں یہ بروا کہا گیا تھا برو ا رن بیٹھ گاجے سبھا بیٹھ راجے جو کوئی دین اسلام کو نہ چھاجے تا پر مختار دین کو تاجنا باجے - (ترجمہ) رزمگاہ میں گرجنے والا مجلس میں رونق دینے والا - جو کوئی دین اسلام کی موافقت نہ کرے اُس پر مختار دین کا تازیانہ لگایا جائے

علاوہ اس کے اور بھی کاغذات قاضی محمد یوسف مذکور کے عہد کے نظر آتے ہیں جن میں اُن کے نام کا طغرا بخط ولایت اُن کے دست و قلم خاص سے ہی - اُن کا ذکر آگے حضرت قاضی موصوف کے حال میں ہوگا - غرضکہ جو ثبوت لکھے گئے اور آیندہ اپنے موقعوں پر لکھے جائینگے اُن سے قاضی محمدؐ یوسف کی حکومت بلگرام میں صاف ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہے کہ وہ منجانب سلطان محمود غزنوی اپنے آپکو ڈنکے کی چوٹ حاکم سری نگر لکھتے تھے - اب راجہ سری کو شکست دیکر بلگرام میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کا واقعہ - اسکی نسبت جہاں تک بلگرام کی تالیفات مجھکو بہم پہنچیں کسی میں اسکی تردید نہیں ملی - بعض نے اپنے جد اعلی کو فاتح بلگرام بنانے اور اسکے ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش ضرور کی مگر شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوتوں سے چشم پوشی کر گئے -

یہ بات قابل غور ہے کہ ہر مدعی ایک دوسرے کی تردید کرتا نظر آتا ہے مگر شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوتوں کی تردید کے بجائے تائید نظر آتی ہے۔

اب میں علاوہ شیوخ عثمانی کے دوسرے خاندان کے بزرگوں کی تحریریں حرف بحرف نقل کرتا ہوں جنہوں نے اپنی تالیفات میں شیوخ عثمانی سے بھی زیادہ اُنکے جدِ اعلیٰ قاضی محمد یوسف مذکور کے راجہ سری کو شکست دیکر سری نگر "بلگرام" کو فتح کرنے اور اسلام قائم کرکے خاص مقامات اپنے قبضۂ و دخل میں لاکر قلعۂ مفتوح کے تین اطراف مشرق و مغرب شمال میں اپنے ہمراہیان شرفا و نجبا وغیرہ کو آباد کرنے اور اُن کے اعزاز خاندانی وحکومت وغیرہ کا حال مفصل تحریر کیا ہے۔

میر نوازش علی رضوی الملقب و المشتہر بملک زادہ ساکن محلہ ملکنٹھ اپنی تالیف کتاب تذکرۃ الکرام تاریخ اسلام بلگرام میں لکھتے ہیں (القصہ جد اعلای مجموع قضات عثمانیہ قاضی محمد یوسف گازرونی ہمرکاب لشکر ظفر پیکر سلطان محمود غازی غزنوی در قنوج آمدہ سلطان قنوج را مفتوح ساختہ بعد نظم و نسق آں محال فوجے بسرکردگی و سرداری او باین روئے گنگ جہت تسخیر قصبۂ سرنیگر کہ الحال بلگرام مشہور است فرستادہ۔ راجہ سری فرار شدہ و پرگنۂ بلگرام یعنی پرگنہ سرنیگر بے مقابلہ و مقاتلہ مفتوح شدہ نزہت شعار اسلام گردید و بجاے نالہ ناقوس بانگ اللہ اکبر بلند شدہ سلطان محمود غازی غزنوی قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی را کہ ہمرکاب لشکر ظفر پیکر بود بحلیہ علم و فضل آراستہ و پیراستہ منصب جلیل القدر قضای سری نگر عطا فرمودہ و فرمان قضا بنام نامیش مرقوم شدہ و بشوکت تمام بر مسند قضای سرنگر اجلاس دادہ حاکم سرنیگر خواند از اں دور و عہد خدمت قضائے بلگرام ظہراً بعد ظہر و نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن در فرزندان قاضی محمد یوسف عثمانی است کسے دیگر از شرفائے شہر یا غیر محال قاضی بلگرام نشد مگر در عہد اکبر بادشاہ قریب بست سال شیخ الہداد شوری قاضی بلگرام ماندہ انشاء اللہ تعالےٰ بیشتر تفصیل ایں رقم زدہ کلک بیاں خواہد شد الحال اثبات قضائے قاضی محمد یوسف مقدم دانستہ بہ تشریح و تحقیق آں قلم را سر میدہد۔ موید ایں حال و مثبتہ صدق ایں مقال صکوک اند بمہر و سجلات و طغرائے قاضی محمد یوسف در فرزندان او و از خانۂ شرفائی متقدمین بلگرام بر آمدند و محرر اوراق بچشم خود دیدہ۔ قاضی احمد اللہ جہت اثبات قدامت آبائی و قضا آں سجلات را از دست فرزندان مشل محب اللہ و سید کمال احمد و پسرش سید خیرات حسین ملقب بہ ڈھبہا ساکن محلہ میدانپورہ و محمد دائم

شریف ولد کرم اللہ شریف ساکن محلہ منگشہ بعض اصل و بعض نقل بدست کردہ پیش خود نگاہ داشتہ و اکثر بزرگان شہر نیز دیدہ اند و الآنہ آں اسناد پیش قاضی موجود اند از ہمہ عبارت صکوک کاری نیست مگر سنہ و طغرای سجلات نوشتن دریں مقام مناسب دانستہ مرقوم نمودہ تا کسے افترا و اختراع مولف رسالہ بپاس خاطر عشیرۂ عثمانیان خیال نکند و گمان و ظن بر کذب نہ نماید چراکہ احقر را از قدامت و حداثت کسے کار نیست اخوت وطنی و دینی باہمہ یکساں میدارد و مردم ہر محلہ را بزرگ و بزرگ زادہ و مہتر و بہتر میداند اما انچہ نفس الامر و حق است و آں را پوشیدہ نمی تواند کرد از گفتن و نوشتن آں مجبور و ناچار است و آں این ست صکوک ماضیہ لطغرا و سجل قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کہ او کیست کہ اول قاضی سرنیگر شد از محلہ میدانپورہ از خانۂ سید محب اللہ ڈھبا قطعۂ تملیک نامہ برآمدہ مرقوم رابع جمادی الاول سنۂ احدی عشرین و اربع ماتہ ۔ عبارت طغرای سجل این است ۔ اقرا لوکیل بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم لقصبۂ سرنیگر ۔ غرضکہ آنچناں اسلام قوت گرفت کہ بعد یازدہ سال از آبادی مسلمین در سرنیگر بیع و شرا رواج گرفت ۔

ایضاً ۔ سجل دیگر لطغرای قاضی یوسف ہذا از خانۂ سید خیرات حسین بابت بیعنامہ برآمدہ تحریر فی الخامسہ من شہر جمادی الاوّل سنہ ثمان و ثلثین و اربع ماتہ عبارت طغرا این است اقر المقرہ بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم لقصبۂ سرنیگر ۔ وسوای ازیں چند قطعہ کاغذ شرعیہ از خانۂ محمد دائم شریف بن کرم اللہ شریف از سجلات فرزندان قاضی یوسف ہذا برآمد سنہ و عبارت طغرای آں سجلات نیز بہ تحریر مے آید تا کہ زمانۂ اوشاں دریافت اہل خبرت و بصیرت گردد و کذب و صدق عشیرۂ شیوخ فرشوری دریافت شود ۔ قاضی کمال بن ظہیر الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد فی السابع و العشرین من شہر شعبان عمہ میامنہ سنہ اربع و ثلثین و ستماتہ ایضاً دیگر سجل لطغرای قاضی معروف بن کمال بن ظہیر الدین مرحوم تاسع عشر من شہر جمادی الاولیٰ سنہ ثلاث و ستین و ثمانماتہ و دیگر سجل برآمدہ لطغرای قاضی عبد الکافی بن قاضی یوسف ثانی بن قاضی شمس الدین بن قاضی یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد تحریر فی التاریخ تاسع عشر جمادی الآخر سنہ ثلاث عشرین و ثمانماتہ) ترجمہ (القصہ تمام عثمانی قاضیوں کے جداعلیٰ قاضی محمد یوسف گازرونی سلطان محمود غازی غزنوی کے فتحمند لشکر کے ساتھ قنوج میں آئے ۔

سلطان نے قنوج کو فتح کرکے وہاں کے انتظام کے بعد انکو ایک فوج کا افسر اور سردار کرکے گنگا کے اس طرف قصبہ سرینگر کو جواب بلگرام مشہور ہے تابع کرنے کے لیے بھیجا - راجہ سری بھاگ گیا اور پرگنہ بلگرام یعنی سرینگر بغیر مقابلے اور کشت و خون کے اسلام کی پاک جگہ ہو گیا اور سنکھ کی آواز کے بجائے اللہ اکبر "اللہ بہت بڑا ہے" کی آواز بلند ہوئی - سلطان محمود غازی غزنوی نے قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کو جو فتحمند لشکر کے ساتھ اور علم و فضل کے خلعت سے آراستہ اور درست تھے سرینگر "بلگرام" کا جلیل القدر عہدہ قضا عطا فرمایا اور فرمان قضا اُن کے نام تحریر کرکے نہایت شوکت سے سری نگر "بلگرام" کی مسند قضا پر بٹھا کر سرینگر کا حاکم کیا - اُس زمانے سے قضائے بلگرام کی خدمت قاضی محمد یوسف عثمانی کے فرزندوں میں پشت بہ پشت مسلسل ہے - شرفائے شہر یا دیگر مقامات میں سے کوئی دوسرا شخص بلگرام کا قاضی نہیں ہوا لیکن اکبر بادشاہ کے عہد میں شیخ الہداد فرشوری بیس سال کے قریب بلگرام کے قاضی رہے اگر خدا نے چاہا تو اسکی تفصیل اچھی طرح لکھی جائیگی - اسوقت قاضی محمد یوسف کے قاضی ہونے کا ثبوت مقدم جان کر اسکی تشریح اور تحقیق میں قلم اٹھاتا ہوں - اس حال کے مؤید اور اس بات کی دلیل قاضی محمد یوسف اور اُن کے فرزندوں کے دستخطی اور مہری قبالے ہیں جو بلگرام کے قدیم شریفوں کے گھروں سے نکلے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے - قاضی احمد اللہ نے اپنے بزرگوں کی قدامت اور قاضی ہونے کے ثبوت کے لیے وہ قبالے محب اللہ و سید کمال احمد اور اُنکے بیٹے سید خیرات حسین ڈھبے ساکن محلہ میدانپورہ اور محمد دائم شریف ولد کرم اللہ شریف ساکن محلہ ملکنہ وغیرہ سے بعض اصل اور نقل لیکر احتیاط سے رکھ لے انکو شہر کے اکثر بزرگوں نے دیکھا ہے اور اسوقت وہ سندیں قاضی کے پاس موجود ہیں - اُن کی سب عبارت سے کچھ کام نہیں مگر قبالوں کے سنہ اور طغرے اس مقام پر مناسب جان کے لکھے تاکہ کوئی شخص مولف رسالہ "میر نوازش علی رضوی کا بہتان اور ایجاد عثمانیوں کے قبیلے کے پاس خاطر سے نہ خیال کرے اور جھوٹ کا گمان نہ کرے اس لیے کہ مجھکو کسی کے قدیم اور جدید ہونے سے کام نہیں -

وطنی اور دینی برادری سب کے ساتھ یکساں رکھتا ہوں اور ہر محلے کے بزرگ اور بزرگ زادوں کو بزرگ اور بہتر جانتا ہوں - لیکن جو بات واقعی اور درست ہی اسکو پوشیدہ نہیں کر سکتا

اس کے کہنے اور لکھنے میں مجبور و ناچار ہوں ۔ وہ قدیم قبالے قاضی محمد یوسف عثمانی گازردنی کے کے طغروں کے یہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو سری نگر" بلگرام" کا قاضی ہوا وہ کون ہے ۔ محلہ میدانپورہ میں سید محب اللہ ڈبھے کے گھر سے ایک تملیک نامہ چوتھی تاریخ جمادی الاول ۴۲۱ھ چار سو اکیس کا لکھا ہوا نکلا اُس کے طغرے کی یہ عبارت ہے ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا وکیل نے اقرار کیا لکھا اس کو داؤد کے بیٹے خالد ۔ خالد کے بیٹے عاصم ۔ عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سری نگر "و بلگرام" کے حاکم نے غرضکہ اسلام نے ایسی قوت پکڑی کہ سری نگر" و بلگرام" میں مسلمانوں کی آبادی سے گیارہ برس کے بعد شرعی طریقہ پر خرید و فروخت کا رواج ہو گیا ۔ ایضاً قاضی یوسف ہذا کے طغرے کا دوسرا قبالہ بیعنامہ کی بابت پانچویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۴۳۸ھ چار سو اڑتیس کا لکھا ہوا سید خیرات حسین کے گھر سے نکلا اُس کے طغرے کی یہ عبارت ہے ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا اقرار کرنے والی نے اقرار کیا ۔ لکھا اس کو داؤد کے بیٹے خالد ۔ خالد کے بیٹے عاصم ۔ عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سری نگر "و بلگرام" کے حاکم نے اور اس کے سوائے چند قطعہ کاغذ شرعی قاضی محمد یوسف ہذا کے فرزندوں کے دستخطی نکلے ۔ اُن کاغذوں کے طغروں کی عبارت اور سنہ بھی لکھے جاتے ہیں تاکہ عقلمند اور دانا لوگوں کو اُن کا زمانہ دریافت ہو جائے اور شیوخ فرشوری کے خاندان کا جھوٹ سچ کھل جائے ۔ قاضی کمال بن ظہیر الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد کا طغرا ستائیسویں تاریخ ماہ شعبان مبارک ۶۳۶ھ چھ سو چھتیس کا لکھا ہوا

ایضاً دوسرا قبالہ قاضی معروف بن کمال بن ظہیر الدین مرحوم کے طغرے کا انیسویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۸۶۳ھ آٹھ سو ترسٹھ کا لکھا ہوا ۔ اور دوسرا قبالہ قاضی عبدالکافی بن قاضی شمس الدین بن قاضی یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد کے طغرے کا انیسویں تاریخ جمادی الاخر ۸۲۳ھ آٹھ سو تئیس کا لکھا ہوا)

ایضاً (باید دانست کہ بعد فوت قاضی عبدالکافی پسرش قاضی محمود بجائے او بر مسند قضا نشست سنہ و سجل طغریٰ بعینہ ثبت می شود قاضی محمود بن قاضی عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم بقصبہ بلگرام فی التاریخ خامس من شہر ذلحجہ سنہ ست و سبعین و ثمانمائۃ)

ترجمہ (جاننا چاہیے کہ قاضی عبدالکافی کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے قاضی محمود الھداد بجائے اُن کے مسند قضا پر بیٹھے ۔ سنہ اور قبالے کا طغرا بعینہ تحریر کیا جاتا ہے ۔

داؤد کا بیٹا خالد ۔ خالد کا بیٹا عاصم ۔ عاصم کا بیٹا یوسف ۔ یوسف کا بیٹا شمس ۔ شمس کا بیٹا یوسف ثانی ۔

یوسف ثانی کا بیٹا عبد الکافی، عبد الکافی کا بیٹا قاضی موالہد قصبہ بلگرام کا حاکم۔ پانچویں تاریخ ماہ ذی الحجہ ۸۶۶ھ (آٹھ سو چھیاسٹھ)

واضح ہو کہ جن کاغذات کا ذکر میر نوازش علی رضوی نے کیا ہے انکا اور نیز دیگر کاغذات کا مختصر مضمون معہ تاریخ و شکل طغرا صاحبان دستخط کے حالات میں تحریر ہوگا انشاء اللہ

اب شیوخ عثمانی کے مخالف مدعی شیوخ فرشوری جن کی نسبت میر نوازش علی رضوی اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ (و سوائے ازیں چند قطعہ کاغذ شرعیہ از خانہ دائم شریف بن کرم اللہ شریف از سجلات فرزندان قاضی یوسف ہذا برآمد سند و عبارت طغرای آں سجلات نیز بہ تحریر مے آید تا کہ زمانہ اوشاں دریافت اہل خبرت و بصیرت گردد و کذب و صدق عشیرہ شیوخ فرشوری دریافت شود) ترجمہ اوپر ہو چکا۔ انہیں شیوخ فرشوری کے خاندان کے ایک محقق شخص شیخ غلام حسن متخلص بہ ثمیں فرشوری بلگرامی کی تحریر ملاحظہ ہو۔ انہوں نے شرائف عثمانی کے مطلع ثانی میں پہلے حضرت قاضی محمد یوسف کے اسلاف کی قدر و منزلت اور سلطان محمود غزنوی کا اُن بزرگوں کی خدمت میں کمال اعتقاد و رسوخ بیان کر کے لکھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا تو عمدہ اور اچھے صاحب شریعت و طریقت اصحاب کو جا بجا قائم کر کے خراج لیا اور اسلام کو رائج کیا چنانچہ شیخ علی بن عثمان بن علی الجلال الغزنوی کو جنکی کنیت ابو الحسن اور ہندوستان میں پیر علی حضری مشہور ہیں لاہور میں طلب کیا وہ لاہور گئے اور اُن کے مقدم کی برکت سے وہاں اسلام قائم ہوا۔ وہیں انہوں نے وفات پائی اس کے بعد لکھتے ہیں (ہمیں قسم حضرت قاضی را کہ عمدۂ ولایت بود رئیس المومنین و امیر المجاہدین گردانیدہ بحکومت بلگرام مامور فرمودہ و حضرت قاضی با جماعت مسلمانان و افواج دین داران عبور دریائے گنگ نمودہ بہ بلگرام کہ سری راجہ والی آنجا بود و بلگرام را سری نگر میگفتند وارد شدہ بجنگ پرداخت و گویند کہ راجہ از قلعہ برآمدہ بر لب جوئے کہ بفاصلہ یک نیم کروہ از بلگرام جانب قنوج واقع است و جوئے کلیانی نام دارد بمقابلہ جنگ قائم شد و جنگے عظیم در پیش آمد۔ چنانچہ حضرات پیر عرب و پیر حمید و پیر غار و پیر غیب شہید شدند و مزار ہر یک شہدا مستشہد این معنی است کہ تا ایندم موجود و زیارت گاہ ہر خاص و عام است۔ آخر الامر راجہ مذکور تاب جنگ نیاوردہ در قلعہ کہ بر بلندی تمام است متحصن شد و کفار پرگنہ از چہار طرف بمدد راجہ مے آمدند حضرت قاضی بقلعہ چسپیدہ و لشکر را جانب شرقی و شمالی شہر مخیم ساخت و یک خیمہ خود متصل موضع چاندپور کہ آمد و شد کفاران بیگر بیشتر

ازاں طرف است نیز برپا ساختہ بود وچند ماہ کہ راجہ مذکور متحصن بود آنجا باغ حضرت قاضی ترتیب دادہ والحال
آنجا محلہ سلہڑا آبادان است و مرقد قاضی شمس الدین خلف حضرت قاضی بر چبوترہ پختہ الآن ہمانجا است چنانچہ از
بعضے اسناد معلوم می شود کہ بندگی قاضی عبدالدایم عثمانی و فرزندان شان آں باغ را بسید عبدالواحد مرحوم
کہ از مشائخ کبار وقت و اکمل زمانہ بودند و فرزندان آں مرحوم را ہبہ نمودہ اند۔ القصہ بعد کشش وکوشش
بسیار راجہ سری تاب جنگ نیاورد روزے از جانب شمال قلعہ خود برآمدہ رو بفرار نہادہ درآں وقت حضرت
سالار مفت حجی و پیر قرآں خواں وحضرت غازی کمال پسر سید اعزالدین الحال معروف بہ لال پیر شہید گردیدند
و ہماں آنجا مدفون گشتند و راجہ مذکور بجانب کوہ کماؤں رفت و بلگرام نزہت شعار اسلام شد ومن بعدش
حضرت قاضی درقلعہ راجہ مذکور رحل اقامت خود انداختہ وہمراہیان حضرت قاضی مثل سید نصیر الدین
بن حضرت غازی کمال شہید و شریفاں و ترکمانان و اخواتان و ملک ہادی ترمذی جد ملک بازید وغیرہ شرفا
وبجابجا جانب شرق وغرب و شمال قلعہ مفتوحہ آباد شدند چنانچہ الآن اولاد آنہا آباد وموجود اند وحضرت قاضی
وقت محاصرۂ قلعۂ مذکور ملک ہادی مذکور را جانب شمال قلعہ مذکور تعین فرمودہ بود وہماں انجا ملک ہادی
ترمذی مذکور سکونت نمود۔)

ترجمہ (اسی طرح حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" کو جو ولایت کے عمدہ لوگوں میں سے تھے ایمانداروں
کا رئیس اور جہاد کرنے والوں کا سردار کر کے بلگرام کی حکومت عطا فرمائی اور حضرت قاضی مسلمانوں کی
جماعت اور دین داروں کی فوجوں کے ساتھ دریائے گنگا کو عبور کر کے بلگرام میں "کہ سری راجہ وہاں
کا مالک تھا اور بلگرام کو لوگ سرینگر کہتے تھے" آکر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ کہتے ہیں کہ راجہ قلعے سے
نکلکر ندی کے کنارے پر جو بلگرام سے قنوج کی طرف ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کا نام
جوئے کلیان ہی لڑائی کے لیے مقابلہ پر جما اور بڑی لڑائی ہوئی۔ چنانچہ حضرات پیر عرب۔ پیر حمیر۔ پیر غار
اور پیر غیب شہید ہوئے۔ سب شہیدوں کے مزار اس بات کے شاہد ہیں جو اس وقت تک موجود ہیں
اور ہر خاص وعام کی زیارت گاہ ہیں۔ آخر راجہ مذکور لڑائی کی تاب نہ لاکر قلعے میں جو بہت بلندی پر ہیں
قلعہ بند ہوا۔ پرگنے کے کافر چاروں طرف سے راجہ کی مدد کو آتے تھے۔ حضرت قاضی نے قلعہ کو گھیر کے شہر
کے پورب اور اتر جانب لشکر کے خیمے لگا دیے۔ اور اپنا ایک خیمہ موضع چاند پور کے متصل بھی کہ سنگر کے
کافروں کی آمد و رفت اس طرف سے زیادہ ہی لگا دیا تھا۔ راجہ چند مہینوں تک قلعہ بند رہا تو اس جگہ

پر حضرت قاضی نے ایک باغ لگا دیا[1]۔ اب اُسی جگہ محلہ سلہڑا آباد ہے اور حضرت قاضی کے بیٹے قاضی شمس الدین کا مزار اُسی جگہ پختہ چبوترے پر اسوقت موجود ہے۔ چنانچہ بعض سندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بندگی قاضی عبد الدائم عثمانی اور اُن کے فرزندوں نے وہ باغ سید عبد الواحد مرحوم "جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ و کامل تھے" اور اُن مرحوم کے فرزندوں کو ہبہ کر دیا ہے۔ القصہ بہت سختی اور کوشش کے بعد راجہ سری لڑائی کی تاب نہ لایا اور ایک دن اپنے قلعے کے اتر طرف سے نکل کے بھاگ گیا۔ اُس وقت حضرت سالار ہفت جی۔ پیر قران خواں اور سید اعز الدین معروف بہ لال پیر کے بیٹے حضرت غازی کمال شہید ہو کر اُسی جگہ مدفون ہوئے اور راجہ مذکور کوہ کمایوں کیطرف چلا گیا۔ اور بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت قاضی نے راجہ مذکور کے قلعے میں خود قیام کیا اور اُن کے ساتھی سید نصیر الدین بن حضرت غازی کمال شہید۔ شریف۔ ترکمان۔ پٹھان اور ملک بازید کے دادا ملک ہادی ترمذی وغیرہ اور شریف واصیل لوگ فتح کیے ہوئے قلعے کے پورب پچھم اور اُتر جانب آباد ہوئے۔ چنانچہ اسوقت ان کی اولاد آباد و موجود ہیں حضرت قاضی نے قلعہ مذکور کے محاصرے کے وقت ملک ہادی ترمذی مذکور کو قلعہ کے اُتر جانب مقرر فرمایا تھا اسلیئے ملک ہادی ترمذی مذکور نے وہیں سکونت اختیار کی

یہاں ایک خاص اور قابل غور بات یہ ہے کہ واقعہ نگار کی تحریر مسطور الصدر میں باوجود اُس کے فرشوری ہونیکے جن اپنے جد اعلیٰ شیخ محمد فقیہ فرشوری کو اور فرشوریوں نے فاتح بلگرام بیان کیا ہے "جیسا کہ اُن کے دعوے اور ثبوت کی فصل میں تحریر ہوگا" اُن کا نام کہیں قاضی محمد یوسف کے ہمراہیوں میں بھی نہیں آیا۔

ایضاً۔ الغرض حکومت و ریاست حضرت قاضی ازاں وقت الآن نسلاً بعد نسلٍ شدہ آمدہ وہم ازاں وقت آبادی حضرت قاضی و اولاد در قلعہ مذکور است و ہنوز خدمت قضا و احتساب دریں عشیرہ

---

[1] یہ امر محقق ہے کہ یہاں پر راجہ سری کا باغ تھا۔ اسی کے متصل قاضی صاحب موصوف نے بہت بڑا باغ نصب کیا۔ مگر چندماہ راجہ سری کے قلعہ بند رہنے کے زمانے میں جبکہ جنگ اور فتح قلعہ کی فکر درپیش تھی ایک عظیم الشان باغ کا ترتیب دینا تعجبات سے ہے۔ اسوقت باغ لگانے کا کونسا موقع تھا۔ ایسے کام تو دلجمعی اور اطمینان میں ہوتے ہیں۔ پس تحقیق مقام یہ ہے کہ بعد فتح بلگرام اور تسلط کے یہ باغ لگایا گیا۔

علاقہ دارد)

ترجمہ (الغرض حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" کی حکومت اور ریاست اُسوقت سے ابتک پشت بہ پشت چلی آتی ہے اور اُسی وقت سے حضرت قاضی اور اُن کی اولاد کی آبادی قلعہ مذکور میں ہے اور ابھی تک قضا اور احتساب کی خدمت اس خاندان کے متعلق ہے۔)

ایضاً (قلعہ راجہ سری والی سری نگر را حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ بعد قتال و جدال بسیار بدست آوردہ و در آں مسکن خود ساختہ چنانچہ سابق ذکرش گزشتہ و ازاں روز اسم آں قاضی پورہ گردید و در اسناد نیز قاضی پورہ مے نویسند الآں اولاد حضرت قاضی نور اللہ مرقدہٗ در آں مسکن میدارند و قاعدۂ کلی ست و رسم قدیم کہ ہر افسری برائے قلع و قمع متمردی لشکر میکشد و چوں در اتنبیہ و تعذیب نماید مسکن خاص او را زیر تصرف و آبادی خود مے آرد۔ بحیرتم کہ اگر قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ قلعہ سرینگر را مفتوح نہ ساخت و بدست خود نیاوردہ چرا قلعہ مذکور کہ مسکن خاص راجہ مذکور راست رحل اقامت انداختند چنانچہ ہنوز اولاد آنحضرت قاضی بدستور در آں مسکن دارند۔ و قطع نظر اگر اسلام بلگرام در عہد سلطان محمود غزنوی نگردیدہ چرا اسناد عہد محمود غزنوی و اولادش بطغرائی قضات آں وقت و بگواہی روسا و قدمائے دیگر از خانہائے روسا و قدمائے بلگرام برآمدند تقریر یست مدلل و راست و تحریر یست مکمل و درست بر صدق و راستی فقرات و مقال بالا)

ترجمہ (سری نگر کے مالک راجہ سری کے قلعے کو حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" نے بہت لڑائی اور کشت و خون کے بعد حاصل کر کے اپنا مسکن بنایا جیساکہ اوپر ذکر ہوا اور اُسی دن سے اس کا نام قاضی پورہ ہوا اور سندوں میں بھی قاضی پورہ لکھتے ہیں۔ حضرت قاضی "خدا انکی قبر کو روشن کرے۔" کی اولاد ابتک اُس میں سکونت رکھتی ہے اور یہ کلی قاعدہ اور قدیم رسم ہے کہ جو افسر کسی سرکش کو تباہ و برباد کرنے کے لیے لشکر کشی کرتا ہے اور جب اُسکی تنبیہ اور سزا کر چکتا ہے تو اُس کے خاص مسکن کو اپنی آبادی اور تصرف میں لاتا ہے مجھے حیرت ہے کہ اگر قاضی حاکم "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" سری نگر کے قلعہ کو فتح کر کے اپنے قبضہ میں نہیں لائے تو قلعہ مذکور میں جو راجہ مذکور کا خاص مسکن ہے۔ کیونکر اپنی سکونت قائم کی کہ ابتک اُن حضرت قاضی کی اولاد بدستور اُسی میں سکونت رکھتی ہے۔ اور قطع نظر اس سے اگر بلگرام کا اسلام سلطان محمود غزنوی کے عہد میں نہیں ہوا تو محمود غزنوی اور اُس کی اولاد کے وقت کی سندیں اُسوقت کے قاضیوں کے طغروں اور

اور دیگر قدیم رئیسوں کی گواہیوں سمیت بلگرام کے قدیم رئیسوں کے گھروں سے کیونکر نکلیں۔ یہ اوپر کے فقروں اور گفتگو کی سچائی کی مدلل اور سچی تقریر اور مکمل و درست تحریر ہے۔)

ایضاً (حقیقت حال این کہ حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ قلعہ راجہٗ مذکور را بموجب حکم حضرت سلطان محمود غزنوی در سنہ تسع و اربع ماتہ بزور شمشیر فتح کردہ بشوکت و دبدبہ تمام در آں مسکن خود نمودہ والآں اولاد حضرت قاضی در آں مسکن دارند)

ترجمہ (حقیقت حال یہ کہ حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم "خدا انکی قبر کو روشن کرے" نے راجہ مذکور کے قلعہ کو سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب ۴۰۹ھ چار سو نو میں تلوار کے زور سے فتح کر کے بڑے دبدبہ اور شوکت کے ساتھ اس میں اپنی سکونت کی اور حضرت قاضی کی اولاد ابتک اُس میں رہتی ہے)

ایضاً (خلاصہ آنکہ حضرت قاضی حاکم سری نگر نور اللہ مرقدہٗ و اولاد آنحضرت بسا آراضی سکنی آباد و غیر آباد قصبہ بلگرام طالبان و خویش باشان را مرحمت فرمودند و حضرت قاضی صاحب طبل و علم و مقرب الحضرت خواقین غزنویہ بود و نیز اولاد آنحضرت قاضی از قدیم اہل دول و صاحب منصب و جاگیرات و صوبجات و صاحب فیلاں و صاحب علم و نوبت و مقرب الحضرت خواقین شدہ آمدہ اند و در بلگرام انچہ سخاوت و شجاعت و امارت و ایالت شدہ است در ہمیں دودمان ذوی الاحترام گردیدہ و کسے ساکنان بلگرام را این چنیں مرتبہا حاصل و میسر نگشتہ و در تمامی اطراف و اکناف کہ شہرہ سخا و جود و شجاعت اہل بلگرام مشہور است باعث این نام آوری ہمیں دودمان ست و ذکر جملہ سرداران این دودمان سابق تعلیم آمدہ است کہ تمامی جوار قریبہ و بعیدہ از بنگالہ تا گجرات و کابل و قندھار و خاندیس و برار از دست جود این ہمہ بزرگان فیضیاب شدہ تا بمردم بلگرام و جوار آں چہ رسد اول کسیکہ کوس اسلام بر بلندی شہر یعنی در قلعہ راجہ سری والی قصبہ سرینگر نواخت حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ بود۔ پس قدامت و حکومت و حکومت و ریاست حضرت قاضی و اولادش از عہد سلطان محمود غزنوی اظہر من الشمس است)

ترجمہ (خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قاضی محمد یوسف" حاکم سرینگر "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" اور اُن حضرت کی اولاد نے قصبہ بلگرام کی بہت سی آباد و غیر آباد زمین مانگنے والوں اور رشتے آ کے وہ پڑنے والوں کو مرحمت فرمائیں حضرت قاضی صاحب طبل و علم اور بادشاہان غزنویہ کی درگاہ کے

مقرب تھے اور اُن حضرت قاضی کی اولاد بھی بہت دولت مند۔ منصبوں ۔ جاگیروں ۔صوبوں ۔ نشان نقاروں ۔ اور ہاتھیوں کی مالک اور بادشاہوں کی درگاہ میں برابر مقرب ہوتی چلی آئی ہے اور بلگرام میں جو کچھ سخاوت ۔ بہادری ۔ امیری اور سرداری ہوئی ہے اسی معزز خاندان میں ہوئی ہے۔ ساکنان بلگرام میں سے کسی کو ایسے مرتبہ حاصل اور میسر نہیں ہوئے ۔ اہل بلگرام کی سخاوت بخشش ۔ اور بہادری کا جو شہرہ چاروں طرف ہے اس ناموری کا باعث یہی خاندان ہے ۔ ان سب سرداروں کا ذکر پہلے لکھا جا چکا ہے ۔ کہ نزدیک دور بنگالے سے گجرات ۔ کابل ۔ قندھار ۔ خاندیس اور برار تک ان سب بزرگوں کی بخشش سے فیضیاب ہوا بلگرام اور اُس کے پڑوس کا کیا ذکر ۔ شہر کی بلندی یعنی راجہ سری نگر کے قلعے میں پہلے جس نے اسلام کا ڈنکا بجایا وہ حضرت قاضی حاکم ”خدا اُن کی قبر کو روشن کرے“ تھے پس حضرت قاضی اور اُن کی اولاد کی قدامت ۔ حکومت اور ریاست سلطان محمود غزنوی کے عہد سے آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے ۔)

ایضاً (اگر گویم حضرت قاضی یوسف جد اعلائے عشیرۂ قضات حاکم بلگرام بودہ وبنائے قلعہ نہادہ روا بودہ باشد زیراکہ در تمام سجلات وصکوک کہ مسجل بطغرائے حضرت قاضی اند لفظ حاکم مندرج است و آلاں بسیارے از اولاد او اہل دول و روشناس سلاطین شدہ آمدہ اند و بدفعات حکومت بلگرام تا دیگر پرگنات از حضور بنام خود گرفتہ حاکم ماندہ اند جائے دارد و سوائے آں این است کہ محلہ عشیرہ قضات بر بالائے مذکور کہ مسکن خاص سری راجہ والی قصبہ بود واقع شدہ و محلہ ایشاں مشہور بقاضی پورہ در وسط شہر بر بالائے حصار پائیں حصار بطول و بسط رو دادہ و ماورائے آنکہ در عہد اکبر شاہ قاضی محمود بن قاضی کمال مذکور بپایہ امارت رسیدہ و از حضور مخاطب بلقب ابار الملک شدہ و پرگنہ حویلی لکھنؤ و پرگنہ اکبر پور و پرگنہ سرہر پور و پرگنہ بلگرام بجاگیر او مقرر بودہ)

ترجمہ (اگر میں کہوں قاضیوں کے خاندان کے جد اعلیٰ حضرت قاضی یوسف بلگرام کے حاکم تھے اور انھوں نے قلعے کی بنا ڈالی تو درست ہے اس لیے کہ اُن تمام قبالوں میں جو حضرت قاضی کے طغرے سے مسجل ہیں حاکم کا لفظ درج ہے) اور یہ کہنا بجا ہے کہ اُن کی اولاد میں اب تک بہت دولتمند اور بادشاہوں کی جان پہچان ہوتے آئے ہیں اور بلگرام کی حکومت دوسرے پرگنوں تک بادشاہوں کے حضور سے اپنے نام لیکر حاکم رہے ہیں ۔ اور اس کے سوا یہ بات ہے کہ قاضیوں

کے خاندان کا محلہ اوپر کوٹ مذکور پر واقع ہے جو قصبہ کے مالک سری راجہ کا مسکن خاص تھا۔
اور ان کا محلہ قاضی پورہ شہر کے بیچ میں قلعے کے اوپر اور نیچے بہت لمبا چوڑا ہے۔ اس کے سوا
اکبر شاہ کے عہد میں قاضی محمود بن قاضی کمال مذکور بہت بڑے امیر و کبیر ہوئے۔ حضور سے
ضیاء الملک خطاب ملا اور پرگنہ حویلی لکھنؤ۔ پرگنہ اکبر پور۔ پرگنہ سرھر پور اور پرگنہ بلگرام جاگیر مقرر
ہوئے)

ایضاً (فی الجملہ حق سبحانہٗ تعالے عشیرۂ عثمانیاں را از عہد حضرت عثمان ذی النورین بجمیع فضائل
دینی و دنیوی برگزیدہ و رتبتے کہ در عالم باید خدائی تعالےٰ باین عشیرۂ کرامت فرمودہ ______
ہر واحد این عشیرہ بحسن و خلق و حیا و حلم و فضل و علم و غیرت و دیانت و شجاعت و سخاوت است . . .
خصوصاً دولت و شجاعت و ہمت و حوصلہ و علم و فضل گویا در حصۂ این عشیرہ بالکل آمدہ)

ترجمہ (حاصل کلام خدائے پاک برتر نے عثمانیوں کے خاندان کو حضرت عثمان ذی النورین
دو روشنیوں والا یعنی محمد رسول اللہ کی دو بیٹیوں کا شوہر یکے بعد دیگرے" کے زمانے سے تمام
دینی اور دنیوی فضیلتوں کے لیے انتخاب کر لیا اور جو رتبہ دنیا میں چاہیے وہ خدائے برتر نے
اس خاندان کو عنایت فرمایا۔ اس خاندان کے ہر فرد بشر میں خوبی۔ مروت۔ شرم۔ بردباری
بزرگی۔ علم۔ غیرت۔ دینداری۔ بہادری۔ اور سخاوت ہے (خاصکر دولت۔ بہادری۔ ہمت۔ مقدور
علم اور بزرگی گویا بالکل اس خاندان کے حصہ میں آئی)

غرضکہ قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور کا فاتح اور حاکم بلگرام و بانی اسلام ہونا شیوخ عثمانی سے زیادہ
تفصیل کے ساتھ غیر خاندانوں کے مولفین نے اپنی تالیفات میں اُنکی حکومت و سرداری کے ثبوت
کاغذات قدیم وغیرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر تحریر کیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور آگے ہوگا۔
اور اس امر کی تصدیق ان سب مولفین سے قدیم دربار ہمایوں و اکبر کے شاعر نامی مولانا ضمیری بلگرامی
کے اُس قطعہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال عثمانی کی مدح
میں زمین عطیہ کے شکریہ میں کہا ہے۔ مختصراً اُس کے تین شعر جن سے تصنیف قطعہ کی وجہ اور ثبوت مذکور
کا اظہار ہوتا ہے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

قطعہ

معدن فضل وکرم قاضی ابوالفتح انکہ ہست — اعلم واکمل کمال ابن ابوالعالم بدہر
ما نیینے خانہ دارے رجہاں میخواستیم — او زملک خویشتن بخشید جا مار ابشہر
اقبل آمد مولد ومنشائے او در بلگرام — راند کفار لعیں راجد اعلایش بقہر

ترجمہ۔ بزرگی اور مہربانی کی کہاں قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال جو زمانے میں بڑے عالم اور کامل ابوالعالم "بندگی قاضی عبدالدایم عثمانی" کے بیٹے ہیں۔ ہم دنیا میں گھر کے لایق زمین چاہتے تھے انھوں نے اپنی ملک سے ہمکو شہر "بلگرام" میں جگہ عنایت کی۔ اُن کا وطن اور جائے پیدائش بلگرام میں بہت پہلے سے ہے۔ ملعون کافروں کو اُن کے جد اعلیٰ "قاضی محمد یوسف عثمانی" نے بزور وزبردستی نکال دیا۔

اشعار مسطور الصدر کا آخری شعر شیوخ عثمانی کی قدامت اور اُن کے جد اعلی کے فاتح اور بانی اسلام بلگرام ہونے کی پوری شہادت اور بیان مولفین مذکور کی کامل تصدیق ہے

واضح ہو کہ مولانا ضمیری موصوف کا وہ زمانہ ہے جبکہ بلگرام کے کسی خاندان کے سر میں اپنے جد اعلیٰ کی نسبت قدیم اور فاتح بلگرام ہونے کا سودا نہیں سمایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے خاندان عثمانی کا مولد ومنشار بلگرام میں اقبل ہونا اور اُنھیں کے جد اعلی کا کفار کو بزور یہاں سے نکال کے اسلام قائم کرنا مسلم تھا جسکے مطابق مولانا ضمیری ایک غیر شخص اپنے شعر میں صحیح واقعہ جو اظہر من الشمس تھا بیان کر گئے۔ اب ایک صداقت نامہ "صورتحال" ملاحظہ ہو جو شیوخ عثمانی کی قدامت اور اُن کے جد اعلیٰ کے بلگرام کو فتح کرنے اور عہدۂ قضا واحتساب عہد سلطان محمود غزنوی سے اُن کے خاندان میں ہونے کی بابت ہے۔ یہ صداقت نامہ قاضی شریف احمد صاحب عثمانی نے اُس زمانے میں تحریر کر کے مصدوق کروایا تھا جبکہ مولوی سید محمد صاحب صغروی پچ بہنٔے ساکن محلہ میدان پورہ نے کتاب نظم آللالی خاص اپنے نسب نامہ میں لکھکر اس کی ایک فصل دراجوبہ اولۂ مدعیان قدامت" میں بزعم خود شیوخ عثمانی کے دعوٰی کی اپنے نزدیک تردید کرنے کی جرأت پہلے پہل کی تھی جسکی تنقیح اور تجوید انشاءاللہ اپنے موقع پر ہوگی۔ نقل اُس کی ہدیہ ناظرین ہے۔

صداقت نامہ "صورتحال" باعث تحریر این چند سطور صداقت دستور آنکہ عہدۂ قضا ر قصبہ بلگرام از عہد سلطان محمود غزنوی کہ در خاندان این خادم الشرع قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مرحوم برین گونہ است ہنگامیکہ سلطان محمود غزنوی برائے تسخیر ممالک ہندوستان لشکر کشید و بعد فتح بلدۂ قنوج قاضی محمد یوسف مکی المدنی راکہ از اجداد منمظہر بود برائے فتح کردن قصبہ بلگرام مامور فرمود۔ قاضی محمد یوسف مع افواج سلطانی بقصبہ مذکور آمدہ کہ راجہ سری والی قصبہ مذکور بود از ومقابلہ نمود۔ راجۂ مذکور تاب مقابلہ نیاوردہ رو بفرار نہاد سلطان محمود قاضی محمد یوسف را بحکومت بلگرام و منصب قضا و احتساب مامور فرمود۔

این واقعہ در سنہ چہار صد و نہ ہجری رو داده۔ قاضی مذکور بموجب شرع حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اجرائے احکام شریعت غرا نمود و در قصبہ مذکور بر بالائے تل یعنی در قلعۂ راجۂ مذکور رحل اقامت انداخت۔ ازاں زمان منصب عہدۂ قضا در خاندان منمظہر است و جملہ سلاطین ماضیین و وزرائے عالی مقدار بحال و برقرار بزرگان اسلاف منمظہر داشتہ اند چنانچہ در سنہ یکہزار و دو صد و شصت ہجری پدر منمظہر مسمی قاضی مجد الدین محمد بسبب ضعف پیری برادر حقیقی منمظہر یعنی قطب حیدر را بجائے خود بر عہدۂ قضا از پیشگاہ حضرت امجد علی شاہ انار اللہ برہانہ مقرر کنانید و خود عزلت گزین شد۔

و در سنہ یکہزار و دو صد و شصت و ہشت ہجری پدرم قاضی مجد الدین محمد مذکور ازین جہان فوت شد و عقب آں برادرم قاضی قطب حیدر مذکور در ہماں سال و در سنہ مذکور لاولد ازین جہان فانی رحلت نمود پس بسبب استحقاق منمظہر بجائے او مقرر شد و انچہ لوازمہ عہدۂ قضا راست آنرا منمظہر تا ایندم بدیانت و امانت پرداختہ حقیقت راست براست این بود کہ بقلم آمد فقط المرقوم یکم مارچ ۱۸۵۶ء عیسوی بیان واقع است [محمد عسکری] بیان واقع است [محمد ہادی] بیان واقع است [سید مظہر علی] بیان واقع است۔ [محمد اکبر] بیان واقع است محمد ابراہیم عفی عنہ۔ بیان واقع است محمد ابن حیدر عفی عنہ۔ بیان واقع است [سید محمد احمد] بیان واقع است [سید سخاوت حسین] بیان واقع است [سید نیاز علی] بیان واقع است [باعلی حیدر] بیان واقع است [سری گور سہائے سری سال] بیان واقع است [سید علی حیدر] بیان واقع است [سید فضل رسول] بیان واقع است [محمد اشرف] بیان واقع است دیبی دیال قانون گو پرگنہ بلگرام بقلم صابدین محرر۔ بیان واقع است [میر فضل حسین] بیان واقع

است سید مظہر احمد۔ بیان واقع است کاظم حسن حسینی بیان واقع است قرۃ العین محمد عسکری
بیان واقع است رامیشرد اس قانونگو بلگرام بیان واقع است۔ درگا پرشاد قانون گو۔
بیان واقع است۔ اجودھیا پرشاد قانون گو بیان واقع است۔ محمد حامد۔ بیان واقع است
ابوالحسن رضوی شہد بما فیہ[1] سید محمد رضا خاں شہد بما فیہ سید غلام حسنین بیان
واقع است سید علی احمد بیان واقع است سخاوت علی بخطہ۔ لاریب فیہ[2]۔ محمد تجمل حسین ولد منشی
سلطان حسین خان۔ بیان واقع است محمد زکی بخطہ بیان واقع است سید حشمت علی ابن محمد بخش
بیان واقع است سید عترت حسین۔ مافی ہذا القرطاس صحیح[3] محمد حسن الحسینی بیان واقع است
محمد حمید ولد مہدی حیدر۔ شہد بما فیہ تراب علی عفی اللہ عنہ بیان واقع است سید نصیر احمد بیان واقع
است سید غلام حیدر بواقعی عہدہ قضا ازقدیم بخاندان عالی شان مستشہد[4] از قبل سلاطین
وحکام مرجوع ومتعلق بودہ است الی یومنا ہذا بدستور است ومستشہد بہ نہایت عدالت ودیانت
امورات مرجوعہ را بالفرام میرساند وانا علی ذالک من الشاہدین ابن حسن عفی عنہ بخطہ
فی الحقیقت[5] کتابت ہذا القرطاس صحیح راضی برضا بیان واقع است میر سید علی انچہ درمتن[6] مسطور است
صحیح است نعمت اللہ بیان واقع است محمد حسین اثنا عشری محمد حسین مسطور المتن[7] صحیح
فقیر محمد عبدالواحد ابن شاہ محمد عارف بیان واقع[8] کہ از اجداد و آبائی خود شنیدہ ام کہ عہدہ قضا از عہد

---

[1] جو کچھ اس میں ہے اسکا گواہ ہوا

[2] اس میں شک نہیں

[3] جو کچھ اس کاغذ میں ہے صحیح ہے

[4] حقیقت میں عہدہ قضا قدیم سے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف سے شہادت چاہنے والے دو قاضی شریف احمد" کے عالی شان خاندان کے متعلق رہا ہے اور اجتک بدستور ہے اور شہادت چاہنے والا قاضی شریف احمد" اپنے امور متعلقہ کو نہایت انصاف اور سچائی سے انجام دیتا ہے بہ تحقیق اس پر گواہوں میں سے ہیں۔ ابن حسن عفی اللہ عنہ

[5] اس کاغذ کی تحریر فی الحقیقت صحیح ہے

[6] ورق میں جو لکھا ہے صحیح ہے۔

[7] ورق میں لکھا ہوا ہے صحیح ہے

[8] بیان ٹھیک ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے عہد سے عہدہ قضا قاضی احمد اللہ ابن قاضی محمد احسان کے خاندان میں ہوتا آیا اور اسوقت تک بدستور ہے اور شہادت چاہنے والا قاضی شریف احمد امور متعلقہ کو نہایت انصاف اور سچائی

سلطان محمود غزنوی در خاندان قاضی احمد اللہ ابن قاضی محمد احسان بودہ آمدہ والی یومنا ہذا بدستور و مستشہد بہ نہایت عدالت و دیانت امورات مرجوعہ را بانصرام میرساند العبد سید حسین بخش عرف بدوح میاں بخطہ۔ بیان واقعہ است۔ قاضی محمد احسن ساکن بادن [قاضی محمد احسن] انچہ در متن[1] مسطور است صحیح ولاریب فیہ فقیر محمد حسین خلیل صوفی متی چشتی بخطہ [محمد حسین] بیان واقع است [محمد عطا] بیان واقع است ظہور احمد عفی عنہ۔ بیان واقع است [حیات علی] بیان واقع است پیر خاں مردہا بخطہ۔ بیان واقع است برج باسی لال بخط۔ بیان واقع است لہارام سیٹھ بخطہ مہندی بیان واقع است [محمد نصرت اللہ] مضمون[2] متن صحیح است سید باصر علی۔ انچہ در متن[3] مسطور صحیح و عہدۂ قضا از عہد قاضی احمد اللہ مرحوم تا الی الآن متعلق در خاندان عالی شان مستشہد بچشم خود دیدہ ام [سید نثار حسن] مافی القرطاس[4] صحیح مہدی علی بن سید علی حسن حسینی الدکنی عفرہما اللہ۔ انچہ در متن[5] صحیح و درست است روشن لال کالستھ ولد ٹھاکر پرشاد [روشن لال] فی الحقیقت[6] عہدۂ قضا از روئے اسناد سلاطین و وزرار ماضیہ وہم از عہد محمود غزنوی ہذا المتن در خاندان منظر علی الاتصال جاری بخطہ وکتبہ محمد رضا دلاور

"ترجمہ ان چند سچے مضمون کی سطروں کے تحریر کرنے کا سبب یہ ہے کہ قصبہ بلگرام کا عہدۂ قضا سلطان محمود غزنوی کے عہد سے اس خادم شرع قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مرحوم کے خاندان میں اسطرح پر ہے جبوقت کہ سلطان محمود غزنوی

ے انجام دیتا ہے۔ ۔۔۔ صفحہ ۸۴ سے ۔۔۔

[1] جو کچھ ورق میں لکھا ہے صحیح ہے اس میں شک نہیں

[2] ورق کا مضمون صحیح ہے

[3] ۔جو ورق میں لکھا ہے صحیح ہے اور عہدۂ قضا قاضی احمد اللہ مرحوم کے عہد سے ابتک شہادت جاننے والے "قاضی شریف احمد" کے عالی شان خاندان میں اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

[4] جو کچھ کاغذ میں ہے صحیح ہے۔

[5] ورق میں جو کچھ لکھا ہے۔ صحیح ہے

[6] ۔ فی الحقیقت عہدۂ قضا اگلے بادشاہوں اور وزیروں اور عہد محمود غزنوی کی سندوں کی رو سے جیسا کہ ورق میں لکھا ہے۔ ظاہر کرنے والے "قاضی شریف احمد" کے خاندان میں لگاتار جاری ہے

نے ممالک ہندوستان کو فرمانبردار کرنے کے لیے لشکر کشی کی اور شہر قنوج کو فتح کرنے کے بعد قاضی محمد یوسف مکی المدنی کو جو میرے بزرگوں میں سے تھے قصبہ بلگرام کے فتح کرنے کے لیے حکم دیا تو قاضی محمد یوسف نے بادشاہی فوجوں کے ساتھ قصبہ مذکور میں آکر راجہ سری سے جو قصبہ مذکور کا مالک تھا مقابلہ کیا۔ راجہ مذکور مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے قاضی محمد یوسف کو قضا اور احتساب کا منصب دیکر بلگرام کا حاکم کردیا یہ واقعہ ۴۰۹ھ چارسو نو ہجری میں ہوا۔ قاضی مذکور نے خلق اللہ سے بہتر اُنپر درود و سلام ہو "محمد رسول اللہ" کی شرع کے بموجب روشن شریعت کے احکام جاری کیے اور قصبہ مذکور میں ادیر کوٹ یعنی راجۂ مذکور کے قلعے میں سکونت اختیار کی اُسوقت سے عہدۂ قضا کا منصب میرے خاندان میں ہے اور تمام گذشتہ بادشاہوں اور بلند رتبہ وزیروں نے میرے بزرگوں کے حق میں بحال اور برقرار رکھا ہے چنانچہ ۱۲۶۰ھ ایکہزار دوسو ساٹھ ہجری میں میرے باپ مسمّی مجد الدین محمدؐ نے ضعف پیری کے سبب سے میرے سگے بھائی یعنی قطب حیدر کو حضرت امجد علی شاہ "انکی دلیلیں روشن ہوں" کی حضور سے بجائے اپنے عہدۂ قضا پر مقرر کروادیا اور آپ گوشہ نشین ہوگئے ۱۲۶۸ھ ایکہزار دوسو اڑسٹھ ہجری میں میرے باپ مجد الدین محمدؐ کا انتقال ہوا اور اُن کے بعد میرے بھائی قاضی قطب حیدر مذکور اُسی سال اور سنہ مذکور میں لاولد فوت ہوئے۔

پس استحقاق کے سبب سے اُن کی جگہ پر میں مقرر ہوا۔ اور عہدۂ قضا کے لیے جو باتیں ضروری ہیں انکو اس وقت تک دیانت اور امانت سے انجام دیتا ہوں۔ سچی اور ٹھیک ٹھیک حقیقت یہ تھی جو لکھی گئی لکھا ہوا پہلی تاریخ ماہ مارچ ۱۸۶۶ء کا۔

یہ اصل صورتحال مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تک اُن کے یہاں رہا۔ چونکہ برادرم قاضی مصطفٰے علی عثمانی اپنے والد قاضی شریف احمد مذکور کی وفات کے وقت کم عمر تھے اور اُن کے جملہ امور خانگی و ریاست و دفتر قضا وغیرہ کے منتظم و کارپرداز اُن کے سگے ماموں مولوی محمد عبدالوالی صاحب تھے اس لیے یہ صورتحال و نیز دیگر سجل وغیرہ بھی اُنہیں کے قبضہ و اختیار میں رہے۔ اُسوقت مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کے کچھ تاریخی حالات لکھنے کی غرض سے تین سجل تین فرمان اور ایک یہ صورتحال سب سات کاغذ اصل عاریتاً مولوی عبدالوالی

صاحب مذکور کے ذریعہ سے چوتھی تاریخ ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایکہزار آٹھ سو اکہتر عیسوی کو لے گیے اور سب کی رسید مولوی صاحب موصوف کو دیگئے جو اُردو میں صاحب بہادر موصوف کے سررشتہ دار محمد سعید صاحب کی لکھی ہوئی ہے اور اُس پر صاحب موصوف کے دست و قلم خاص سے انگریزی میں دستخط ہیں۔ اتفاق سے سفر دریا میں جہاز پر سے کچھ اسباب صاحب موصوف کا گرکر غرق ہوگیا اُسی کے ساتھ یہ سب کاغذ بھی گئے۔ اصل رسید مذکور مجھکو خود مولوی عبدالوالی صاحب نے دکھائی جو اسوقت تک اُن کے پسر عزیزی محمد عبدالقدیر سلمہ ساکن قاضی پورہ کے پاس موجود ہے چونکہ یہ رسید اس صورتحال اور نیز دیگر کاغذات مذکور اصل "جن کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا" کے وجود کا ثبوت ہے لہذا اصل رسید سے حرف بحرف نقل کیجاتی ہے۔ **نقل رسید۔**

۴ر جنوری ۱۸۷۱ء کو

تین قطعہ فرمان خط کوفی و تین قطعہ فرمان اکبری ایک قطعہ صورتحال قاضی عبدالوالی صاحب رجسٹرار سے لیگئی بعد نقل عرصہ ہفتہ میں دیجائیگی اور اس درمیان میں بہت احتیاط سے رہے گی لہذا یہ رسید لکھدی فقط۔

کوفی کتبہ	اکبری کتبہ	صورتحال
سنہ ۴۲۱ و ۴۳۸ و ۴۴۳ ہجری	سنہ ۹۷۵ و ۹۷۹ و ۹۸۱ ہجری	نوشتہ سنہ ۱۸۵۶ء

C. A. Houghton
4/1/71

کاغذات مندرجہ فہرست رسید مسطور میں آخری صورتحال بھی ہے اسپر شاید ہی موجودہ مسلمانوں کے خاندان کے کوئی بزرگ ہوں جنکی مہر یا دستخط تصدیقی نہ ہوں اور انہوں نے شیوخ عثمانی کے دعوے کا اعتراف نہ کیا ہو یہ سب عمائد و روسا و شرفای ہر خاندان ہیں۔ بالخصوص سید ابن حسن ساکن محلہ میدان پورہ جو مولوی سید محمد صاحب مولف نظم اللآلی کے ایک ذی علم اور قابل ہمعصر عزیز خاص ہیں اور مولوی صاحب موصوف کے دیگر ہمجد و ہمعصر برادران صغروی ساکنان محلہ سیدواڑہ کے دستخط اور مہریں خاص تصدیقی عبارت کے ساتھ نظم اللآلی کی در فصل و راجوبۂ اولۂ مدعیان قدامت" کی پوری تردید اور شیوخ عثمانی کے دعوے کا کامل ثبوت ہیں۔ علاوہ ازیں جسقدر کاغذات قدیم

اصل یا اُن کی نقلیں بلگرام میں عہد سلطان محمود غزنوی سے اس وقت تک نظر آتی ہیں سب پر شیخ عثمانی کے دستخط اور مہروں وغیرہ اور نیز اُن کے مقبوضات سے اُن کی حکومت اور عہدہ قضا کا برابر ثبوت ملتا ہے جن کا بیان آگے خاندان شیوخ عثمانی میں مشاہیر کے ساتھ ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ

المختصر شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوت اسقدر مسلمہ ہیں کہ علاوہ بلگرام کے غیر مقامات اور غیر مذہب والے بھی ان کے معترف ہیں۔ چنانچہ پنڈت بھگوان دیال اگن ہوتری انسٹرکٹر ٹریننگ کلاس ہردوئی کا تالیف کیا ہوا جغرافیہ ضلع ہردوئی مطبوعہ ماہ جولائی ۱۹۱۳ء ایکہزار نوسو تیرہ عیسوی میری نظر سے گذرا۔ اُس میں مجملاً بلگرام کا حال کچھ اصل کے [illegible] پوری واقفیت نہ حاصل ہونیکے اصل میں تبدیلی کے ساتھ نظر آیا۔ یہاں اُس کے بعض فقرے حسب ضرورت درج کیے جاتے ہیں (یہ سری کرشن جی کا بسایا ہوا معلوم ہوتا ہے بلگرام پرانا نام ہے) یہ خیال غالباً مولف جغرافیہ نے بلرام جی برادر سری کرشن جی کے ہاتھ سے بل دانب کے مارے جانے کا حال "جس کا ذکر پہلے باب کی پہلی فصل میں ہو چکا ہے" سری مدبھاگوت میں دیکھکر جمایا ہے۔ ایضاً (نویں صدی میں راجہ سری رام [illegible] یہاں سے ٹھٹھروں کو نکالا اور اُس کا نام سرنگر رکھا درگا مندر اور ساگر تال بنوایا) ٹھٹھیرے ضرور یہاں کے قدیم باشندے تھے اور ساگر تال بھی راجہ سری کے عہد میں قلعۂ راجہ سری کے گوشہ مغرب و شمال میں تھا۔ ایضاً (اور ریکواڑوں کے سردار مدد الدین نے بلو دانو "بل دانب" کو جادو سے مارا تھا بدیں وجہ بلگرام نام پڑا) یہ فقرہ بلگرام میں جو خواجہ عماد الدین کے ہاتھ سے دیو کے مارے جانے کا قصہ مشہور ہے اسی کا بگڑا ہوا نام ہے۔ منجملہ فقرات مسطور الصدر کے ایک فقرہ ہے جو شیوخ عثمانی کے دعوے کے مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید[1] کا مصداق ہونے کا ثبوت نظر آیا وہ یہ ہے (۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں قنوج میں محمود غزنوی آیا۔ اُس کے سردار قاضی یوسف نے اسپر حملہ کیا)۔ ملاحظہ ہو حیات جلیل موٗلفہ جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب سمدنی مطبوعہ بلیشر رام نرائن لال الہ آباد ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۴ سطر ۱۳ و ۱۴ (بعد ازاں ۵۰۸ھ ۱۱۱۴ء) میں بسر کردگی قاضی یوسف جو امرا و سالاران افواج محمود سے تھے فتح مند عثمانی شیوخ آئے اور ریکواروں کو شکست

---

[1] مشک وہی جو خود مہکے نہ کہ عطار کہے۔

دیکر پورے راج کو فتح کرلیا -) اس کے آگے راجہ سری کے بھائی کا مسلمان ہوکر مختار الدین اور مختار الدین کے بیٹے کا مسلمان ہوکر اختیار الدین نام رکھا جانا اور شرائف عثمانی کی تالیف کے وقت تک قاضی محمد یوسف کا دستخطی ایک سجل مرقومہ ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ء) میر سید عزیز الدین "اعزالدین" معروف بہ لال پیر گوپامئو کے احفاد و اخلاف کے قبضہ میں موجود ہونا اور میر آزاد صاحب کا اس روایت کی تائید کرنا بھی بیان کیا ہے۔

لیکن ساتھ ہی اس کے صفحہ ۸۴ کی سطر ۳ لغایت ۵ میں لکھتے ہیں کہ (انگریز مورخین اسکو تسلیم نہیں کرتے انکی تحقیقات کا ماحصل اسکو مشتبہ کرتا ہے۔ اُن کے خیالات کے مطابق یہ تو ممکن ہے کہ محمود کی فوجیں بلگرام سے گزری ہوں اور لوٹ مار ہوئی ہو کچھ شیوخ یہاں رہ گئے ہوں مگر نظر بر واقعات مابعد مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام تسلیم نہیں کیا جاسکتا) پھر صفحہ مذکور کی سطر ۹ لغایت ۱۱ میں تحریر کرتے ہیں (بہر حال جب بہ عہد شہاب الدین محمد غوری اُس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں راجہ جے چند پر حملہ کرکے قنوج فتح کیا اور قرب و جوار کے تمام رؤسا و راجگان کی قوت حکومت و سطوت کو خاک و برباد کردیا تو اُسی سال میں بلگرام پر مسلمانوں کا قبضہ بھی مسلسل و مستقیم ہوگیا

واضح ہو کہ حیاتِ جلیل کے لائق مولف کا اس معاملہ میں انگریز مورخین کی تحقیقات کے ماحصل سے مشتبہ ہوجانا بیجا نہیں اس لیے کہ جو شخص کسی خاص مقام کے اندرونی مسلسل واقعات اور اُن واقعات کے کامل ثبوتوں سے کماحقہ آگاہی نہیں رکھتا بلکہ روایات مختلف اُس کے پیش نظر ہیں اس کا مشتبہ ہوجانا ضروری ہے یا مخصوص کسی انگریز کی مشکوک تحریر دیکھکر اور انگریزی معلومات کا بھی بخلاف تواریخ سلاطین جن کے حالات میں اکثر مورخین ہمنوا ہوتے ہیں ایک قصبہ کی اندرونی حالت میں وہاں کی مختلف تحریریں دیکھکر اور وہ بھی جن میں وہاں کے بعض خودغرض مولفین نے اختلاف کی بھرمار کردی ہو وہی حال ہے جو ایک ہندوستانی بیرونی شخص کا۔ جیسا کہ صفحہ مذکور کی سطر ۳ لغایت ۵ مقولہ میں فقرہ "یہ تو ممکن ہے کہ محمود کی فوجیں بلگرام سے گزری ہوں اور لوٹ مار ہوئی ہو کچھ شیوخ یہاں رہ گئے ہوں" انگریز مورخین کے خیالات کے مطابق اُنکو بلگرام کی تاریخی حالت سے کماحقہ آگاہی نہ ہونے پر دال ہے۔ اور اس کے آگے کا فقرہ "مگر نظر بہ واقعات مابعد مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام تسلیم نہیں کیا جاسکتا" اس کا جواب صرف اسقدر کافی ہے کہ واقعات مابعد مسلسل اور صحیح بہم ہی نہیں پہنچے جن پر نظر کی جاتی - بعد اس کے دوسری عبارت مقولہ مسطور الصدر یعنی

بہرحال جب "بہ عہد شہاب الدین محمد غوری الخ" کا جواب میری کتاب کے باب ہذا کی فصل دوم میں بضمن ذکر قاضی محمد شمس الدین ملاحظہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ میری کتاب کے ملاحظہ کے بعد سلطان محمود غزنوی کے عہد سے اسوقت تک مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام بلگرام تسلیم کرنے میں منصف ہندوستانیوں کا شبہہ تو بالکل رفع ہو جائیگا اور صاحبان انگریز بہادر بھی اپنے مشتبہ خیالات میں بہت کچھ ترمیم فرمائینگے۔

بلگرام کے جغرافیہ پر جو غور کیا جاتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام آبادی اور اس سے ملحق آراضی سب ابتدائی اسلام میں اسی طرح قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کے قبضہ و تصرف میں آگئی تھی جس طرح زمین مفتوحہ فاتح کے قبضہ و اختیار میں آجایا کرتی ہے۔ اس میں سے بہت سی زمین اسی وقت اپنے ہمراہی غازیوں کو انکی بود و باش کے لیے عنایت کی۔ اکثر آراضی بعد قاضی موصوف کے مختلف زمانوں میں انکی اور اون کے ہمراہیوں کی اولاد سے جنکو قاضی موصوف سے ملی تھی منتقل ہوئی رہی اور ان منتقل شدہ زمینوں پر مختلف ناموں کے محلے آباد ہوتے رہے جن کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا۔ اور باقی آراضی اسوقت تک مسلسل آپ کی اولاد کے قبضہ میں ہے جسمیں زیادہ تر حصے کے مالک و قابض برخورداران قاضی محمد یوسف علی۔ قاضی محمد اعظم علی۔ قاضی شریف الحسن۔ قاضی انوار احمد۔ اور قاضی رؤف احمد سلمہم اللہ تعالے ابنائے برادرم قاضی مصطفے علی بن قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مولف رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات ہیں۔ جن میں سے اول الذکر "قاضی محمد یوسف علی" فی زماننا حسب الحکم تحریری جناب لفٹنٹ گورنر بہادر و استرضائے عمائد و روسائے قصبہ بموجب دستور قدیم قاضی وقت ہیں۔

دوسری فصل

شیوخ عثمانی کا شجرہ نمبر (۱) اور حکام و محتسبان عثمانی متعلقہ شجرہ نمبر (۱) کا ذکر

کتب تواریخ سے واضح ہے کہ حضرت عثمان[1] بن عفان رضی اللہ تعالے عنہ کثیر الاولاد تھے۔ روضۃ الاحباب۔ مرات الجنان۔ ہفت اقلیم۔ صبح صادق۔ جذب القلوب۔ کنز الاخیار اور ملفوظات بزرگان وغیرہ میں آپکی اولاد کا مفصل ذکر ہے۔ مگر تمام کتب تواریخ سے اُن کے حالات نقل کرکے سب کے ترجمے کرنا طول فضول سمجھکر چند باتیں مجملاً و مختصراً ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

عمر امام الدین۔ بن عثمان رض کا حال مرات الجنان۔ ہفت اقلیم اور صبح صادق وغیرہ میں مرقوم ہے کہ آپ کا نام عمر اور لقب امام الدین تھا۔ اپنے وقت کے فقیہ تھے۔ مدینہ منورہ اور اُن کے اطراف کے لوگ علوم حدیث و فقہ وغیرہ آپ سے سند کرتے تھے۔ الھتر سال کی عمر اور ۲۸ھ ہجری میں زہر سے ہلاک کیے گئے۔

عبداللہ[2] اکبر ملقب بہ حسام الدین بن عمر امام الدین مذکور کا حال مرات الجنان اور کنز الاخیار میں مذکور ہے وفات کے ۱۱۰ھ ایک سو دس ہجری ہیں۔ مولف رسالہ مسجلات نے اپنے رسالے میں کتب مذکور کی وہ عبارت نقل کردی ہے جس میں عبداللہ اکبر اور اُن کے پدر عمر الدین وغیرہ کا ذکر ہے۔

خالد بن داؤد و عثمان بن رکن الدین عبد الرحمن بن علاء الدین عبداللہ ثانی بن علیم الدین عبدالعزیز بن عبداللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین مذکور کا حال ہفت اقلیم اور ملفوظات بزرگان وغیرہ میں لکھا ہے

---

[1] سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی عمزاد بھائی تھے۔
[2] آپکے ایک چچا کا بھی یہی نام ہے۔

کہ امیر وقت اور مجمع فضائل تھے۔ المختصر بنسبت اس بیان کے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ازواج و اولاد کی تفصیل کا اظہار مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔

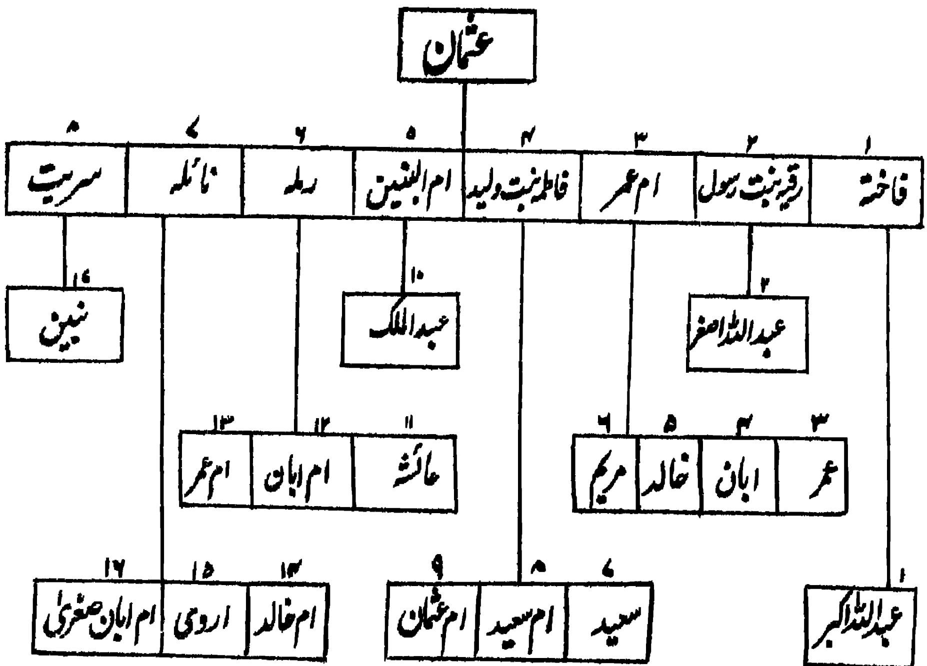
مولف شرالف عثمانی نے کتاب روضۃ الاحباب سے نقل کی ہے کہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ را ہفدہ فرزند بودند۔ ہشت پسر و نہ دختر۔ ازانجملہ بود عبداللہ اکبر و مادر وے فاختہ بنت غزوان و عبداللہ اصغر و مادر وے رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کنیت حضرت عثمان ابوعبداللہ باو بود۔ و عمر و ابان و خالد۔ و مریم و مادر ایشاں ام عمر بنت جندب بن عمر بن حممہ بن الحرث بود و ثانی الحال کنیت حضرت عثمان ابوعمر باوست۔ و ولید و سعید و ام سعید و ام عثمان و مادر ایشان فاطمہ بنت الولید بن عبد شمس بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ و عبدالملک و مادر وے ام البنین بنت عیینہ بن حصن بن بدر فزاری۔ و عائشہ وام ابان وام عمرو مادر ایشاں رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ابن عبدالمناف بن قصی۔ وام خالد و اروی و ام ابان صغریٰ و مادر ایشاں نائلہ بنت الفرافصہ بن الاحوص بن عمر بن ثعلبہ بن الحارث۔ ترجمہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آٹھ لڑکے اور ۹ لڑکیاں سب اولاد تھیں یعنی فاختہ بنت غزوان کے بطن سے عبداللہ اکبر اور رقیہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے عبداللہ اصغر جنکی وجہ سے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور ام عمر بنت جندب بن عمر بن حممہ بن حرث کے بطن سے عمر۔ ابان۔ خالد۔ مریم۔ عبداللہ اصغر کی وفات کے بعد عمر مذکور کی وجہ سے دوسری کنیت حضرت عثمان کی ابوعمر ہوئی۔ اور فاطمہ بنت ولید بن عبد شمس بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے بطن سے ولید سعید۔ ام سعید۔ ام عثمان۔ اور ام البنین بنت عیینہ بن حصن بن بدر فزاری کے بطن سے عبدالملک اور رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی کے بطن سے عائشہ۔ ام ابان۔ ام عمر اور نائلہ بنت فرافصہ بن احوص بن عمر بن ثعلبہ بن حارث کے بطن سے ام خالد۔ اروی۔ ام ابان صغریٰ)

تاریخ علامہ ابن خلدون کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ تفصیل مرقوم الصدر کی تائید کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمہ تاریخ مذکور مطبوعہ قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء کتاب ثانی جلد چہارم اختتام خلافت عثمان بن عفان صفحہ ۲

سعد تاریخ فرشتہ کے مولف نے ابتدائی کتاب میں بضمن ذکر ظہور اسلام در ہند آپکا نام سعد بائی تحتانی لکھا ہے یوں (در سنہ خمسین معاویہ حکومت خراسان را بسعد بن عثمان عفان داد) ترجمہ (سنہ پچاس میں معاویہ نے خراسان کی حکومت سعد بن عثمان عفان کو دی) ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔ واللہ اعلم

سطر، لغایت ۱۶ - (ازواج واولاد - ذی النورین نے زمانہ جاہلیت واسلام میں آٹھ بیویاں کیں انہیں سے دو آنحضرت صلعم کی لڑکیاں تھیں ایک رقیہؓ دوسری ام کلثومؓ تیسری بیوی کا نام فاختہ بنت غزوان تھا ان کے بطن سے عبداللہ اصغر پیدا ہوئے لیکن عالم طفلی ہی میں مر گئے - چوتھی بیوی ام عمر و بنت جندب بن عمرو بن حممۃ الدوسیہ تھیں ان کے بطن سے چار اولادیں - خالد - ابان - عمرو مریم پیدا ہوئیں - فاطمہ بنت الولید بن مغیرہ مخزومیہ پانچویں بی بی کا نام تھا جن سے ولید وام سعید و سعید پیدا ہوئے - چھٹی بیوی ام البنین بنت عینیہ بن حصن فزاریہ تھیں ان سے عبدالملک پیدا ہوئے اور لڑکپن ہی میں ان کا بھی انتقال ہو گیا - ساتواں عقد رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ سے کیا ان سے تین لڑکیاں عائشہ ام ابان ام عمرو پیدا ہوئیں - نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ آٹھویں بیوی تھیں)

تاریخ الاسلام مولفہ مولوی محمد احسان اللہ صاحب عباسی مطبوعہ ثانی ۱۸۹۹ء منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پریس لکھنؤ بھی خفیف سے تغیر کے ساتھ تفصیل اول مرقوم الصدر کی موید ہے - ملاحظہ ہو کتاب مذکور کے چوتھے باب کی تیسری فصل کے آخر میں صفحہ ۲۸۲ کی تیرہویں سطر کے بعد -



واضح ہو کہ حضرت عثمان ذی النورین کی ازواج واولاد کے ہونے میں تو کسی طرح کا شک وشبہ نہیں اور کسی قدر تغیر وتبدل جو نظر آتا ہے یہ کتب سیر میں ہوا ہی کرتا ہے - لیکن عمرو ابان - دونوں سگے بھائی

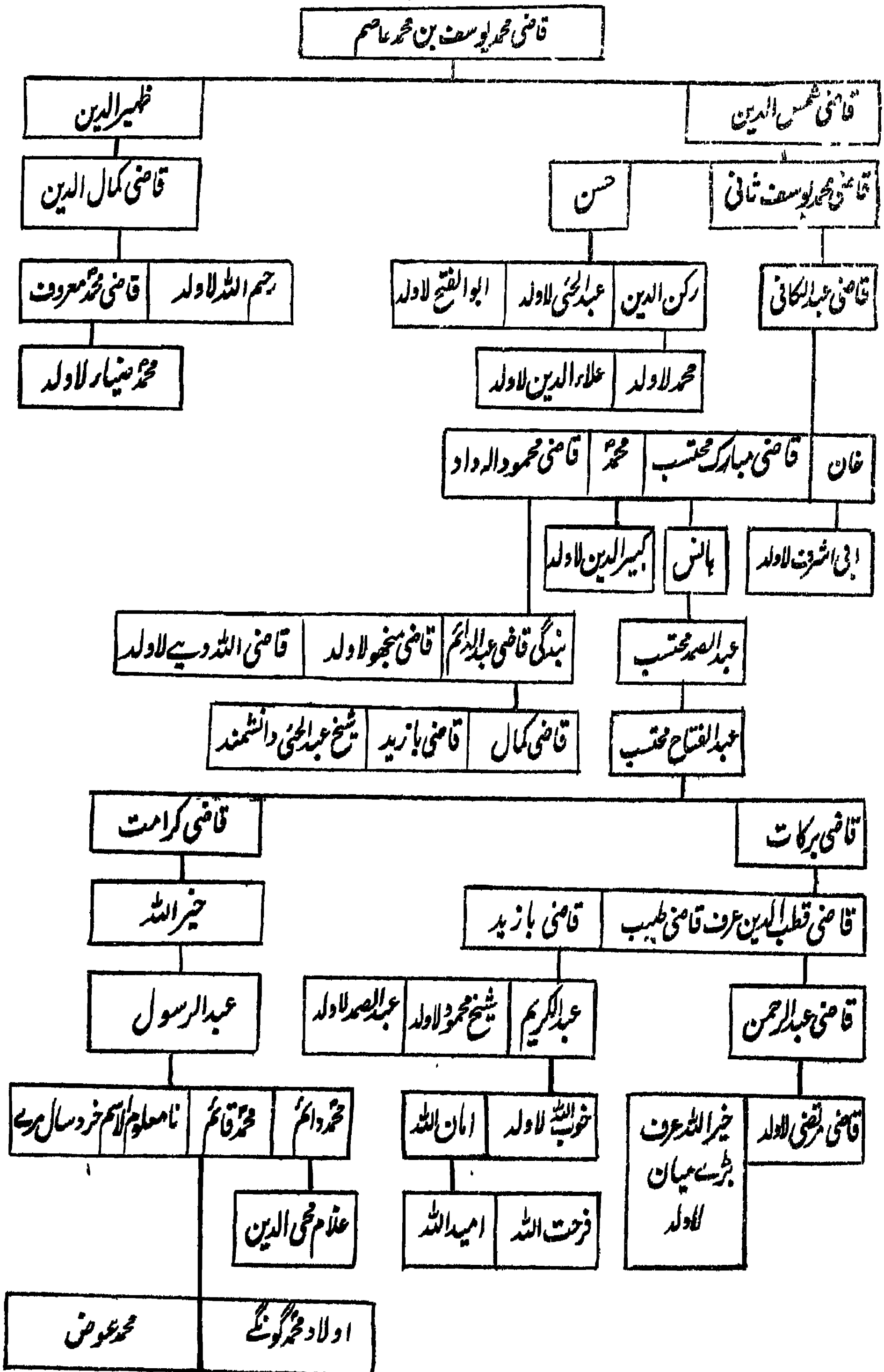
اور انکی والدہ ام عمر بنت حنذب کے بارے میں اکثر مورخین ہم نوا ہیں۔ اب چونکہ عمر بن عثمانؓ کی اولاد میں قاضی محمدؒ یوسف اور ابان بن عثمانؓ کی اولاد میں حضرت حاجی محمد سالار عرف سالار ہفت حجی بلگرام میں تشریف لائے اور شیوخ عثمانی بلگرام کے جد اعلیٰ یہی دونوں بزرگ ہیں جنکی اولاد کے مشاہیر کا ذکر میری کتاب میں آئیگا لہذا ان کا شجرہ حضرت عثمانؓ سے لیکر اپنے وقت تک جو مجھکو بہم پہنچا اور جسکی ضرورت تھی مجمل درج کرتا ہوں

شجرہ نمبرا

حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ اکبر بن عبدشمس بن عبدمناف جد محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را از بطن ام عمر بنت حنذب بن عمر بن حمہ بن حرث

امام الدین عمر	ابان	خالد
عبداللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین	زید	✕
علیم الدین عبدالعزیز	عبدالرحمن	
علاء الدین مشہور بہ عبداللہ ثانی	ابراہیم	
رکن الدین المشہور بہ عبدالرحمن جو مدینہ سے گازرون میں سکونت پذیر ہوئے	محمود	
داؤد عثمان	سلیم الدین	
خالد	ابو یوسف	
محمد عاصم	شہاب الدین	
قاضی محمدؒ یوسف جد اعلای شیوخ عثمانی بلگرام وکاکوری وغیرہ	ابو محمد جلال الدین	
	شمس الدین	
	ابو بکر علی	
	عثمان خالد	
	حاجی محمد سالار المعروف بہ سالار ہفت حجی جد اعلای شیوخ عثمانی فتوحپور و پانی و لبعضے بلگرام وغیرہ جن کا ذکر پہلے باب کی دوسری فصل میں ہوا	

(۱) تکملہ


قاضی محمد یوسف بن محمد عاصم
قاضی شمس الدین
ظہیر الدین
قاضی محمد یوسف ثانی
حسن
قاضی کمال الدین
قاضی عبدالکافی
رکن الدین
عبدالحئی لاولد
ابوالفتح لاولد
رحیم اللہ لاولد
قاضی محمد معروف
محمد لاولد
علاء الدین لاولد
محمد ضیاء لاولد
خان
قاضی مبارک محتسب
محمد
قاضی محمود الہ داد
ابی اشرف لاولد
ہانس
کبیر الدین لاولد
عبدالصمد محتسب
بندگی قاضی عبدالدائم
قاضی منجھو لاولد
قاضی اللہ دیے لاولد
عبدالفتاح محتسب
قاضی کمال
قاضی بازید
شیخ عبدالحئی دانشمند
قاضی برکات
قاضی کرامت
قاضی قطب الدین عرف قاضی طیب
قاضی بازید
خیر اللہ
قاضی عبدالرحمن
عبدالکریم
شیخ محمود لاولد
عبدالصمد لاولد
عبدالرسول
قاضی مرتضیٰ لاولد
خیر اللہ عرف بڑے میاں لاولد
خوب اللہ لاولد
امان اللہ
محمد دائم
محمد قائم
نامعلوم الاسم خرد سال مرے
فرحت اللہ
امید اللہ
غلام محی الدین
اولاد محمد گونگے
محمد عوض

رئیس المؤمنین امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی
جدّ اعلائے شیوخ عثمانی بلگرام

آپ کے اجداد کی سکونت پہلے بیت اللہ و مکہ معظمہ بعدہٗ مدینہ منورہ میں رہی ۔ پھر آپ کے اسلاف میں رکن الدین عبدالرحمن مدینہ منورہ سے ملک فارس دارالولایت گازرون میں آکر رہے ۔ کتب تواریخ میں گازرون کے بہت کچھ فضائل لکھے ہیں ۔ چنانچہ صاحب ہفت اقلیم نے لکھا ہے ایک تر اور باطراوت مقام ہے ۔ خاصکر فصل ربیع میں لالے اور عجیب و غریب شگوفوں کی کثرت سے نگارخانہ چین بلکہ مرغزار خلد برین نظر آتا ہے ۔ اسکی بنا قباد بن فیروز کی ڈالی ہوئی ہے ۔ یہ ہمیشہ معدن فضلا اور منبع علماء رہا ۔

قاضی صاحب موصوف کا حسب و نسب گازرون میں آفتاب کی طرح روشن ہے ۔ بڑے بڑے اہل دول ۔ ذی اقتدار ۔ ماہران انتظام حکومت اور کامل بزرگ اس خاندان میں گزرے جنکی خدمت میں سلطان محمود غزنوی کو رسوخ اور بندگی کا فخر حاصل تھا ۔ قاضی صاحب کے ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد بھی انکا خاندان وہاں قائم رہا اور بڑے بڑے بزرگ اور ذی اقتدار لوگ ہوتے رہے ۔ شرائف عثمانی میں ہے کہ ازاں جملہ خواجہ شیخ امین الدین باوجود اس کے کہ اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی کے وزیر تھے لیکن اہل فارس ان کے مرید تھے اور جملہ اولیاء سے ان کو شمار کرتے اور خوارق عادات ان کے بیان کرتے تھے ۔ اسی طرح ہمت و سخاوت کی نسبت کہ حاتم بھی ان کے سامنے خجل و شرمندہ ہوتا ۔ شیخ مجدالدین شاہ ابو اسحاق کے زمانے میں فارس کے شیخ الاسلام تھے ۔ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی نے ایک قطعہ میں ان بزرگوں کی مدح کی یوں فرماتے ہیں

فی المدح

بعہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق   بپنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

نخست پادشہے ہمچو او ولایت بخش — کہ جان خویش بپرورد و داد عیش بداد
دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین — کہ قاضیٔ بہ ازاں آسماں ندارد یاد
دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف — زیحن ہمت او کارہای بستہ کشاد
دگر بقیۂ ابدال شیخ امین الدین — بنائے کار موافق بنام شاہ نہاد
دگر قویم چو حاجی قوام دریا دل — کہ نام نیک ببرد از بران بخشش و داد

نظیر خویش نہ بگزاشتند و بگزشتند
خدائے عزوجل جملہ را بیامرزاد

ترجمہ تعریف میں شاہ ابواسحاق کے عہد سلطنت میں ملک فارس پانچ شخصوں کی وجہ سے عجب طرح آباد تھا۔ اوّل اُس "شاہ ابواسحاق" کے مثل ملک بخشدینے والے کسی بادشاہ نے اس کی طرح عیش و آرام سے زندگی نہیں بسر کی۔ اور اسلام کے مربی شیخ مجدالدین عثمانی کہ اُن سے بہتر کہیں قاضی کا ہونا آسمان کو یاد نہیں یعنی ایسا قاضی کوئی نہیں گزرا اور نہایت دانشمند عضدالدولہ دیلمی کہ انصاف کرنے میں اُس کی ہمت کی برکت سے اٹکے ہوئے کام نکل گئے۔ اور اولیاء اللہ کے باقی ماندہ شیخ امین الدین عثمانی جنہوں نے موافق کاموں "مسجدوں۔ مدرسوں اور خانقاہوں" کی بنیاد بادشاہ "اتابک منظفرالدین تکلہ بن زنگی" کے نام سے رکھی۔ اور سخی حاجی قوام سا مضبوط جو بوجہ بخشش اور انصاف کے دنیا سے نیکنام گیا۔ سب اشخاص مذکور نے اپنا مثل نہیں چھوڑا اور گزر گئے خدائے غالب بزرگ سبکو بخشے۔

شیخ سعدالدین امیر منظفر کے معاصر تھے جنکی تصانیف شرح مشارق الانوار سیر سید ابرار جو سیر گازرونی کہلاتی ہے مشہور و معروف ہیں۔ ان سب بزرگوں کے حالات کتاب ہفت اقلیم میں علیحدہ علیحدہ مشرح لکھے ہیں۔ گازرونیوں کے فضائل سے کتب تواریخ بھری پڑی ہیں۔

حضرت قاضی موصوف" "قاضی محمد یوسف" صاحب سیف و قلم اور سلاطین میں نہایت معظم و مکرم امرائے گازرون سے تھے۔ ہفت اقلیم۔ صبح صادق۔ نفحات الانس اور

کشف المحجوب وغیرہ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود ۳۹۹ھ تین سو ننانوے ہجری میں ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں بلند اقتدار رایان ہند سے جنگ کر کے انکو مغلوب کیا اور بہت کچھ غنایم حاصل کیے۔ اکثر جگہ مستحکم قلعوں کو فتح کر کے عمدہ اور صاحب شریعت و طریقت اصحاب کو مقرر کر کے اسلام کو رائج کیا۔ شرائف عثمانی کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت قاضی موصوف سے جو علم و فضل۔ شریعت۔ و طریقت۔ اقتدار و مرتبت اور عدالت و شجاعت میں فرد تھے بڑے اعزاز و اکرام سے اپنی سلطنت کا ایک رکن اعظم قرار دینے کی استدعا کر کے سپہ سالار مقرر کیا۔ آپ نے بڑے بڑے معرکوں میں کفار کے مقابلہ میں ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے اکثر حملوں میں آپ ساتھ رہے چنانچہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں جب سلطان کی فوجیں قنوج کے قریب آکر پڑیں آپ ہمراہ تھے۔ قنوج کا راجہ تو تاب مقاومت و مجادلت نہ لاکر سلطان کا مطیع اور باجگزار ہو گیا لیکن بلگرام کے راجہ سری کے تمرد و دشمنی اسلام کی خبر سنکر حضرت قاضی موصوف نے حسب فرمودۂ سلطان مع اپنے جان نثار افسروں اور سپاہیوں کے بمعیت حضرت خواجہ عماد الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ جو سلطان کے ساتھ آئے تھے بلگرام کی طرف باگیں اٹھا دیں اور دریائے گنگ کو عبور کر کے راجہ سری پر حملہ کر دیا۔ ادھر راجہ سری کو یہ حال معلوم ہوا تو اسنے گرو بیل دو جس کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے کے بل پر اپنی کل فوج آراستہ کر کے جو کلیانی کے کنارے جا دی اور وہیں دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ لشکر اسلام نے جوئے کلیان کو بھی عبور کیا اور یکبارگی نعرۂ اللہ اکبر کے بادل گرجنے اور ولایتی تلواروں کی بجلیاں چمک چمک کے کفار کے خرمن ہستی پہ گرنے لگیں۔

کچھ لوگ لشکر اسلام کے بھی کام آئے جن میں دو افسر بھی تھے جو عرب درب مشہور ہیں۔ جن کا ذکر باب اوّل کی دوسری فصل میں اوپر ہوا۔ آخر سخت مجادلہ اور مقاتلہ ہو کر راجہ سری کے قدم پیچھے ہٹنے لگے اور عثمانی فوج ظفر موج لشکر مخالف کو پس پا کرتی ہوئی بلگرام میں داخل ہو گئی۔ قلعے کے قریب پہنچکر کفار نے پھر جی توڑ کر مقابلہ کیا اس میں بھی کچھ بزرگ افسر لشکر اسلام

کے شہید ہوئے جن میں سے حضرت پیر حمیر۔ پیر غازا اور پیر غیب قدس اسرارہم دوجن کا ذکر
پہلے باب کی دوسری فصل میں اوپر ہوا" کے مزارات اس وقت تک زیارت گاہ خاص
وعام ہیں۔ اس معرکے میں بھی راجہ شکست کھا کر مجبوراً قلعہ بند ہوا۔ سرینگر کی پورب طرف
سے راجہ کی مدد کے لیے ہنود کی آمد جاری تھی۔ اس لیے اُس کے قلعہ بند ہونے پر قاضی
صاحب موصوف اپنا خیمہ اُسی طرف لگا کر مددگاران راجہ کے سدراہ ہوئے۔ باقی
اور سرداروں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ یہ حالت دیکھکر راجہ کے گروہل نے طیش میں
آکر اپنے سحر کے خوب خوب کرتب دکھائے۔ لیکن اُس کی ساحری حضرت خواجہ عماد الدین
قدس سرہٗ کے زور باطن کے آگے کچھ نہ چلی اور اپنی جان سے اُسکو ہاتھ دھونا پڑا۔ قلعے
کے اُتر طرف تھوڑے فاصلے پر ایک گڑھی تھی اور اُس میں بھی راجہ کی فوج تھی۔ کچھ
عرصہ کے بعد ضیق محاصرہ سے جان پر کھیل کے اُسی طرف سے راجہ اسی نیت سے نکلا
کہ گڑھی کی فوج کی مدد سے اپنے اہل وعیال کو سینیر سے لیتا ہوا فرار ہوجائے۔ وہاں حضرت
حاجی محمد سالار معروف بہ سالار ہفت جی وغیرہ گڑھی کا بھی محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ جب
راجہ اُدھر سے نکلا تو اُن سے سامنا ہوا۔ جنگ شروع ہوگئی اور یہ واقع دیکھکر گڑھی کی
فوج بھی راجہ کی مدد کے لیے نکل پڑی۔ یہ آخری مقابلہ بہت سخت ہوا اور راجہ کے جاں
نثاروں نے ہتیلی پر جان رکھکے داد شجاعت دی یہاں تک کہ حضرت سالار ہفت جی
مذکورؒ۔ حافظ محمود قرآن خواں اور حضرت غازی کمال اس آخری معرکے میں شہید ہوے
ان کے مزار بھی قلعے کے جانب شمال زمین قتلغ پور میں موجود ہے۔ اور اس معرکہ کے
مظفر ومنصور سرداروں میں ملک ہادی ترمزی تھے۔ ان سب بزرگوں کا ذکر پہلے باب کی
دوسری فصل میں اوپر ہوا۔ آخر راجہ کے بہادر جاں نثار راجہ کو محاصرے سے نکال کے
سینیر سے اس کے اہل وعیال کو لیتے ہوئے کوہ کمایوں کی طرف پہنچے۔ وہاں راجہ
نے دریائے الکنندا (جسکو وہاں والے گنگاجی کہتے ہیں" کے کنارے اپنی آبادی
آبادی قائم کرکے اُس کا نام بھی سرینگر رکھا جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں دریائے
الکنندا کی طغیانی سے نیست و نابود ہوگیا اور اُس سے ایک میل کے فاصلے پر

ازسرنو پھر برٹش گورنمنٹ نے دریائے الکنہدا کے بائیں کنارے پر دوسرا سرینگر آباد کیا جو اب عملداری انگریزی گڑھوال میں پاوڑی سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ابتک وہاں راجہ سری کے خاندان کے ٹھاکر ذی مقدرت موجود ہیں۔ جناب بشیشر ناتھ صاحب ولد جناب گیا پرشاد صاحب گجراتی جو ہندوستان کے تمام ہندو کے متبرک مقاما پر ہو آئے ہیں انہوں نے خود مجھسے بیان کیا کہ سمت ۱۹۶۴ ایکہزار نوسو چونسٹھ مطابق ۱۳۲۵ھ ایکہزار تین سو پچیس ہجری اور ۱۹۰۷ء ایکہزار نوسو سات عیسوی میں جب میں بدری ناتھ گیا تو خاص سرینگر کے دھرم سالے میں تین دن تک رہا۔ وہاں کے ٹھاکروں نے مجھسے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے بلگرام کا نام لیا تب انہوں نے یہ سوال کیا کہ تمہارا بلگرام قنوج سے کتنی دور اور کدھر ہے میں نے کہا اتر کی طرف پانچ یا چھ کوس ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ مسرکھ بلگرام سے کتنی دور اور کدھر ہے میں نے کہا پورب اور اُتر کے کونے پر بیس کوس ہے۔ یہ سنکر وہ مجھسے لپٹ گئے اور بڑی خاطر کی اور کہا کہ وہ ہمارے پرکھوں کی جگہ ہے مجھے کچھ نقد بھی انہوں نے دینا چاہا مگر میں نے لینا منظور نہ کیا کیونکہ میرے پاس تیرتھوں کے لیے خرچ کافی موجود تھا۔

اب ادھر کی سنئے کہ جب راجہ بھاگ گیا تو قلعہ فتح ہو گیا اور کفرستان میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ سلطان محمود غزنوی کو فتح کی اطلاع دی گئی اُس نے خدا کا شکر کیا اور فتح کے جلدو میں حضرت قاضی موصوف کو سری نگر "بلگرام" کی حکومت معہ عہدۂ قضا تفویض فرمائی۔ قاضی کا لقب اُسی وقت سے آپ کے اور آپکی اولاد کے ناموں کے ساتھ اضافہ ہوا اور آپکے خاندان کی شاخ کے ناموں میں اسوقت تک شامل ہے جس کا تعلق خاص عہدۂ قضا سے رہا آپکی رفاقت میں تمام اہل ولایت فاتح سرداروں اور سپاہیوں نے بھی اسپنے خیمے ڈیرے یہیں جما دیے جن میں۔ سادات حسینی۔ شیوخ۔ فاروقی۔ شریف۔ ترکمان افغان اور ملک بادی ترمزری وغیرہ شامل تھے اور سب نے یہیں کی مستقل بود و باش اختیار کر کے بعض نے بعد اطمینان اپنے اہل وعیال کو بھی بلوالیا۔ جن میں سے اکثر خاندان ختم ہو گئے اور بعض اسوقت تک بفضلہ تعالےٰ موجود ہیں خدا انکو دائم وقائم رکھے۔

رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف گارزونی نے پائیں قلعہ مفتوحہ جانب مغرب وشمال ومشرق تا گوشہ جنوب ومشرق اپنے رفیق شریف جاں نثار سرداروں وغیرہ کو بود وباش کی اجازت فرمائی اور اپنی جائے سکونت خاص قلعہ مفتوحہ کو ٹھہرایا۔ قلعے کے قریب میدان میں کی چالیس بیگہ زمین اور گڑھی کے متصل قتلغ پور کی دوسو بیگہ زمین مسلمانوں کی قبروں کے واسطے وقف کردی جو اس وقت تک گورغریباں کے کام آرہی ہیں۔ متولی اس کے مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص اہل اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی اولاد جوں بڑھی سب کی آبادی خاص قلعہ مفتوحہ پر رہی جو اوپر کوٹ کہا جاتا ہے اور وہ آبادی قاضی پورہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ قدیم کاغذات اور تحریروں سے خاص قلعہ مفتوحہ "اوپر کوٹ" ہی قاضی پورہ مستحق ہوتا ہے۔ جب خدا کے فضل وکرم سے خاندان قاضی موصوف میں اسقدر ترقی ہوئی کہ قلعے کی سطح ان کی سکونت کے لیے کافی نہ ہوسکی تو پائیں قلعہ جانب جنوب مکانات بننا شروع ہوئے اور عثمانی آبادی کا بہت بڑا حصہ پائیں قلعہ بھی قائم ہوکر مع قلعہ سب محلہ قاضی پورہ کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ سے اوپر کوٹ کی آبادی کا خاتمہ ہوگیا۔ عمارتیں منہدم ہوگئیں صرف قاضی محمود عثمانی کی ازسرنو تعمیر کی ہوئی اکبر شاہ کے وقت کی جامع مسجد شکستہ و کہنہ اسوقت باقی ہے یا مکانات کی چند بنیادیں اور قبریں زیر زمین ہیں۔ اب اوپر کوٹ عرصے سے اجاڑ ہوجانے کی وجہ سے ناواقف لوگ صرف آبادی جنوبی پائیں قلعہ کو قاضی پورہ سمجھتے ہیں۔
اوپر کوٹ "قلعہ مفتوحہ" قاضی محمد یوسف موصوف کے عہد سے میرے وقت تک سلسلہ بسلسلہ بلاشرکت غیرے انکی اولاد کے قبضہ میں رہا جس کا ذکر مفصل اپنے موقع پر ہوگا انشاءاللہ۔
المختصر قاضی موصوف نے سری نگر "بلگرام" پر خاص اپنا قبضہ رکھا منجملہ اس کے پائیں قلعہ کی زمین گوشہ جنوب ومشرق میں شریفوں اور سادات وغیرہ کو اور شمال سے گوشہ مشرق تک ملک ہادی ترمزی وغیرہ اور جانب مغرب سید جمال اور سید نصیر الدین برادر ولیسر غازی کمال شہید مذکور بن سید اعزالدین عرف لال پیر کو سکونت کے لیے عطا فرمائی۔
اور ساگرہ تالاب راجہ سری کا جو قلعے کے گوشہ شمال میں تھا وہ بھی تفریح کے لیے خاص اپنے قبضہ میں رکھا۔ بعد زمانہ دراز کے بند اور منہدم ہوگیا۔ اسکو انکی اولاد نے مع آراضی دیگر بزرگان

شیخ غلام اخی و شیخ نظر امام متولی کو بوجہ قرابت کے دیدیا ۔ راجہ سری کا خاص باغ آبادی کے جانب مشرق جہاں اب محلہ سلہڑ آبادی ہے اپنے تصرف میں رکھا اور اُس میں اور زمین شامل کر کے دو سو بیگھے کا بہت بڑا باغ ترتیب دیا جو بقول صاحب شرائف عثمانی آپ کی اولاد سے سید عبد الواحد اکبر اور اُن کے خاندان کو پہنچا ۔ اور جانب جنوب پائیں قلعہ راجہ سری سے جوئے کلیانی تک جہاں پہلا معرکہ راجہ سری سے ہوا تھا اور اب وہ ندی گرگیا کے نام سے بلگرام میں مشہور ہے کل آراضی آخر زمانے تک املاک قاضی کے نام سے مشہور اور انکی اولاد کے قبضہ و ملک میں رہی ۔ کچھ اس میں سے بدفعات مختلف زمانوں میں منتقل ہوئی ۔ اور باقی قرب و جوار بلگرام کے دیہات پر اُن کے قدیم مالکوں کے مطابعت قبول کر لینے پر انہیں کا قبضہ بدستور سابق قائم و بحال رکھا ۔ بعد فتح سرینگر راجہ سری کا ایک چچیرا بھائی موضع بوسر سے حضرت قاضی موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر بصدق دل مسلمان ہوا اور مختار دین نام رکھا گیا ۔ سلطان محمود غزنوی کا فرمان اُس کے نام صادر ہوا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت قاضی کی خدمت میں رہکر خاطر جمع سے رہے اُس کے بعد اس کا بیٹا اختیار دین باپ کے دستور پر جان و دل سے مطیع و فرماں بردار رہا ۔ راجہ سری کے زمانے کے کسی بھاٹ نے حضرت قاضی اور مختار دین مذکور کی تعریف بھی اپنی زبان میں کی ان سب باتوں کا ذکر مفصل اسی باب کی پہلی فصل میں اوپر گذرا سنہ ۴۲۰ھ چارسو بیس ہجری مطابق سنہ ۱۰۲۹ء ایکہزار انتیس عیسوی میں جب سید نصر الدین بن سید غازی کمال کو اپنے دادا سید اعزالدین ثانی المعروف بہ لال پیر کے گوپامئو میں شہید ہونے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے بذریعہ حضرت قاضی موصوف سلطان محمود غزنوی سے استدعا کی کہ میرے دادا سید اعزالدین فی سبیل اللہ گوپامئو میں اور میرے باپ غازی کمال سرینگر میں شہید ہوئے ۔ میں عیال اطفال ہمراہ رکھتا ہوں میری اور انکی گزر اوقات کی کوئی سبیل فرمائی جائے ۔ اس پر دو فرمان ایک موضع دیوالی معمولہ سری نگر اور نو سو بیگہ زمین زیر آبادی نگر مذکور کی بابت اور دوسرا فرمان تین سو پچاس بیگہ آراضی پختہ معمولہ قصبہ گوپامئو کی بابت بنام سید نصیر الدین مذکور سنہ ۴۲۱ھ چارسو اکیس ہجری میں نافذ ہوئے جنکی نقل پہلے

باب کی دوسری فصل میں سید نصیر الدین مذکور کے حال میں اوپر تحریر کی گئی ان فرمانوں میں سلطان محمود غزنوی نے فرمایا ہے کہ (سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبہ سرینگر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید) ترجمہ (سید نصیر الدین نے قصبۂ سرینگر کے حاکم ایمانداروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف مکی و مدنی کے ذریعہ سے خدا کے پاک اور برتر سائے "سلطان محمود غزنوی" کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی۔)

حضرت قاضی موصوف اپنے نام کا طغرا بخط ولایت تحریر فرماتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ دادا پردادا تک کے نام شامل کرتے تھے۔ اُن کے عہد کا تملیک نامہ ہی جو مسماۃ تاج النساء عرف تاجن بی بی بنت سید جعفر اکبر حسینی منکوحہ سید جمال بن سید اعزالدین مذکور "جو سید جمال کی زوجہ خاص قبیلے کی تھیں اور بعد توطن بلگرام سید جمال نے انکو بلوالیا تھا" نے بوکالت سید کامل بن سید اکبر بن سید محمد تاج حسینی اپنے متبنیٰ بھتیجے سید نصیر الدین بن سید غازی کمال مذکور کے نام دس بیگہ اور دس بسوہ زمین تین قطعوں کے بابت لکھا ہے جو انکو بعوض مہر اپنے شوہر متوفی کے ترکہ میں ملے۔ یہ تملیک نامہ چوتھی تاریخ ماہ جمادی الاول ۴۲۱ھ چار سو اکیس ہجری مطابق ۱۰۳۰ء ایک ہزار تیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ مبارک غزنوی۔ حسن فارسی۔ عالم بن نظام۔ سید فخر الدین۔ سید کلیجن۔ سید عین الدین غزنوی۔ لال متنار امیر احرار غزنوی۔ علامت دستخط بی بی تاجن۔ علامت دستخط سید کامل باذنہ۔ اس کے نیچے قاضی محمد یوسف موصوف کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔

اقر الوکیل بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داود الحاکم بقصبہ سرینگر

عبارت طغرا۔ اقر الوکیل بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داود الحاکم بقصبہ سری نگر

ترجمہ - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا وکیل نے اقرار کیا لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سرنیگر "بلگرام" کے حاکم نے -

یہ تملیک نامہ سید خیرات حسین بن سید کمال احمد ڈھیے کے بیان سے نکلا جو سید نصیر الدین مذکور وہ جن کے حق میں تملیک نامہ ہی" کے خاندان میں تھے - اس کی نقل کامل قاضی احمد اللہ عثمانی نے رسالۂ مسجلات میں اور شیخ غلام حسن ثمین فرشوری نے شرالف عثمانی نے بتاریخ یکم ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ ایکہزار دوسو اڑسٹھ ہجری مطابق ۱۸۵۱ء ایکہزار آٹھ سو اکیاون عیسوی میں اس کی ایک نقل اصل سے کی اور اُس نقل سے میں نے لکھا - اس کے علاوہ ایک بیعنامہ ہے جس کے اوپر کی عبارت بوجہ کہنہ اور بوسیدہ ہونے کے باقی نہیں رہی - جسقدر عبارت باقی رہی اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شئے کا بیعنامہ کسی عورت نے پچیس سکۂ رائج کے عیوض میں بنام سید نصیر الدین کمال بن سید اعزالدین مذکور بتاریخ پانچ جمادی الاول ۸۴۳ھ چارسو اڑتیس ہجری مطابق ۱۰۴۶ء ایکہزار چھیالیس عیسوی میں لکھا ہے اس کے نیچے قاضی محمد یوسف مذکور کے دستخط کا یہ طغرا ہے -

اقر المقره بما فیه کتبه یوسف بن عاصم بن خالد بن داود الحاکم لقصبه سرنیگر

عبارت طغرا - اقر المقره بما فیه کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم لقصبہ سرنیگر -

ترجمہ - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا اقرار کرنے والی نے اقرار کیا - لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبۂ سرنیگر "بلگرام" کے حاکم نے

یہ سجل وہی ہے جس کی نسبت مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حیات جلیل مطبوعۂ الہ آباد ۱۹۲۹ء ایکہزار نوسو انتیس عیسوی کے چوالیسویں صفحے کی آخری سطر سے پنتالیس صفحے کے شروع کی سطروں میں لکھا ہے (شرالیف عثمانی کی تالیف کے وقت تک قاضی

یوسف موصوف کا ایک سجل مرقومہ ۱۰۲۳ھ ۱۰۴۶ء، میر سید عزیز الدین[1] معروف بہ لال پیر گوپاموی کے احفاد و اخلاف کے قبضے میں موجود تھا۔ میر غلام علی آزاد بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں) اب مفصل کیفیت سجل مذکور کی ملاحظہ ہو۔

یہ بعینامہ سید محمد باقر ولد سید بدر بن خضر ڈھبئے کے یہاں سے نکلا جو سید نصیر مشتری شئے مبیعہ مذکور کے خاندان میں سے تھے۔ اس کی بھی نقل جسقدر عبارت باقی رہ گئی تھی رسالہ سجلات اور شرائف عثمانی میں ہے۔ اور ان دونوں مذکورۂ بالا سجلوں کی تصدیق میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں کی ہے جیسا کہ اس باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا۔

واضح ہو کہ دونوں سجل متذکرہ بالا اصل بخط کوفی زبان فارسی میں تھے۔ چونکہ ان سے قاضی محمد یوسف مذکور کی حکومت سرینگر "بلگرام" کا ثبوت ملتا ہے اس لیے انکو مخالفین کی لن ترانیوں کی تردید کے لیے قضات عثمانی نے حاصل کرکے دفتر قضا میں محفوظ کرلیا اور مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایکہزار آٹھسو اکتر عیسوی تک ان کے یہاں رہے بعدہٗ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دیکر لیگئے اور ان سے تلف ہوگئے جس کا ذکر مفصل اس باب کی پہلی فصل کے آخر میں صورتحال کی نقل کے بعد ہوچکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کے شروع پر ۴۲۱ھ اور ۱۰۲۳ھ ہجری کے کوفی کتبے یہی دونوں سجل مذکور الصدر ہیں۔

واضح ہو کہ آپنے اپنے اخیر زمانہ میں سرینگر کے بجائے اس کے قدیم نام بل گرام میں کچھ تصرف اپنی زبان کے موافق کرکے بتخفیف لام بلگرام کردیا جو آج تک مشہور ہے۔ صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ بعض اسناد کی رو سے کالپی اور فتح پور ساندی میں بھی آپکی حکومت متحقق ہوتی ہے۔

نوٹ[1]: یہ نام غلط ہے اعزالدین چاہیے۔

آپ نے بلگرام فتح کر کے قلعہ راجہ سری کو اپنی سکونت خاص قرار دینے کے بعد اس پر کچھ عمارتیں بھی بنوائیں۔ ۱۳۴۳ھ ایکہزار تین سو تنتالیس ہجری مطابق ۱۹۲۵ء ایکہزار نو سو پچیس عیسوی میں جب قلعے پر کی کہنہ و شکستہ جامع مسجد موجودہ کی معمولی چھت چندے سے بنی تو قریب سقف منہدمہ ہشت پہل دیواروں کے گوشہ کھودنے پر اُن گوشوں میں لگے ہوئے چند کتابوں کے پتھر کچھ مسلم اور کچھ ٹکڑے برآمد ہوئے جو قاضی محمود عثمانی بانی مسجد موجودہ نے بوقت تعمیر مسجد اس کی عمارت میں لگوا دیئے تھے جن کا علم اُس زمانہ کے بعد کسی کو نہ تھا۔ ان کتابوں میں بعض ایسے ہیں جن کے حروف بالکل جلتے رہے ہیں اور عبارت کا کوئی لفظ پڑھا نہیں جاتا۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خط نسخ بطور طغرا میں ہیں یہ کتابے انہیں عمارتوں کے ہیں جو قاضی صاحب موصوف اور انکی اولاد نے اوائل میں قلعے پر بنوائی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک پتھر کا ٹکڑا ہے جس پر تین سطریں منقوش ہیں۔ پہلی سطر میں (جامع ... بلگرام فی العہد ابراہیم اور دوسری سطر میں (طان سلطان ...... ملکہ) اور تیسری سطر میں (ذولسار ..... بلگرام خلد ملکہ) پڑھا جاتا ہے۔ جہاں درمیان میں جگہ چھوڑ دی ہے وہاں کے الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

یہ قدیم جامع مسجد کے کتابے کا ٹکڑا ہے جو قاضی صاحب موصوف نے اپنے اخیر زمانے سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے عہد میں قلعہ مذکور پر بنوائی تھی کتابے کے ٹکڑے پر پہلی سطر میں "جامع" کے آگے جو لفظ غائب ہے وہ غالباً "مسجد" کا لفظ ہے اور "فی العہد ابراہیم" یہی سلطان ابراہیم موصوف ہیں۔ کتابے کے بقیہ ٹکڑوں میں کسی پر سنہ تعمیر مسجد بھی ضرور ہوں گے مگر وہ دستیاب نہ ہوئے کئی پتھر جامع مسجد موجودہ کی دیوار غربی کے آثار میں بھی لگے ہیں مگر ان کا نکلنا دشوار ہے وہ سب زمانہ قدیم کی یادگار ہیں۔

جو پتھر جامع مسجد موجودہ کی چھت بننے کے وقت بہم پہنچے اور جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ سب برخوردار قاضی محمد یوسف علی عثمانی سلمہٗ کے گھر میں اس وقت موجود ہیں اور ان کا ذکر اپنے اپنے موقع پر ہوگا۔ ایک سنگ کتابہ مسجد کی فصیل پر الٹا لگا ہوا تھا وہ میں نے اپنے سامنے ۱۳۴۷ھ ایکہزار تین سو سینتالیس ہجری مطابق ۱۹۲۸ء ایکہزار نو سو اٹھائیس عیسوی

میں نکلواکے دیکھا اس پر فارسی میں تین شعر خط نسخ میں منقوش ہیں۔ پہلے شعر کے مصرع اول کے آخر (ابراہیم حسن) اور دوسرے شعر کے مصرع اول کے آخر (پنجم السال) اور مصرع ثانی کے آخر (کن نگاہ) اور تیسرے شعر کے مصرع ثانی کے آخر (صاحب پاہ) صرف پڑھا جاتا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کس موقع کا کتابہ ہے یہ بھی برخوردار قاضی محمد یوسف علی مذکور کے گھر میں میں نے رکھوا دیا۔

واضح ہو کہ جامع مسجد موجودہ جس کے بالائے گوشے بوقت تعمیر سقف کھودنے پر کتابہائے مذکور برآمد ہوئے۔ یہ ۱۱۰۰ھ ایکہزار گیارہ ہجری مطابق ۱۶۰۲ء ایکہزار چھ سو دو عیسوی میں از سرِ نو بنی اور سنگہائے مذکور جو اسوقت تک قلعے پر باقی رہ گئے تھے منجملہ ان کے جن کے حروف جاتے رہے تھے وہ مسلم اور باقی متفرق ٹکڑے بیکار سمجھکے قاضی محمود عثمانی نے عمارت مسجد میں صرف کر دیے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک سوا شیوخ عثمانی کے بلگرام میں کوئی دوسرا خاندان فتح و قدامت کا مدعی نہ تھا اور شیوخ عثمانی ہی کی فتح۔ قدامت اور حکومت کا سکہ بلگرام میں بیٹھا ہوا تھا۔ ورنہ یہ قدیم یادگاریں جو عثمانیوں کے دعوے کے ثبوت کے لیے پتھر کی لکیریں ہیں ان کے ٹکڑے بھی ہرگز فضول جان کے عمارت میں مخفی نہ کر دیئے جاتے اور جس طرح بارہویں صدی ہجری میں فتح و قدامت کے طوفان بے تمیزی کی وجہ سے بیچارے قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی کو مدعیان مخالف کے منہ میں لقمہ دینے کے لیے تمام بلگرام کے قدیم سجلات و قرامین وغیرہ کی اصلیں اور نقلیں فراہم کرکے اپنے دفتر قضا میں محفوظ رکھنے کی زحمت اٹھانا پڑی اسی طرح یہ سنگین ثبوت بجائے صرف عمارت کرنے کے کسی ایسی جگہ محفوظ کیے جاتے جہاں ہر مدعی ہر وقت انکو دیکھکر اصل فاتح کا قلعے وغیرہ پر قبضہ و دخل اور اس کی قدامت سے واقف ہو سکتا۔ خیر بفوائے کل امر مرہون باوقاتہا ان کے ظہور کا وقت اب تھا اور انکی موجودگی کی ضرورت بھی اب زیادہ تھی۔ مگر ہاں یہ ضرور ہی کہ ادعائے فتح کا طوفان جو اس وقت برپا ہے اگر پہلے ہوتا تو جو پتھر عمارت مسجد مذکور میں بجائے اینٹوں کے لگا دیے گئے وہ بھی رکھ لیے جاتے اور علاوہ ان کے جو بے پرواہی سے تلف ہو گئے انکی بھی محافظت کی جاتی۔ خیر اب جو مل گئے ہیں اور جو پہلے کے بچے بچائے

باقی ہیں۔ انکو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا اور حق و ناحق کا امتیاز کرنا چاہیے۔

آپ کا شروع زمانہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں اور انتہا سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے عہد تک تھا۔ یہ سب سلاطین مثل سلطان محمود غزنوی کے آپ کے ساتھ مراعات ملحوظ خاطر رکھتے رہے۔ اور "سری نگر و بلگرام" میں آپکی حکومت بماتحتی سلاطین موصوف آپکی آخر عمر تک قائم و بحال رہی۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش چوتھی ہجری کے ربع چہارم آخر عہد امیر ناصر الدین سبکتگین میں اور وفات پانچویں صدی ہجری کے آخر عہد سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے۔ صرف تاریخ وفات ماہ رجب کی نویں نظر سے گذری۔ مزار شریف میدان بیل کے گوشہ جنوب و مشرق میں ہے۔

ساتویں صدی ہجری کے ربع اول میں جب آپ کے پوتے قاضی محمد یوسف ثانی کا انتقال ہوا اور انکی قبر آپکی قبر سے ملحق بنی تو اُن کے بیٹے قاضی عبد الکافی نے اُنکی اور آپکی دونوں قبروں پر گنبد تعمیر کر کے سنگ کتابہ نصب کیا۔ ذکر مفصل اس کا قاضی محمد یوسف ثانی کے حال میں آگے ہوگا۔

قاضی شمس الدین

آپ کی کنیت ابو القاسم۔ قاضی محمد یوسف مذکور کے بڑے بیٹے نہایت عالم فاضل اور ادیب تھے۔ چنانچہ آپ کے دستخطوں میں ادیب کا لفظ موجود ہے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سرینگر کے حاکم ہوئے۔ اور امر قضا اپنے چھوٹے بھائی قاضی محمد ظہیر الدین کے متعلق کیا کوئی کاغذ دستخطی قاضی محمد ظہیر الدین کا دستیاب نہیں ہوا۔ سکونت خاص قلعہ "راجہ سری" اوپر کوٹ" پر تھی۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ بلگرام کے معاملات میں جو بعض احکام سلاطین کے آپ کے نام صادر ہوئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلاطین غزنویہ کے عہد میں بڑے ذی رتبہ اور عمدہ روزگار تھے۔ سیتارام برہمن لکھنے چودھری قصبہ سرینگر کے گھر میں ایک صورتحال نکلا

اس میں لکھا ہے کہ اگنگارام زنار دار بعضے رسوم از مواضع بلگرام بسبب وراثۂ جد فاسد خود از قدیم داشت وہر گاہ کہ رسومات مذکورہ را اختیار دین کہ مواضع مذکور متعلق باوست نمی داد درحضور نواصی النور رافع رسید و استغاثہ نمودم ۔ حکم دار السلطان بہرام شاہ صادر شد کہ شیخنا محمد شمس الدین حاکم آنجاست باو رجوع نماید وچوں رافع رجوع باو آوردم واطاعت اسلام قبول کردم حکم شد کہ سوم حصہ واگزارند و باقی بدیگر زنارداراں اگر حاضر شوند رسانند والا ضبط نمایند تحریر فی التاریخ سابع آذر ماہ الہی ۵۲۳ھ ثلاث عشرین وخمس مائۃ) ترجمہ (گنگارام برہمن کو بلگرام کے موضعوں سے بعض مقررہ رقمیں بسبب وراثت اپنے نانا کے قدیم سے ملا کرتی تھیں جب وہ رقمیں اختیار دین جس کے متعلق مذکورہ موضع ہیں نہیں دیتا تھا تو داد خواہ "میں" نے روشن پیشانی "معزالدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم" کی حضور میں پہنچکر داد خواہی کی ۔ سلطان بہرام شاہ کا بزرگ حکم صادر ہوا کہ ہمارے شیخ محمد شمس الدین وہاں "بلگرام" کے حاکم ہیں اُن سے رجوع کرے جب رجوع کرنے والا "میں" اُن "قاضی شمس الدین مذکور" کی طرف رجوع ہوا اور اسلام کی اطاعت قبول کی تو حکم ہوا کہ تہائی حصہ چھوڑ دیں اور باقی دوسرے برہمنوں کو اگر حاضر ہوں تو پہنچا دیں ورنہ ضبط کریں تحریر تاریخ ۷ آذر "مطابق پوس" ماہ الہی "ماہ شمسی" ۵۲۳ھ پانچسو تئیس ہجری) صورتحال مذکور پر سلطان بہرام شاہ کے حکم سے آپ کا حاکم بلگرام ہونا ثابت ہے کہ جسطرح آپکے پدر بزرگوار قاضی محمد یوسف کو سلطان محمود غزنوی نے اپنے فرمان میں حاکم سری نگر لکھا ہے اُسی طرح سلطان بہرام شاہ نے آپکو حاکم بلگرام لکھا ہے کہ (شیخنا محمد شمس الدین حاکم آنجاست) اور اپنے باپ کی طرح آپ بھی دستخطوں میں اپنے آبا کے نام اور علانیہ اپنے آپکو حاکم بلگرام لکھتے تھے ۔ جیسا کہ آگے نقل و دستخط طغرا سے معلوم ہوگا ۔

صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ ایک قطعہ سجل ساتویں تاریخ ماہ ربیع الاول ۵۱۴ھ پانچسو چودہ ہجری کا لکھا ہوا جس پر آپکے دستخط موجود تھے میں نے رجن ترکمان ساکن ملکنڈہ کے گھر میں دیکھا ۔ یہ سجل خواجہ عماد الدین کی درگاہ کے پاس کی زمین کے جھگڑے کے فیصلے کی بابت خط تعلیق میں لکھا ہوا ہے ۔

نقل دستخط طغرا کی یہ ہے۔

عبارت طغری۔ اقر المقر بما فیہ کتبہٗ ابو القاسم شمس الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم لقصبۂ بلگرام۔ ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا۔ لکھا اُسکو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ابو القاسم شمس الدین ادیب قصبہ بلگرام کے حاکم نے اس کے علاوہ ایک نقل بیعنامہ ہے جو قاضی احمد اللہ عثمانی نے اصل سے لی تھی اور اب اس نقل کی کل عبارت کاغذ بوسیدہ ہو کر تلف ہو گئی" کے نیچے صرف دستخط کا طغرا باقی رہگیا ہے بلکہ کچھ بالائے حصہ طغرے کے حروف کا بھی جاتا رہا ہے اس کے شروع کی عبارت سے دریافت ہوتا ہے کہ یہ طغری سجل بیعنامہ کے نیچے تھا۔ وہ عبارت یہ ہے۔ اقر المقر بالبیع وقبض الثمن ترجمہ۔ اقرار کرنے والے نے بیچنے اور قیمت مٹھی میں لینے کا اقرار کیا۔ باقی طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک نامکمل پھٹے ہوئے حروف میں وہی ہے جو سجل اول میں لکھا گیا۔

ایک بیعنامہ موضع سینڈا معمولہ پرگنہ بلگرام کا گوبند ولد گوپال اور ہردیال ولدچین ابنائے سمیر قوم راجپوت جنوار کیطرف سے آپکے بیٹے قاضی محمد یوسف ثانی عثمانی کے حق میں دسویں تاریخ ماہ ذیقعدہ سنہ ۹۰۵ھ پانچسونوی ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۳ء ایکہزار ایکسو ترانوے عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اسپر گواہیاں ہیں۔ مہانند ہندی۔ لچھمن ہندی۔ سیتارام ملکینا چودھری قصبہ سرینگر۔ جلال۔ سلطان۔ حسین۔ سید معین الدین غزنوی۔ عبداللہ ترکمان۔ سید کامل۔ شہاب الدین غزنوی۔ غازی الدین ترمذی۔ حفیظ اللہ اعوان۔ سید حبیب اللہ

غزنوی۔ اُس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغری ہے۔



عبارت طغری اقرالمقرین وقبض الثمن کتبہٗ ابوالقاسم شمس الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الادیب الحاکم لقصبۂ بلگرام۔ ترجمہ اقرار کرنے والوں نے اقرار کیا اور قیمت مٹھی میں لی لکھا اسکو داؤد عثمانی کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ابوالقاسم شمس الدین ادیب قصبۂ بلگرام کے حاکم نے۔

بعض کا خیال ہے کہ جب شہاب الدین محمد غوری نے پتھورا کو گرفتار کرکے قتل کیا اور اُس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ۵۹۰ھ پانچ سو نواسی ہجری مطابق ۱۱۹۳ء ایک ہزار ایکسو ترانوے عیسوی میں راجہ جے چند پر حملہ کرکے قنوج فتح کیا اور قرب وجوار کے ہندو راجاؤں وغیرہ کی حکومت اور قوت تباہ و برباد ہوئی تو اسی وقت بلگرام میں بھی مسلمانوں کا قیام اور قبضہ مستقل ہوا۔ مگر یہ خیال بلگرام کے واقعات اور عہد سلطان محمود غزنوی سے اسوقت تک مسلمانوں کے مسلسل قیام اور قبضہ۔ حکومت اور سجلات قدیم پر نظر کرتے ہوئے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ قاضی شمس الدین موصوف الصدر کی حکومت بلگرام میں موجود تھی جو زمانہ سلطان بہرام شاہ مذکور سے ثابت ہے۔ اور بعد بہرام شاہ کے کسی وقت بلگرام کی حکومت مسلمانوں کے قبضے سے نکل جانا متحقق نہیں۔ کیونکہ ۵۱۴ھ پانچ سو چودہ ہجری مطابق ۱۱۲۰ء ایک ہزار ایکسو بیس عیسوی سے ۵۹۰ھ پانچسو نوے ہجری مطابق ۱۱۹۳ء ایکہزار ایک سو ترانوے عیسوی تک کے سجلات دستخطی قاضی شمس الدین کا ذکر ہو چکا جن میں آپکے نام کے ساتھ مسلسل لفظ "حاکم بلگرام" موجود ہے۔ پس ثابت ہے کہ قطب الدین ایبک کے قنوج

پر حملے کے وقت بلکہ اس کے بعد بھی بلگرام پر مسلمانوں کا مسلسل قیام قبضہ اور بیع و شرار وغیرہ کا رواج بقاعدۂ اسلام رہا اور کوئی تغیر یہاں کے اسلامی قیام اور قبضہ و حکومت میں نہیں ہوا البتہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں جو اکثر مقامات میں ہندو راجاؤں کا غلبہ ہوگیا تھا ** بلگرام میں کسی ہندو راجہ کا غلبہ متحقق نہیں۔ سلاطین غزنی کا خاتمہ۔ سلطنت غوری کی ابتدا اور دہلی کا تخت گاہ اسلام ہونا یہ سب باتیں قاضی صاحب موصوف کے زمانے ہی میں ہوئیں اور آپ کی حکومت کا آخری حصہ سلطنت غوری کی ماتحتی میں گزرا۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش نصف پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی کے بعد عہد سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی میں اور وفات چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کے آخر عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری اور عمر قریب اکیسو چالیس برس کے معلوم ہوتی ہے۔ صرف تاریخ وفات ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں نظر سے گذری سکونت خاص قلعۂ راجہ سری " اوپرکوٹ " مزار آپ کا اس باغ میں ایک پختہ چبوترے پر ہی جو آپ کے پدر بزرگوار نے راجہ سری کے باغ میں اور زمین شامل کرکے ترتیب دیا تھا۔ اب محلہ سلہڑا وہاں آباد ہے اور مزار سلہڑے کی مسجد کلاں اور وہاں کے پیرزادوں کی خانقاہ کے احاطہ کے دروازہ کے سامنے پورب طرف اور سید احمد مرحوم کی کوٹھی کے گوشہ جنوب وغرب میں موجود ہے۔ اس کے قریب ایک پختہ اندارا ہی جو باغ مذکور میں انکی اولاد میں سے قاضی عبدالدائم عثمانی بن قاضی محمود اللہ داد بن قاضی عبدالکافی بن قاضی محمد یوسف ثانی میں آنجناب نے بنوایا تھا۔

قاضی محمد یوسف ثانی

آپ ابوالقاسم قاضی محمد شمس الدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ دو لحاظ سے یوسف ثانی مشہور ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دادا محمد یوسف کے ہمنام تھے بعد ان کے یوسف ثانی کہلائے۔ اور دوسرے یہ کہ نہایت حسین وجمیل تھے اور حسن وجمال یوسف پیغمبر علیہ السلام

کا مشہور رہے لہذا بعد اُن کے یوسف ثانی آپ تھے ۔ اپنے پدر بزرگوار کے بعد اپنے آبا کیطرح بلگرام کے حاکم رہے سکونت خاص قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" پر تھی ہمیشہ کفار کی تباہی اور احکام شریعت جاری کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وقت میں بلگرام کی حکومت سلطنت دہلی کی ماتحت رہی۔

اپنے عہد حکومت میں اپنے چچیرے بھائی قاضی کمال الدین بن قاضی ظہیر الدین کو نیابتاً انصرام قضا پر مامور فرمایا۔ دستور یہ تھا کہ قاضی وقت سجلات کے نیچے اپنے آپکو حاکم اور آس کے اور بھائی جو نیابتاً کام کرتے تھے وہ اپنے آپکو نائب کہتے تھے ۔

خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ آپ ہی نے اپنے وقت میں بنوائی اور دو غلام قلندر اور ابراہیم اپنی ملک سے درگاہ خواجہ صاحب کی مجاوری کے لیے آزاد کرکے اُن کو درگاہ کے متصل پانچسو چوراسی گز زمین سکونت کے لیے ہبہ کردی اور جو باغ آپکے جد امجد نے لگایا تھا جس کا ذکر ان کے حال میں ہوا۔ اس میں سے نو بیگہ سولہ بسوہ پختہ زمین سلہڑے پرجلاہوں کو عنایت کی ۔ قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" پر گوشہ شمال و مشرق میں ایک عالی شان دار العدالت حاکم نشین تعمیر کیا اُسی میں عدالت اور آپکی نشست ہوتی تھی۔

شرالف عثمانی میں لکھا ہے کہ جامع جمیع فضائل علمی و دینی تھے ۔ لوگ اس وقت آپکو ادیب کہتے تھے ۔ آپکے نام سلاطین کے اکثر احکام صادر ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی مضمون اُس کا یہ تھا (درینولا بعضے اعزہ ازراہ طمع باستصواب ہندواں سخن را بہپلوی دیگرمے نشانند و امتناع ہواخواہ بسمع قبول درنمی آرند و در اکثر امور خود ہارا درمیان مے آرند و ہنگام تہدید مفسداں را در پناہ خود نگاہ مے دارند و ما علینا الا البلاغ) ترجمہ (آجکل بعض اعزہ طمع کی راہ سے ہندوؤںکی طرفداری کرتے اور بات کو کچھ کا کچھ کردیتے ہیں ۔ میری روک ٹوک نہیں مانتے اور اکثر امور میں اپنے آپ کو بیچ میں ڈالدیتے ہیں۔ اور ہدایت کرنے کے وقت مفسدوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں ۔ عرض کردینا ہمارا کام ہے) عرضداشت کی پشت پر لکھا ہے (حکم حضور شرف نفاذ یافتہ کہ احکام نبوی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جاری نماید وایشاں را از میان بردارد و تاکید داند فی التاریخ الخامس

خرداد ماہ الہی سنہ خمس وستمائتہ) ترجمہ (حضور سلطان قطب الدین ایبک " کا حکم جاری ہوا کہ احکام نبوی " ان پر اور آنکی آل پر درود اور سلام ہو " جاری کرے اور ان لوگوں کو درمیان سے علیحدہ کردے تاکید جانے ۔ تاریخ پانچویں خرداد " مطابق اساڑھ " ماہ الہی " ماہ شمسی سنہ ۶۰۵ چھ سو پانچ " ہجری " آپ کا دستخطی کوئی کاغذ دستیاب نہیں ہوا ۔

ایک نسب نامۂ قدیم میں لکھا ہے کہ آپ نے عالم رویا میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا اے یوسف تیری عمر کا خاتمہ ہوا اور کافی کو عمر کافی ملی چنانچہ اس خواب کے بعد آپکو کسی نے زہر سے ہلاک کیا اور کافی " آپکے بیٹے قاضی عبدالکافی " کی عمر برابر دو عمر طبعی کے ہوئی ۔ واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپ کی چھٹی صدی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کے ربع اول عہد معز الدولہ بہرام شاہ بن علاء الدولہ مسعود بن سلطان ابراہیم غزنوی میں معلوم ہوتی ہے ۔ اور وفات ساتویں تاریخ ماہ ذیقعدہ کو بقولے سنہ ۶۲۳ چھ سو تئیس ہجری مطابق سنہ ۱۲۲۶ ایکہزار دوسو چھبیس عیسوی اور مادۂ تاریخ " شہید شد " ہے اور بقولے سنہ ۶۰۸ چھ سو آٹھ ہجری مطابق سنہ ۱۲۱۱ ایکہزار دوسو گیارہ عیسوی عہد سلطان شمس الدین التمش ہیں ۔ مزار پرانوار میدان بیل کے گوشہ جنوب غرب میں اپنے دادا قاضی محمد یوسف گازرونی کی قبر کے پہلوی شرقی میں ہے ۔ آپ کی وفات کے بعد آپکے پسر قاضی عبدالکافی نے آپ اور آپکے جد بزرگوار دونوں کی قبروں پر جو پاس پاس تھیں گنبد تعمیر کرواکے اس پر سنگ کتابہ نصب کردیا جس پر غالباً تعمیر گنبد کے سن منقوش تھے ۔ زمانہ دراز کے بعد گنبد منہدم ہوگیا اور مزار کے اطراف میں منہدم بنیادوں کے نشانات باقی رہگئے سنہ ۱۱۱۲ ایکہزار ایکسو بارہ ہجری مطابق سنہ ۱۷۰۰ ایکہزار سات سو عیسوی میں حافظ علی اکبر عثمانی نے ازسر نو چوکھنٹا چبوترہ گچ سے بنوایا ۔

واضح ہو کہ مسودہ شرالف عثمانی میں تو لکھا ہے کہ سنگ کتابہ مذکور پر بہت سے نقش خط قدیم میں کندہ ہیں جن میں سے اسقدر کلمات پڑھے جاتے ہیں (ہذا روضہ یوسف فی التاریخ السابع من شہر ذیقعدہ سنہ ثلث وعشرین وستمائتہ) ترجمہ (یہ یوسف کا روضہ ماہ ذیقعدہ کی ساتویں تاریخ سنہ ۶۲۳ چھ سو تئیس میں بنا) ۔ اور انہی سنوں کے مطابق مولف شرالف عثمانی نے مسودے میں مادہ تاریخ وفات " شہید شد " لکھدیا ہے ۔ مگر رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں قاضی احمد اللہ

عثمانی نے آپکی وفات کے ۸۰۶ھ چھ سو آٹھ ہجری تحقیق کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے باپ قاضی محمد احسان اپنے باپ قاضی محمد ناصر سے نقل کرتے تھے کہ ایک دن قاضی محمد ناصر شیخ علی اکبر عثمانی کو جو قاضی محمود کے فرزندوں میں سے تھے اپنے ساتھ قاضی یوسف کی قبر پر لے گئے اور وصیت کی کہ قاضی یوسف جد کلاں کی یہ قبر ہے اس کی مرمت کرنا۔ شیخ علی اکبر نے قاضی محمد ناصر کی وصیت کے بموجب بڑے چبوترے کو مختصر کر کے قاضی یوسف کی قبر تعمیر کی اُس کے سنگ مزار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی یوسف کلاں کے پوتے قاضی یوسف ثانی کی قبر ہے۔ کیونکہ پتھر پر خط قدیم میں جو بخوبی پڑھا نہیں جاتا منقوش ہے (ہذا روضہ یوسف التاریخ السابع من شہر ذیقعدہ سنہ ثمان وستمائۃ) ترجمہ (یہ یوسف کا روضہ ہے۔ تاریخ ساتویں مہینا ذیقعدہ ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ) بعد کو وفات کے ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہجری محقق اور مسلم ہونے پر مولف شرائف عثمانی نے بھی نسخہ ثانی میں ترمیم کردی اور سنگ کتابہ کی نقل میں مولف رسالہ مسجلات کی تحریر کے مطابق ۶۰۸ھ ہی ہجری لکھ دیے اور یوسف کے آگے لفظ "ثانی" اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ یہ تو ہوا مگر سنگ کتابہ کے سنون اور کتب مذکور کی تحریروں میں اختلاف اور شک پیدا ہو گیا۔ پس حقیقت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات کے تو ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہی ہجری صحیح ہیں لیکن سنگ کتابہ پر بموجب تحریر مسود۔ شرائف عثمانی ضرور ۶۲۳ھ چھ سو تئیس ہجری جو اُس کے مولف سے پڑھے گئے یا اور جو کچھ ہوں منقوش تھے اور وہ سن گنبد مذکور کی تعمیر کے تھے جنہیں سنہ وفات سمجھے ہیں مولف شرائف عثمانی کو پہلے غلط فہمی ہوئی۔ بوجہ مرور ایام سنگ کتابہ کے سن صاف کسی سے پڑھے نہیں گئے چنانچہ دونوں مولفین مذکورنے سنگ کتابہ کے نقوش کا صاف پڑھا جانا تحریر کیا ہے لہٰذا وہ مشکوک سن وفات کے سنون کے لحاظ سے لبطن خود ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہجری رسالہ مسجلات اور شرائف عثمانی نسخہ ثانی مکمل میں غلط فہمی سے نقل کر دیے گئے۔

اصل میں قاضی محمد یوسف کلاں اور قاضی محمد یوسف ثانی دونوں ہمنام دادا پوتوں کی قبریں برابر پاس پاس تھیں اور قاضی محمد یوسف ثانی کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے قاضی عبدالکافی نے اُن دونوں قبروں پر سن چھ سو چند ہجری میں جو صاف اور بخوبی پڑھے نہیں جا سکے گنبد تعمیر کروا کے سنگ کتابہ مذکور نصب کر دیا جس پر دونوں متوفی بزرگوں کے ہمنام ہونیکی

وجہ سے عبارت (ہذا روضہ یوسف الخ) مغشوش تھی - بہرحال اگر سنگ کتابہ پر سنہ وفات ہی تھے تو وہ سنہ چھ سو آٹھ ہجری تھے جو بخوبی پڑھے نہیں جا سکے - وفات کی تاریخ اور اور مہینہ دوازدہم صفر معلوم ہوا ہے - مولف حیات جلیل نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۰ کی سطر ۱۶ میں جو آثار قدیمۂ بلگرام کی فہرست میں نمبر اول پر لکھا ہے (درگاہ قاضی یوسف - سالار فوج سلطان محمود غزنوی سنہ ۱۲۱۱ء) وہ یہی گنبد مذکور ہے اور دو ہمنام قاضی یوسف دادا پوتوں کی قبریں ایک ہی گنبد میں ہونے کی وجہ سے قاضی یوسف ثانی کی وفات کے سنہ ہجری مطابق سنہ ۱۲۱۱ ایکہزار دو سو گیارہ عیسوی معروف و مشہور قاضی یوسف اول کی نسبت خیال کر کے صرف انہیں کی درگاہ سمجھے اور قاضی یوسف کے آگے " سالار فوج سلطان محمود غزنوی لکھدیا۔

اب میرے وقت میں وہ حافظ شیخ علی اکبر کا بنوایا ہوا چبوترہ مذکور بھی شکستہ اور منہدم ہو گیا اور سنگ کتابۂ مذکور کا بھی پتا نہیں مگر دونوں تربتیں موجود ہیں - خدا انکی اولاد میں سے کسی کو توفیق دے کہ ان کی درستی اور رمرمت کرے - چونکہ مجھپر بھی خاص حق ہے مگر افسوس کہ بدقسمتی سے بالکل بے استطاعت ہوں - البتہ دیگر اعزہ خاندان کو ترغیب دیکر انکی تعمیر کی کوشش کر رہا ہوں خدا کرے مشکور ہو۔

قاضی کمال الدین

ابوالقاسم قاضی محمد شمس الدین کے چھوٹے بھائی قاضی محمد ظہیر الدین کے بیٹے اور قاضی محمد یوسف ثانی مذکور کے چچیرے بھائی ہیں - آپ بھی اپنے وقت کے ادیب تھے - مقام سکونت خاص قلعہ راجہ سری مد او پر کوٹ " قاضی محمد یوسف ثانی نے اپنے حکومت میں نیابتًا انصرام قضا پر مامور فرمایا - انکی وفات کے بعد بھی ان کے بیٹے قاضی عبدالکافی کے زمانہ میں بدستور نائب رہے - چنانچہ اس وقت کے قبالوں پر آپ کے دستخط ملتے ہیں - منجملہ ان کے ایک بیعنامہ ہے جو مساۃ دانش بنت امام فخر بن عظام نے ایک لبسوہ زمین موضع بوسرا اور ایک لبسوہ زمین موضع بنوڑی جملہ دو لبسوہ کی بابت بعوض چودہ سکہ رائج کے عین اور عظام

کے حق میں لکھا ہے جسکی مالک وہ اپنی ساس بی بی فاطمہ بنت جلال منکوحۂ اجل بن عظام کی طرف سے بسبب تملیک کے تھیں۔ یہ بعینامہ ستائیسویں تاریخ ماہ شعبان ۶۳۴ھ چھ سو چونتیس ہجری مطابق ۱۲۳۶ء ایکہزار دوسو چھتیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ جلال الدین امیر حسن شریف۔ سید سالار حسین۔ سید خطیر شہاب کاکر ظفر کبیر کوتوال ماضی۔ برمک بن سالار حسین۔ ملک سلطان شہ حسین۔ جمال سعد۔ اس کے نیچے آپکے دستخط کا یہ طغری ہے۔



عبارت طغری سمعت الاقرار والاشہاد وکتبہ کمال بن ظہیر بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الادیب النائب۔ بقصبہ بلگرام۔ ترجمہ۔ میں نے اقرار اور گواہیوں کو سنا لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ظہیر۔ ظہیر کے بیٹے کمال ادیب قصبہ بلگرام کے نائب نے۔ یہ بعینامہ محمد دائم شریف ساکن محلہ ملکنٹہ کے گھر سے نکلا۔ قاضی احمد اللہ عثمانی نے پہلے اسکی نقل کرلی بعدۂ اصل قبالہ بھی مل گیا وہ دفتر قضا میں محفوظ رہا۔ میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنٹہ نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں اس کی تصدیق کی ہے جیسا کہ دوسرے باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا۔ شجرالف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں اس کی نقل کامل موجود ہے۔ قاضی شریف احمد عثمانی نے بتاریخ ۱۸ ذالحجہ ۱۲۶۸ھ ایکہزار دوسو اڑسٹھ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء ایکہزار آٹھ سو باون عیسوی میں اصل سجل سے نقل کی ہے اور اس نقل سے میں نے لکھا ہے۔

واضح ہو کہ یہ اصل سجل بخط کوفی زبان فارسی میں تھا اس کو قضات عثمانی نے اپنے بزرگوں

کی سرداری کے ثبوت کے لیے حاصل کر کے دفتر قضا میں محفوظ کر لیا اور مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۹۱۸ء ایکہزار آٹھ سو اکتر عیسوی تک اُن کے یہاں رہا بعدہٗ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دیکر لے گئے اور اُن سے تلف ہو گیا جس کا ذکر مفصل دوسرے باب کی پہلی فصل کے آخر میں صورتحال کی نقل کے بعد ہو چکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کی پہلی مد میں تیسرالکتبہ کوفی ۶۳۳ھ ہجری کا یہی بیعنامہ مذکورالصدر ہے۔

نسب نامہ قدیم میں لکھا ہے کہ قاضی محمد یوسف ثانی کے سگے بھائی حسن اور آپنے قاضی محمدؒ یوسف ثانی کی طرح خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے فرزندوں کی اولاد پر تمہاری نسل کا خاتمہ اور خود آنکی عمریں دراز ہوں گی۔ چنانچہ حسن کے بیٹے رکن الدین اور آپکے بیٹوں محمد رحم اللہ اور محمد معروف کی عمریں بہت ہوئیں اور محمد معروف کے بیٹے محمد ضیار پر نسل ختم ہو گئی۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش چھٹی صدی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کے ربع دوم عہد معزالدولہ بہرام شاہ بن علارالدولہ مسعود بن سلطان ابراہیم غزنوی میں اور وفات ساتویں صدی ہجری مطابق تیرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے۔ مزار شریف کا مقام صحیح دریافت نہیں ہوا۔ غالباً میدان بیل میں اپنے چچیرے بھائی قاضی محمد یوسف ثانی مذکور کے مزار کے حوالی میں ہوگا۔

علامہ قاضی عبدالکافی

قاضی محمد یوسف ثانی مذکور کے خلف الصدق بڑے مرتبے کے قاضی عالم متبحر اور شارع تھے آپ کی تصانیف اور تو الیف بالکل باقی نہیں رہیں۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد بلگرام کے حاکم ہوئے اور آپ کے چچا قاضی کمال الدین مذکور جس طرح آپکے والد کے نائب تھے اُسی طرح آپکے بھی نائب رہے۔ مقام سکونت خاص قلعہ راجہ سری ” اور بہ کوٹ “

اور دارالعدالت وہی قاضی محمد یوسف ثانی کا تعمیر کیا ہوا دارالعدالت حاکم نشین جسکا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا۔

آپ کا شروع زمانۂ حکومت بمانحتی و استعانت سلطان شمش الدین التمش تھا۔ اسی وجہ سے اس کو یہاں خود آنے یا اپنی فوج کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوئی البتہ قنوج اور دیگر اطراف میں جہاں ہنود کا غلبہ تھا تسلط و تنظیم حکومت کے لیے فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق ایکہزار دو سو سترہ عیسوی میں سلطان کا قنوج آنا تاریخ مولفہ کیں سے معلوم ہوتا ہے اس میں لکھا ہے ترجمہ (بادشاہ التمش کو جب وہ قنوج سے براہ ہاتھرس متھرا کو جاتا تھا کسی راجہ کا ہاتھی نہایت خوبصورت اور قدآور بطور مال غنیمت ملا جس کا نام تاریخی بادشاہ نے خدا داد رکھا) واضح ہو کہ یہی مادہ تاریخ شروع بارہویں صدی ہجری مطابق اٹھارہویں صدی عیسوی سے تاویلاً فتح بلگرام کیطرف منسوب کیا جانے لگا ہے جسکی تنقیح اپنے مقام پر ہوگی انشاءاللہ۔ المختصر سلطان شمش الدین یا اُس کے سردار کے یہاں آنے اور ہنود سے جنگ کرکے مسلمانوں کے فتح کرکے بلگرام کو مکرر فتح کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ خیر جب سلطان موصوف رفتہ رفتہ ترقی کرکے دہلی پر متصرف ہوا اور اُسکی زبردست فتوحات نے تمام ہندوستان میں اولوالعزمی کا جھنڈا بلند کیا یہاں تک کہ ۶۲۴ھ چھ سو چوبیس ہجری مطابق ۱۲۲۶ء ایکہزار دو سو چھبیس عیسوی میں قلعہ مندو پر لشکر کشی کرکے اُسکو مع جملہ سوالک اپنے قبضہ و دخل میں لایا تو ملک الشعرا حکیم روحانی سمرقندی نے فتوحات کی تہنیت میں قصیدہ کہا اُس کے چند شعر یہ ہیں

نظم

خبر باہل سما برد جبرئیل امین	ز فتحنامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس اسمان بارا	بدیں بشارت بندید کلہ و آئیں
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام	کشاد بار دگر قلعہ سپہر آئیں

شہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را
روان حیدر کرار میکند تحسین

ترجمہ۔ امانت دار جبرئیل فرشتہ بادشاہ وقت سلطان شمش الدین کے فتحنامے

کی خبر آسمان والوں کے پاس سے گیا کہ اے پاک فرشتو اس خوشخبری میں آسمانوں کی آرائش کرو۔ کیونکہ اسلام کے بادشاہ نے سوالک کے شہروں سے دوبارہ آسمان کی طرح کا قلعہ فتح کیا۔ ایسا جہاد کرنے والا اور غازی بادشاہ کہ حیدر کرار کی روح اس کے ہاتھ اور تلوار کی تعریف کرتی ہے۔

انہیں شاندار فتوحات کا یہ نتیجہ اور اثر ہوا کہ اخیر ۶۲۶ھ ہجری مطابق ۱۲۲۸ء ایکہزار دوسو اٹھائیس عیسوی میں عرب سے خلعت خلافت سلطان شمس الدین کے واسطے آیا جیسا کہ تاریخ فرشتہ ذکر سلطان شمس الدین التمش میں لکھا ہے (ودر سنہ ست وعشرین وستمائہ رسولان عرب جامہ خلافت جہت شمس الدین آوردند۔ سلطان آنچہ شرط اطاعت و آداب بود بجائے آوردہ جامہ عباسیاں پوشیدہ بسے خوشحال گشتہ اکثر امرا را خلعت داد و در شہر قبہا بستند و کوس شادی بازدند) ترجمہ (۶۲۶ھ چھ سو چھبیس ہجری میں عرب کے سفیر سلطان شمس الدین کے واسطے خلعت خلافت لائے۔ سلطان نے جو شرط اطاعت و آداب کی تھی بجا لاکر عباسیوں کی پوشاک "خلعت مذکورہ" کو پہنا اور نہایت خوش ہو کر اکثر امیروں کو خلعت دیئے اور شہر میں آرائش کے لیے قبے باندھے گئے اور خوشی کے نقارے بجائے گئے) اس کے بعد ۶۲۷ھ چھ سو ستائیس ہجری مطابق ۱۲۲۹ء ایکہزار دو انتیس عیسوی میں خلیفہ بغداد منصر باللہ بن ظاہر باللہ کی طرف سے ہند کی سلطنت اسلامیہ علیحدہ ایک خود مختار بادشاہت قرار پاکر دہلی کی سلطنت جدید کا سکہ رائج ہوا۔

ملاحظہ ہو انگریزی مشہور و معتبر تاریخ مؤلفہ جناب آنریبل ڈاکٹر ڈبلو ہنٹر صاحب بہادر ذکر سلطان شمس الدین التمش ترجمہ مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۲ (اسی عہد میں خلیفہ بغداد نے ہند کی سلطنت اسلامیہ کو ایک علیحدہ خود مختار بادشاہت قرار دیا اور دہلی کی سلطنت جدید کا سکہ ۱۲۲۹ء میں رائج کیا) المختصر ۶۲۷ھ چھ سو ستائیس ہجری مطابق ۱۲۲۹ء ایکہزار دوسو انتیس عیسوی کی زبردست خوشی اور جشن سلطانی مذکور کی تہنیت میں قریب قریب تمام ہندوستان کی اسلامی عملداریوں میں جشن منایا گیا چنانچہ بلگرام میں علامہ قاضی عبدالکافی حاکم بلگرام نے بھی خوشی کی اور جشن سلطان کی یادگار میں ایک سنگ کتابہ بنام سلطان شمس الدین التمش بقید سنہ جشن مذکور بخط طغریٰ نسخ جو اس وقت میں تھا منقوش کر کے اپنے دارالعدالت

حاکم نشین واقع قلعہ راجہ سری مذکور کے پھاٹک پر نصب کروا دیا۔ عبارت کتابہ دو سطروں میں یہ ہے (حامی البلاد راعی العباد ذی الامان لاھل الایمان وارث) ملک سلیمان صاحب الخاتم فی ملل العالم ظل اللہ فی الخافقین ابو المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین

لا لرالسلولسر طارلبحارالامرلملوان الشرق فرخ السلطانی دام اللہ

(تمکینہ فی الشھور سنہ سبع وعشرون وستمائۃ) جتنی عبارت بخوبی پڑھی نہیں گئی اس کی نقل بعینہ اصل کتابے سے کردی گئی۔ اس میں افتخار الامرا اور الشرق فرخ السلطانی پڑھا جاتا ہے۔ چونکہ اتنا پڑھ لیے جانے سے کوئی سلسلہ معنی کا نہیں ملتا لہذا جتنی عبارت مسلسل پڑھی جاتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے (شہروں کا نگہبان۔ خدا کے بندوں کا والی۔ ایمان والوں کو پناہ دینے والا سلیمان کے ملک کا وارث۔ دنیا کے مذہبوں میں مہر کا مالک۔ مشرق و مغرب میں خدا کا سایہ۔ بڑا فتحمند التمش "سردار فوج" مددگار بادشاہ۔ ایمان والوں کا سردار ... ... اللہ اس کے مرتبہ کو ہمیشہ ر[illegible] سنہ ۶۲۷ چھ سو ستائیس "ہجری" کے مہینوں میں)

جب زمانہ دراز کے بعد عمارت دارالعدالت حاکم نشین مذکور کا پھاٹک وغیرہ جس پر یہ کتابہ نصب تھا منہدم ہو گیا تو سنگ کتابہ جو بہت وزنی ہے عمارت منہدمہ کی جگہ پر پڑا رہا بارہویں صدی ہجری کے ربع اول اور سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں سید ابراہیم عرف سید میاں اولاد سید محمد مغربی ساکن محلہ سیدواڑہ "جو بزرگ درویش تھے" نے گوشہ شمال و مشرق قلعہ مذکور کے نیچے جانب شمال تھوڑے فاصلے پر سیدواڑے میں ایک خانقاہ اور مسجد بنوائی اور بلحاظ یادگار قدیم و خوشنمائی و زیبائی دروازہ خانقاہ پر لگانے کے لیے قاضی محمد سلیم اور قاضی محمد حافظ عثمانی مالکان سنگ کتابہ مذکور "جن کا ذکر آ گے ہوگا" سے اس کے لینے کی استدعا کی۔ انھوں نے سید صاحب موصوف کی بزرگی اور درویشی [illegible] مد نظر کر کے انکار کرنا مناسب نہ جانا اور اجازت دیدی۔ سید صاحب نے وہیں پاس کا پاس اٹھوا کر اپنی خانقاہ کے دروازے پر نصب کروا دیا۔ جب خانقاہ منہدم ہو گئی تو مسجد مذکور کی دیوار شمالی میں صحن مسجد کی طرف لگا دیا گیا جو اس وقت تک موجود ہے۔ اس کتابے کو آثار الکرام

ہیں میر آزاد صاحب نے جو گول عبارت میں سید محمد صغریٰ صاحب کا لگایا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی تنقیح اپنے موقع پر ہو گی انشاء اللہ اسوقت صرف اس کتابے کی اصلیت اور اس کے نصب ہونے کے مفصل واقع کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

المختصر علامہ قاضی عبدالکافی صاحب کی دراز عمر میں بعد سلطان شمس الدین التمش کے بہت کچھ انقلابات سلطنت ہوئے مگر چونکہ سب انقلاب مسلمان ہی بادشاہوں میں ہوئے لہذا بدستور قدیم بلگرام کی حکومت برابر ہر اسلامی بادشاہت کی مطیع اور ماتحت رہی پھر جب ناصرالدین محمود شاہ نبیرہ فیروزشاہ کے عہد میں جونپور و بہار و ترہت پر سلطان الشرق خواجہ جہاں کا قبضہ ہوا اور جونپور ہندوستان کا دوسرا پایہ تخت قرار پایا تو بلگرام اودھ کے ساتھ سلطنت جونپور کے حدود مملکت میں داخل ہو کر اسی کی ماتحتی میں آگیا ابراہیم شاہ شرقی برادر مبارک شاہ شرقی پسر خواندہ سلطان الشرق خواجہ جہاں کے عہد سلطنت میں دارالحکومت جونپور کو بہت ترقی اور شہرت حاصل ہوئی اُس نے بلگرام کی تعریف اور جناب قاضی صاحب موصوف کی فضیلت نیز کہن سالی کا آوازہ سنکر بڑے شوق و اعتقاد کے ساتھ بلگرام آکر قاضی صاحب سے ملاقات کی اور تمام آثار قدیمہ بالخصوص قلعے پر قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام کی بنوائی ہوئی مسجد قدیم (جو کہنہ ہو گئی تھی) کو ملاحظہ کر کے اس کی تجدید کا خیال پیدا ہوا اور قاضی صاحب کو الطاف و مراحم خسروانہ کا امیدوار کر کے واپس ہوا۔ جونپور پہنچکر اپنے امرائے اعظم میں سے فتح خاں ہروی کو جامع مسجد مذکور کی تجدید کا حکم دیکر بلگرام بھیجا چنانچہ خان موصوف نے حسب الحکم بادشاہ باستصواب قاضی صاحب آبائی جامع مسجد کہنہ کو جو دارالعدالت مذکور کے جانب غرب تھی سنہ ۸۴۲ آٹھ سو بیالس ہجری مطابق سنہ ۱۴۳۸ ایکہزار چار سو اڑتیس عیسوی میں پھر از سر نو بڑے اہتمام سے تعمیر کروایا شیخ عبدالمذنب بن عالم فرشوری نے اُس کے اختتام عمارت کی تاریخ صوری نظم کی اور اسوقت کے خط طغری نسخ میں جیسا کہ سنگ کتابہ مذکور الصدر سے ہے پتھر پر منقوش کر کے جامع مسجد مذکور میں سنگ کتابہ نصب کیا گیا۔ وہ تاریخ یہ ہے

تاریخ عمارت مسجد جامع بلگرام

عہد شاہ ختم شاہان شاہ ابراہیم شاہ — از ولایت تیر با امر داز عنایت حق الہ
شد عمارت باز از سر مسجد جامع جہاں — از اشارت خان اعظم فتح خاں بن فتح خاں
بود ہشت صد چہل و دو تاریخ قمر انوریں — چاردہ مہ روز یکشنبہ ربیع الآخریں
در عمارت ایں بنائے نور افزائے جہاں — امر فرمائش ملک را نیک نامی فتح خاں
از دعائے بندہ اضعف منتجب عالم زجاں
عاقبت شاں را چہ جوئی جنت الماوی مکاں

اس نظم کی دہقانی زبان عجیب نشست الفاظ وغریب ترکیب جمل کی وجہ سے ترجمہ کرنا دشوار ہے لہذا اس کے مصنف نے جو اپنے نزدیک نظم کیا ہے اس کا مطلب لکھا جاتا ہے۔

مطلب۔ شاہ ابراہیم شاہ کے عہد میں امر دین اور خدا کی عنایت اور خان اعظم فتح خاں کے اشارے سے جامع مسجد پھر نئے سر سے تعمیر ہوئی یہ روشن بنیاد کی عمارت بادشاہ کی فرمائش سے ماہ ربیع الآخر کی چودھویں تاریخ اتوار کے دن ۸۴۲ھ آٹھ سو بیالیس ہجری میں نامی فتح خاں کی کوشش سے طیار ہوئی۔ ان لوگوں کا انجام کیا پوچھتے ہو۔ بندہ ضعیف منتجب بن عالم کی دعا سے انکی بہشت میں جگہ ہے۔

مسجد مذکور کے کہنہ ہونے پر اس کا سنگ کتابہ کسی صدمہ سے ٹوٹ گیا اور تین ٹکڑے ہو گئے اُن سے تاریخ نقل کرلی گئی۔ منجملہ اُن تین ٹکڑوں کے ایک درمیان کا ٹکڑا جامع مسجد موجودہ کی چھت بننے کے وقت دیوار کے بالائی گوشہ کھدنے پر ۱۳۴۳ھ ہجری ایکہزار تین سو تینتالیس مطابق ۱۹۲۵ء ایک ہزار نو سو پچیس عیسوی میں برآمد ہوا یہ ٹکڑا منجملہ ان پتھروں کے ہے جن کا ذکر قاضی محمد یوسف گازرونی کے حال میں اوپر ہو چکا اور اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہ کے گھر میں موجود ہے اس میں تاریخ کے کل مصاریع اول کے آخری نصف اور بعض نصف سے زیادہ مصرع اور ایک آدھ لفظ نیچے کے مصاریع دوم کے باقی ہیں۔ کچھ حرف اڑ بھی گئے ہیں مصاریع کے درمیان جو فاصلہ

ہے وہ اس موجودہ ٹکڑے میں شامل اور باقی رہ گیا ہے۔ اُس پر عبارت (تاریخ عمارت مسجد جامع بلگرام) بخط طغری نسخ منقوش ہے۔ افسوس کہ تجدید عمارت مسجد جامع کے دو ہی سال بعد ۸۴۴ھ آٹھ سو چوالیس ہجری مطابق ۱۴۴۰ء ایکہزار چارسو چالیس عیسوی میں ابراہیم شاہ موصوف کی وفات واقع ہوئی ورنہ امید تھی کہ وہ بلگرام کی طرف اپنی توجہ بہت کچھ مبذول فرماتا بعد اُس کے جب اُس کا بیٹا محمود شاہ شرقی تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی فتح خاں ہروی مذکور کو جو یہاں سے واقف ہو چکے تھے بلگرام میں بھیجا اور قلعے پر دارالعدالت قدیم کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ خان موصوف نے پھر آکر دارالعدالت کو خاص اپنے اہتمام سے ۸۴۵ھ آٹھ سو پینتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۱ء ایکہزار چارسو اکتالیس عیسوی میں عمدہ پیمانے پر تعمیر کروایا اور اسپر بھی سنگ کتابہ نصب کیا گیا جسپر دو سطریں بخط طغری نسخ مثل کتابۂ اول الذکر کے منقوش ہیں۔ یہ پتھر مسلم اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہٗ کے گھر میں موجود ہے چونکہ اس کی عبارت تمام و کمال صاف پڑھی نہیں جاسکی لہذا اس کی نقل بعینہٖ خاص کتابے سے کیجاتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

پوری عبارت پڑھی نہ جانے کی وجہ سے ترجمہ نہیں ہوا الفاظ پڑھے جاتے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمارت محمود شاہ بن ابراہیم شاہ کے عہد میں خان اعظم فتح خاں ہروی کی سعی سے ۸۴۵ھ ہجری میں بنی ہی۔

قاضی صاحب موصوف کے ابتدائی زمانے کا دستخطی کاغذ کوئی نہیں ملا۔ اخیر زمانہ کے سجل مفصلہ ذیل بہم پہنچے۔

اوّل۔ صورت حال قطعہ زمین زرعی جانب شمال گیارہ بیگہ کی بابت بہ ثبوت ملکیت

اختیار بن نظام پوسری وبیوۂ نظام مذکور تاریخ بیسویں جمادی الآخر ۸۱۴ھ آٹھ سو چودہ ہجری مطابق ۱۴۱۱ء ایکہزار چار سو گیارہ عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ خان بن عمر نجیب۔ شمش پوسری حسن بشمس۔ اس صورتحال کے حاشیے پر امیر یوسف بن امیرا دہونے تعرض لکھا ہے کہ یہ گیارہ بگیہ قطعہ مبلغ ۱۹ تنکہ سکہ رائج کے عوض میں میں نے میاں بدر و مبارک کے ہاتھ بیچا۔ اس کے نیچے قاضی صاحب موصوف کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔

عبارت طغری سمعت الاخبار والاشہاد کتبہ عبدالکافی بن یوسف بن شمش بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الادیب الحاکم لقصبہ بلگرام۔ ترجمہ میں نے خبر اور گواہوں کو سنا لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے شمس۔ شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی ادیب قصبہ بلگرام کے حاکم نے

یہ اصل سجل پہلے غلام صفی بن محمد حیات ولد عبدالجلیل احفاد شیخ معانی پیرزادہ نواسہ مرزا محمدؒ کافی اولاد اختیار دین بن مختار دین پوسری "جنہوں نے آپکو مرزا کے لقب سے مشہور کیا" کے گھر سے نکلا اور قاضی محمد احمد اللہ عثمانی نے اس کی نقل کی۔ پھر ابراہیم حسین ولد حمایت حسین سے قاضی مجد الدین محمد عثمانی نے اصل سجل بھی لے لیا۔

دوم شہادت نامہ قطعہ زمین سکنی بیرون حصار قصبہ بلگرام واقع محلہ شریفان کی بابت یہ ثبوت ملکیت مسماۃ خوزان بنت بہرام منکوحہ حسام بن صلاح الدین "جو مسماۃ مذکور کو لعوض مہر بعد وفات اپنے شوہر کے ملا" بارہویں تاریخ ماہ صفر ۸۱۶ھ آٹھ سو سولہ ہجری مطابق ۱۴۱۳ء ایکہزار چار سو تیرہ عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ شہاب بن داؤد درویش بہلول بن محمود درویش۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغری ہے۔



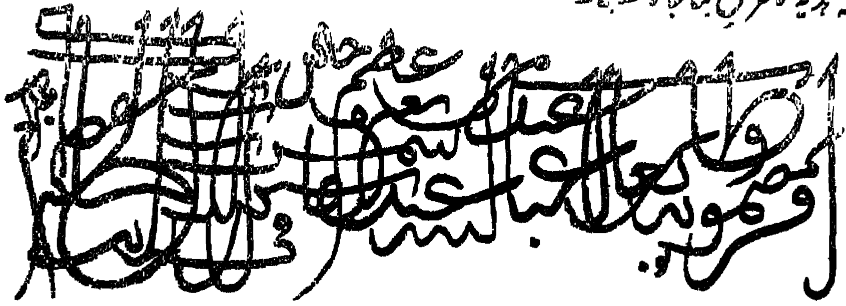
عبارت طغریٰ - کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے
یہ شہادت نامہ اصل سجل سے قاضی شریف احمد عثمانی نے نقل کیا جس کے مطابق اصل
ہونے کی بابت سید محمد عسکری - محمد حسین - ابراہیم حسین اور امداد علی رضوی کی تصدیقی مہریں
ہیں اُس سے میں نے لکھا۔

سوم - قطعہ زمین متذکرہ شہادت نامہ مذکور کا بیعنامہ مسماۃ خوزان مذکور کی طرف سے اخی
حسین بن اکبر بن اجل بن عظام کے نام بعوض مبلغ چار سکہ رائج اور سینتس کوڑیوں کے تاریخ ۱۰ ار
دسویں ماہ ربیع الاول ۸۱۶ھ آٹھ سو سولہ ہجری مطابق ۱۴۱۳ء ایکہزار چار سو تیرہ عیسوی کا لکھا ہوا
ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں - سلطان حسین، شریف - شہاب بن جلال
محمد سراج شریف - سلطان شہ حسین - محمد شاکر بن عالم شریف، عمر بن شہ حسین، عین دین عمر
بن حمزہ حسینی، شیخ رمضان، مولانا قطب، اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا بعینہ وہی ہے جو سجل دوم
میں اوپر لکھا ہے یہ سجل کرم اللہ شریف کے گھر سے نکلا اور اس کی نقل قاضی احمد اللہ عثمانی نے کی۔

چہارم - بیعنامہ قطعہ زمین سکنی بیرون حصار قصبہ بلگرام واقع محلہ اجل بن عظام - منجانب
فخرالدین بن حسین بن لدمان بن کمال بحق اخی حسین بن اخی لطیف اجل بن عظام شریف قعر حسینی
بعوض مبلغ ساڑھے تین سکہ رائج تاریخ ۱۹ ر ماہ جمادی الاخر ۸۲۳ھ آٹھ سو تیئیس ہجری مطابق ۱۴۲۰ء ایکہزار
چار سو بیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔

امیر سعد اللہ بن فرید شریف - سید افضل بن حفیظ اللہ شریف، الیاس حسین داؤد، نصرالدین بن سلطان
امیر محسن بن الحسین الکامل شریف - سید شہاب نصیر مبارک، افضل محمد حفیظ۔

محمود ظفر افغان۔ سید حامد بن جمال۔ سعد جلال شیخن بن شمس بن علی۔ سید عظیم احمد بن اسلم۔ نظام شریف۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغریٰ ہی جس کا یہ عکس خاص اصل ہو بعینہٖ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔



عبارت طغری۔ اقر بمضمونہ طائعاً وراغباً عندی ترجمہ اپنی خوشی اور خواہش سے میرے اس مضمون کا اقرار کیا۔ باقی لفظ کتبہ سے آخر تک وہی عبارت اور وہی ترجمہ جو سجل اول کے طغرے میں ہے۔

یہ سجل دائم شریف ساکن محلہ ملکنٹھ کے گھر سے قاضی احمد اللہ عثمانی کے وقت میں نکلا اور برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہٗ کے یہاں پرانے کاغذات تلاش کرنے سے مجھکو دستیاب ہوا اُس سے میں نے اُردو میں خلاصہ کیا یہ اصل سجل اسوقت تک برخوردار موصوف کے یہاں موجود ہے۔

پنجم۔ بعنایہ قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شمال چالیس بگیہ مہدی بن علار بن امام حاجی بن عیسی کی طرف سے عین بن محمود سالار بن نظام کے نام بعوض مبلغ تیس سکہ رائج تاریخ دس ویں شعبان ۸۲۸ھ ہجری آٹھ سو اٹھائیس مطابق ۱۴۲۴ء ایکہزار چارسو چوبیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ مقر احمد۔ علار بن احمد۔ رحم اللہ بن کمال بن ظہیر الدین الادیب معروف بن کمال بن ظہیر الدین۔ مولانا خضر محمد۔ معین محمد ملحق۔ حماد الحمید۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ وہی ہے صرف شروع میں اقر المقر زیادہ ہے۔ جس کے معنی ؎ اقرار کرنے والے نے اقرار کیا۔

اس سجل کے ملنے کی وہی صورت ہے جو سجل اول کی بابت اوپر ہوئی۔

ششم ۔ بیعنامہ دو قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق منسوب براۓ وحمزہ پانچ بیگہ دس بسوہ نوشتہ قطب الدین سید قاسم حسین ابوطالب حسینی بنام بھولن بن امیر عمر شہ حسین وجمال بن سعد جلال داہو بن عین بعوض مبلغ ساڑھے چھبیس سکہ رائج تاریخ چوتھی ماہ صفر ۸۴۵ھ آٹھ سو پینتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۱ء ایکہزار چارسو اکتالیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں ۔ سید کریم الدین بن سید راجا حسینی ۔ سید بڑے سالار حسین حسینی ۔ محمد بن[1] عبدالکافی بن یوسف ادیب ۔ محمود میراں بڑے ماہر حسین حسینی ۔ نظام اختیار بن طاہر ۔ سید عزیز اللہ سالار حسین حسینی ۔ سالار بن حسین ۔ بدور بن سلطان بن حسین ۔ لطف اللہ ۔ شیخن بن شمس علی ۔ میراں بنی مبارک رومی ۔ بڑے بن سلطان شہ حسین اس کے نیچے اپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول و دوم وچہارم میں ہے ۔ ترجمہ سجل اول میں ہو چکا اس کے شروع میں اقر بما فیہ زیادہ ہے جس کے معنی "جو کچھ اس میں ہے اس کا اقرار کیا" اس سجل کے ملنے کی بھی وہی صورت ہے جو سجل اول کی بابت اوپر تحریر ہوئی ۔

ہفتم ۔ بیعنامہ قطعہ زمین زرعی واقع قصبہ بلگرام دو بیگہ مولانا .... بن مولانا نظام کی طرف سے بنام .... عین الدین بن امیر اختیار بوسری بعوض مبلغ چھ سکہ رائج تاریخ اٹھارہویں ماہ رجب ۸۴۸ھ آٹھ سو اڑتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۴ء ایکہزار چارسو چوالیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کے گواہان ملکیت شیخ افتخار بن شیخ حسین ۔ فخر بن شیخن شیخ زادہ اور گواہان حاشیہ حسین بن الف ۔ ملک سلطان بن حسین ۔ بھولن عزیز ہیں ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغری ہے ۔

[1] ۔ آپ قاضی صاحب موصوف کے فرزند سوم ہیں ۔

عبارت شروع طغرا - اقر بالبیع وقبض الثمن - ترجمہ بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا - باقی عبارت اور ترجمہ وہی سجل اول میں تحریر ہے -

یہ سجل منجملہ اُن سجلوں کے ہی جو بوسریوں کے گھر سے ابراہیم حسین بن حمایت حسین تک بسبب ارث بنیگی کے پہنچے - اس سجل کو قاضی مجد الدین محمد عثمانی نے اپنے بزرگوں کی قدامت وحکومت ومنصب قضا رقصبہ بلگرام کے اثبات کے واسطے ابراہیم حسین مذکور سے لیا - مجھکو اس کی نقل بوسیدہ ملی جو قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد مذکور نے اصل سے کی تھی اس میں جہاں کاغذ باقی نہیں رہا وہاں کے نام کی جگہ سادی چھوڑ دی ہے -

واضح ہو کہ منجملہ سجلات مذکور الصدر کے سجل اوّل وسوم وچہارم وپنجم وششم کی نقل کامل شرائف عثمانی میں ہے - اور اصل سجل چہارم کو میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنٹہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں اس کی تصدیق کی ہے جیساکہ دوسرے باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی چھٹی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کے آخر عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم کے آخر سلطان محمد شاہ بن فرید خاں اور محمود شاہ بن ابراہیم شاہ شرقی کے عہدین اور عمر قریب ڈھائی سو ۲۵۰ برس کے معلوم ہوتی ہے اور اُس رویائے صادقہ کی پوری تصدیق ہوتی ہے جو آپکے پدر بزرگوار قاضی محمد یوسف ثانی نے دیکھا تھا "جس کا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا" واللہ اعلم صرف وفات کی تاریخ اور مہینا نہم ربیع الآخر معلوم ہوا ہے - مزار آپکا میدان بیل میں حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی در اپنے والد کے مرقد کے پاس ہے -

قاضی محمد معروف

آپ قاضی کمال الدین مذکور کے چھوٹے بیٹے ہیں - بہت ذی علم اور شارع تھے - لعبد

وفات اپنے پدر بزرگوار کے علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کی زندگی تک اُن کے نائب رہے
اور بعد وفات علامہ صاحب اُن کے بیٹے قاضی محمود الہداد کے نائب ہوئے۔
مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" زمانہ نیابت میں اکثر سجل آپ کے دستخطوں
سے بھی مسجل ہوتے رہے۔ چنانچہ علامہ قاضی عبدالکافی کی نیابت کے زمانے کا ایک
سجل بنام اولاد اختیار دین بن مختار دین بوسری "جن کا ذکر قاضی محمد یوسف گازرونی
کے حال میں اوپر ہوا" تاریخ پندرھویں ماہ صفر ۸۴۶ھ آٹھ سو چھیالیس ہجری مطابق
۱۴۴۲ء ایکہزار چارسو بیالیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا
یہ طغرا ہے۔

طالعاً راغباً کتبہ معروف بن کمال بن ظہیر بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الادیب النائب بقصبہ بلگرام

عبارت طغرا اقر بمضمونہ طالعاً وراغباً کتبہ معروف بن کمال بن ظہیر بن یوسف بن
عاصم بن خالد بن داؤد الادیب النائب بقصبہ بلگرام۔ ترجمہ۔ اپنی خوشی اور خواہش
سے اس مضمون کا اقرار کیا۔ لکھا اس کو داؤد کے بیٹے خالد خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے
بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ظہیر۔ ظہیر کے بیٹے کمال۔ کمال کے بیٹے معروف
ادیب قصبہ بلگرام کے نائب نے۔

یہ سجل غلام صفی بن محمد حیات بن عبدالجلیل احفاد شیخ معانی پیرزادہ نبیرہ مرزا محمد کافی
کے گھر سے نکلا جو اختیار دین مذکور کی اولاد میں تھے۔

"دوسرا سجل اولاد سید نصیر الدین جد سادات ڈجہا" جن کا ذکر باب اول
کی فصل دوم میں ہوا" کے متعلق تاریخ انیسویں جمادی الاول ۸۶۳ھ اٹھ سو تریسٹھ ہجری
مطابق ۱۴۵۸ء ایکہزار چارسو اٹھاون عیسوی قاضی محمود الہداد بن علامہ قاضی عبدالکافی

کی نیابت کے زمانے کا لکھا ہوا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا ہے -



عبارت طغرا - سمعت الاقرار والاشہاد - ترجمہ - میں نے اقرار اور گواہیوں کو سنا - باقی عبارت اور ترجمہ لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے -

یہ سجل سید محمد باقر ذ ہیجے کے گھر سے نکلا جو سید نصیر الدین مذکور کی اولاد میں تھے

شرائف عثمانی میں دونوں سجلوں کا اور رسالہ مسجلات میں صرف دوسرے سجل کا ذکر ہے اور دوسرے سجل کی تصدیق میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنٹھ نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں کی ہے -

منجملہ قاضی عبدالکافی مذکور کے دستخطی سات سجلوں کے "جو اُن کے حال میں اوپر مذکور ہوئے" پانچویں سجل محررۂ ۱۰ شعبان ۸۲۸ھ آٹھ سو اٹھائیس ہجری پر آپکی اور آپ کے بھائی رحیم اللہ دونوں کی گواہی کے دستخط ہیں -

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی ساتویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے آغاز عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے ربع سوم عہد سلطان بہلول لودھی میں اور عمر قریب دوسو ساڑھ برس کے معلوم ہوتی ہے - آپ کے بھائی محمد رحیم اللہ اور آپ کے بیٹے محمد ضیا لاولد فوت ہوکر قاضی کمال الدین مذکور کی اولاد کا خاتمہ ہوگیا - اس سے اُس رویائے صادقہ کی تصدیق ہوتی ہے جو آپ کے پدر بزرگوار قاضی کمال الدین نے دیکھا "جس کا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا" واللہ اعلم

قاضی محمود الہداد

آپ علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کے چوتھے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔

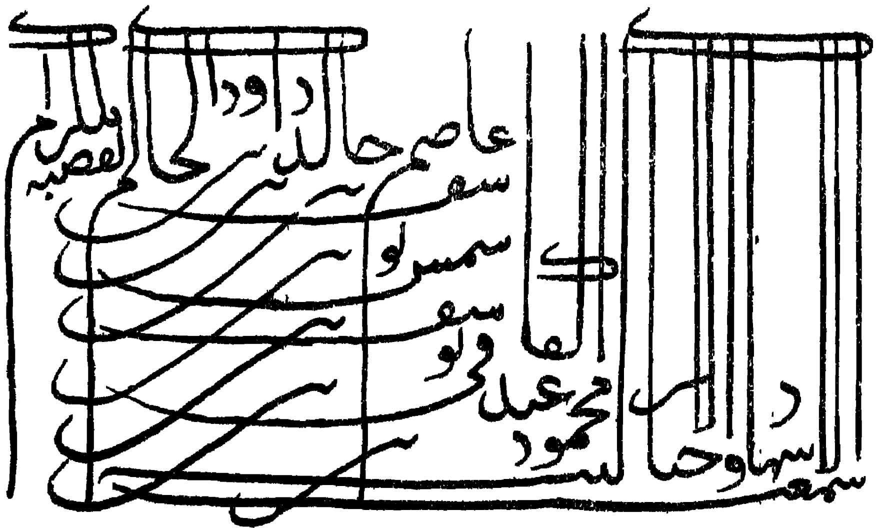
اللہ کی دین تھی کہ اپنے والد کے بالکل زمانہ پیری میں جبکہ انکو کوئی امید اور اولاد کی باقی نہ رہی تھی آپ متولد ہوئے لہذا الہداد کے لقب سے مشہور ہو گئے اور چونکہ علم وفضل و قابلیت میں اپنے سب بڑے بھائیوں سے زیادہ تھے اس لیے والد نے آپ ہی کو اپنا ولی عہد کیا اور بعد اپنے پدر بزرگوار کے مسند حکومت وقضا پر متمکن ہوسے۔ قاضی محمد معروف مذکور جس طرح آپکے والد ماجد کے نائب تھے اسی طرح آپکے زمانے میں بھی نائب رہے۔ مقام سکونت خاص قلعہ راجہ سری "اوپرکوٹ" اور دارالعدالت حاکم نشین وہی عمارت مجددہ فتح خاں ہروی جسکا ذکر آپ کے والد کے حال میں اوپر ہوا۔

حکومت آپکی سلطنت جونپور کی ماتحتی میں تھی۔ چالیس برس کی عمر تک آپ کے اولاد نہیں ہوئی۔ فرزند کی تمنا بہت تھی اور نہایت مغموم رہتے تھے۔ آخر حضرت مخدوم شاہ اخی جمشید راجگیری قدس سرہٗ العزیز کی دعا سے بندگی قاضی عبدالدائم تولد ہوئے۔ مفصل حال آگے اُن کے ذکر میں بیان ہوگا۔ آپ نے اپنے عین حیات ہی میں اپنے فرزند قاضی عبدالدایم مذکور کو اپنا جانشین کرکے کل اختیارات دیدیے۔ جب قاضی عبدالدائم حضرت اجمیری کی زیارت کو گئے تو انکی غیبت میں آپ کل امور کو اُن کی طرف سے سرانجام دیتے رہے۔ قاضی عبدالدائم کی پیدائش کے ایک عرصہ کے بعد دو فرزند قاضی منجھاور اور قاضی اللہ دیے یکے بعد دیگرے اور بھی پیدا ہوئے مگر وہ دونوں جوان اور لاولد فوت ہوئے۔

آپ کے دستخطی منجملہ کل سجلوں کے مفصلہ ذیل سجل دستیاب ہوے اون میں سے چہارم میں قاضی منجھو اور سجل پنجم میں قاضی اللہ دیے مذکورین کے دستخط موجود ہیں۔

اول بیعنامہ قطعۂ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب غرب منسوب بہ کاچھیارہ بیگہ منجانب مساۃ عزت بنت اختیار منکوحہ شہباز علی بن امیر حسین بن منتخب "جو بعد وفات

شوہر مسماۃ مذکور کو مہر کے عوض میں ملا" بحق وجیہ بن حسام الدین بن خواجہ احمد غزنوی بعوض مبلغ چوبیس سکہ رائج تاریخ بائیسویں ماہ ذیقعدہ ۸۵۸ھ آٹھ سو اٹھاون ہجری مطابق ۱۴۵۳ء ایکہزار چارسو ترپن عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے گواہ ثبوت ملکیت بائعہ میران بڑے بن عنایت بن فرید بن منتخب مذکور۔ سعد اللہ فرید بن شیخن۔ اور گواہان حاشیہ سراج و گھورن پسران بائعہ مذکور۔ عبدالحئ[1] بن حسن بن شمس الادیب۔ محمد بن[2] رکن بن حسن بن شمس ادیب اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔



عبارت طغرا سمعت الاشہاد والاخبار کتبہ محمود بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم بقصبہ بلگرام۔ ترجمہ۔ میں نے گواہیوں اور خبر کو سنا۔ لکھا اسکو داود کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے شمس۔ شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی۔ عبدالکافی کے بیٹے محمود قصبہ بلگرام کے حاکم نے یہ سجل سید محمد باقر ڈھبے کے گھر سے نکلا۔

دوم۔ بیعنامہ قطعہ زمین زرعی جانب شمال قصبہ بلگرام تعدادی چار بیگہ بنام ظہیرالدین

نوٹ۔ [1] آپ قاضی صاحب موصوف کے چچا ہیں شجرہ نمبر ا ملاحظہ ہو۔

[2] قاضی موصوف کے یک جدی بھائی ہیں شجرہ ۱ ملاحظہ ہو۔

بن اختیار دین بوسری بعوض مبلغ ستڑہ سکہ رائج - تاریخ تیسری ماہ صفر ۸۶۲ھ آٹھ سو باسٹھ ہجری مطابق ۱۴۵۷ء ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کا لکھا ہوا ہے - اس کے گواہان ثبوت ملکیت مولانا محمد بن نذر محمد - بابو بن قاضی عماد - اور گواہان حاشیہ میراں بن سلطان شہ حسام الدین بن محمود علار زیرک بن سالار حسین - کریم الدین بن شیخن بن شمس - اختیار بن نظام - بھولن بن طر

اس بیعنامے کے آغاز کی عبارت نہیں ملی - مگر درمیانی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بائعہ عورت بنت ملا مدن ہے جسکو زمین مبیعہ اپنے باپ کے ارث میں ملی - اور بیعنامہ اس کی طرف سے وکالتاً اس کے عزیز نے تحریر کیا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے - شروع میں یہ عبارت بخط طغرا ہے (اقرالوکیل بالبیع وقبض الثمن) ترجمہ - وکیل نے بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا - یہ سجل ابراہیم حسین بن حمایت حسین نواسہ بوسریاں سے قاضی مجد الدین محمد عثمانی نے لیا تھا قاضی شریف احمد عثمانی نے اصل سے اور میں نے نقل مصدقہ سے نقل کی

سوم - سجل باز دعوی بابت حصہ زمین زرعی وسکنی قصبہ وسواد قصبہ وسبو ہائے دیہ نوشتہ امیر شیخن بن امیر شمس بن علی خوطہ اصالتاً منجانب خود و وکالتاً منجانب منکوحہ خود مسماۃ بی بی جیا بنت امیر عین بن اختیار بوسری بحق امیرا ہوبین عین خسر لورا "سالا" خود - بتاریخ پچیسویں ماہ رمضان ۸۷۴ھ آٹھ سو چوہتر ہجری مطابق ۱۴۶۹ء ایکہزار چار سو انہتر عیسوی کا لکھا ہواہے - گواہان متن کریم بن امیر شیخن بن شمس مذکور - شمس الدین بن واہنوں بن حسام افغان - العبد شیخن بن شمس بن علی - علامت دستخط جیا موکلہ مقر مذکور - گواہان حاشیہ - شہد علی سجل الحاکم قطب بفضل اللہ بن علار حسینی بخطہ - کریم الدین بن شیخن بن شمس بن علی - عین نبی جمال میراں بڑے بن سلطان شہ حسین - احمد بن نظام بن اختیار - جمال بن طاہر بن اختیار - زیرک بن سالار حسین - نذر محمد حسام الدین - بن محمود علار شریف - سعد جلال - سعد اللہ بن میراں وہ ال - احمد بن عزیز اختیار بن افضل بن محمد - سجل کے نیچے آپکے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے -

---

۱ دیکھو سجل اول میں

جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی - شروع میں بخط طغرا (اقر بما فیہ) جس کا ترجمہ ہے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کا اقرار کیا پھر اس طغرے کے نیچے طغرے میں یہ دستخط ہیں محمد بن رکن بن حسن بن شمس الادیب النائب الملقب بلگرام - کتبہ شاہ[1] بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس -الادیب بخط

واضح ہو کہ گواہان مذکور الصدر میں پہلے گواہ قلب فضل اللہ بن علا حسینی کے حملہ شہد علی سجل الحاکم) سے ثابت ہے کہ قضات عثمانی کی حکومت قدیم سے مسلمہ چلی آتی ہے -

یہ سجل محمد حیات بن عبدالجلیل احمد شیخ معانی پیرزادہ نواسہ خاندان بوسریان کے گھر سے نکلا

چہارم - سجل بادعوی بابت زمین مندرجہ سجل سوم مذکور نوشتہ بھیکن بن بھولن بن عمر شہ بوسری اصالتاً منجانب خود وکالتاً منجانب والدۂ خود مسماۃ بی بی نور ملکہ بنت امیر عین بن اختیار بوسری بحق خال "د ماموں" خود امیر ادہویں بن امیر عین تاریخ ذی الحجہ ۸۷۶ھ آٹھ سو چھتر ہجری مطابق ۱۴۷۱ء ایک ہزار چار سو اکہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے گواہان متن مولانا الهداد بن مولانا امیر احمد ملتانی ایچن بن امیر بھولن بن عمر شہ مذکور - دستخط بھیکن بن بھولن بخطہ - علامت دستخط بی بی نور ملکہ موکلہ مقر مذکور گواہان حاشیہ بندہ ہیبۃ اللہ عبدالملک غزنوی - محمد ماہرو حسینی - زیرک بن سالار حسین - محمود محمد سراج - خوجی بن سالار حسین - بدرالدین محمد شریف سید داران - سعد اللہ شریف - سالار عبدالرحمن عظیم شریف - شیخ سعد جلال - حسام الدین بن محمود علاء شریف محی محمد بدلے شریف - کمال رکن - اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے شروع میں (اقر بما فیہ) بخط طغرا ہی جس کا ترجمہ یہ ہے (جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کا اقرار کیا) پھر اس طغرے کے نیچے یہ دستخط بخط طغری ہیں - وکذالک کان فی دیوان القضا رکتبہ محمد بن[2] رکن بن حسین بن شمس الادیب

---

[1] - آپ قاضی صاحب موصوف کے سگے بڑے بھائی ہیں شجرہ نمبرا ملاحظہ ہو [2] دیکھو سجل اول

النائب بقصبہ بلگرام کتبہ علا[۱]ء بن رکن بن حسن بن قاضی شمس الدین بخطہ ۔ کتبہ بر اقرار وکیل موکلہ مذکور خان[۲] بن عبد الکافی بن یوسف بن شمس ادیب بخطہ ۔ گواہ شد کتبہ قاضی محبوب[۳] بن قاضی محمود بن عبد الکافی باذنہ وحضورہ ۔

یہ سجل بھی انہیں محمد حیات کے گھر سے نکلا جن کے یہاں سجل سوم مذکور تھا ۔

پنجم ببنائے قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق مشہور بہ وان چوکا ندل تعدادی تین بیگہ سات بسوہ نوشتۂ حسن بن وجیہ الدین بن حسام الدین بنام ملک بازید من احفاد ملک بادی ترمزی جنکا ذکر قاضی محمد یوسف گارزونی کے حال میں اوپر ہوا ۔ لعوض مبلغ ہیں سکہ رائج اور پانچ جیتل کے عزہ ماہ جمادی الاولی ۸۷۵ھ آٹھسو تراسی ہجری مطابق ۱۴۷۸ء ایکہزار چارسو اٹھتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے ۔ گواہان متن بڈھن محمود بن خواجہ محمد ۔ بدر بن جلال بن علار بلکٹا ۔ دستخط مقر مذکور حسن وجہ بن حسام بخطہ ۔ گواہان حاشیہ ۔ جلال بن طاہر بن تاج بن حسینی ۔ اللہ د[۴]ے بن محمود بن عبد الکافی بخطہ ۔ علار محمد فضل حسام ۔ سعد اللہ بن بڈھن جلال ابراہیم الحسینی ۔ نصیر محمد علار جال ابراہیم الحسینی ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا وہی ہے ۔ جو سجل سوم میں مذکور ہوا ۔

یہ سجل ملک عبد اللطیف کے گھر سے نکلا جو ملک بازید مشتری مذکور کی اولاد میں تھے اُن سے قاضی احمد اللہ عثمانی نے لیکر دفتر قضا میں محفوظ رکھا ۔

واضح ہو کہ منجملہ سجلات مذکور الصدر کے سجل اول وچہارم وپنجم کا ذکر قاضی احمد اللہ عثمانی نے رسالہ سجلات میں کیا ہے ۔ اور شیخ غلام حسن شہیں فرشوری نے سجل اول وسوم وچہارم وپنجم کی نقل شر الف عثمانی میں کی ہے ۔ اور میر نوازش علی رضوی ساکن ملکنٹھہ نے سجل چہارم اصل کو اپنی انکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں اس کی تصدیق کی ہے جیسا کہ باب دوم

---

[۱] قاضی صاحب موصوف کے چچیرے اور محمد مذکور کے سگے بھائی ہیں ۔ شجرہ ۱ ملاحظہ ہو

[۲] دیکھو سجل سوم میں

[۳] قاضی صاحب موصوف کے بیٹے ہیں شجرہ ۱ ملاحظہ ہو ۔

[۴] قاضی صاحب موصوف کے چچیرے بھائی اور محمد مذکور کے سگے بھائی ہیں ۔ شجرہ ۱ ملاحظہ ہو

پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی آٹھویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے ربع چہارم عہد سلطان فیروز بن سالار رجب میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے ربع چہارم عہد سلطان بہلول لودھی میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے وفات کی تاریخ اور مہینا چودھویں ربیع الاول ہے مزار آپ کا حضرت قاضی محمد یوسف گارزونی اور اپنے والد کے مرقد کے پاس میدان بیل میں ہے۔

بندگی قاضی عبدالدایم عرف دادے ایم قدس سرہٗ۔

آپ کی کنیت ابوالعالم۔ قاضی محمود الہداد مذکور کے خلف الصدق عالم متبحر مجمع فضائل وحسنات ماہر علوم ظاہری اور کاشف رموز باطنی تھے۔ اکثر خوارق عادات وکرامات آپ سے ظاہر ہوتے تھے اپنے والد کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوجانیکے بعد حضرت مخدوم شاہ اخی جمشید راجگیری قدس سرہٗ کی دعا سے بعنایت ایزدی پیدا ہوئے جیساکہ اوپر اُن کے حال میں ذکر ہوا آپ شکم مادر میں تھے تو مخدوم صاحب نے آپکے والد سے فرمایا تھا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو بارہ برس کی عمر تک تم اُس کو اپنی آنکھ سے ہرگز نہ دیکھنا مگر اس عرصہ میں اس کی پرورش کا انتظام اور خبرگیری بخوبی رکھنا اور جب بارہ برس کا ہو تو مجھے مطلع کرنا میں خود بلگرام میں آکے کچھ اعمال متبرکہ کروں گا۔ یہ لڑکا میں نے خدا سے مانگ کے تم کو بخشا ہے یگانہ روزگار ہوگا اور اُس کی پشت سے اولاد کثیر ظہور میں آئیگی۔ چنانچہ جب آپ تولد ہوئے تو پدر بزرگوار نے مع والدہ ودایہ اور چند خادموں کے اپنے آبائی موضع پسنیڈا خریدکردہ قاضی محمد یوسف ثانی "جس کے بیعنامے کا ذکر قاضی شمس الدین کے حال میں اوپر ہوا اور جو بلگرام سے جانب شمال ہردوئی کے رستے میں دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے"۔ میں بھیجدیا اور جو حویلی موضع مذکور میں خود بنوائی تھی اُس میں سکونت پذیر کروادیا۔ اور اُس موضع کے زمیندار چنوار راجپوتوں کو مراعات والغامات کا امیدوار

کرکے فرزند وغیرہ کی نگہبانی کی بہت تاکیہ کی ۔ موازی بیس بیگہ زمین اسی وقت زمینداروں کو انعام فرما کے اُن سے کہا کہ جب یہ لڑکا بارہ برس کا ہو جائے گا اور اس کو بلگرام میں اپنے گھر ہم لیجائینگے تو بہت کچھ سلوک تمہارے ساتھ کریں گے ۔ پس زمینداران موضع مذکور علی الخصوص مسمی چیندا عرف چیندی جان و دل سے خدمت گذاری میں مصروف ہو گئے مشہور ہے کہ اس والا گوہر کے قدوم میمنت لزوم سے چیندی زمیندار کی کھیتی اور مویشی میں ایسی برکت ہوئی کہ چند ہی سال میں بہت مالدار ہو گیا ۔ جب آپکی عمر قریب پانچ برس کی ہوئی تو رسم ختنہ ادا ہوئی اور ایک لائق و قابل معلم اُسی موضع میں آپکی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا وہ قرآن حفظ کرواتا تھا اور حدیث و فقہ وغیرہ کی بھی تعلیم دیتا تھا علم صرف و نحو بالترتیب اول سے آخر تک پڑھایا ۔ آپکی عمر قریب دس برس کے پہنچی تھی ایک روز موضع مذکور کے لوگ بتوں کی پرستش کے لیے گئے تھے اسوجہ سے دو ایک دن چیندی حاضر نہو سکا جب آیا تو آپ نے پوچھا کہ تم کہاں رہے اس نے عرض کی کہ پوجا کے لیے گیا تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اگر قبول کروگے تو بہتر ورنہ مجھے تم سے کوئی مطلب غرض نہیں بلکہ ملاقات بھی نکروں گا ۔ یہ کہکر قسم کھائی کہ جبتک تم مسلمان نہو گے میں کھانا نہ کھاؤں گا ۔ اُس نے تامل کیا اور آپنے دو روز مطلق کچھ نہ کھایا ۔ بالآخر کچھ سوچ سمجھکے زمیندار مذکور نے مع اپنے اہل و عیال اور بھائیوں کے کلمہ شہادت پڑھ کے خوشی سے اسلام قبول کیا ۔ آپنے اُنکو دین کی تلقین کرکے نماز وغیرہ کے احکام بتائے ۔ اسی وقت سے موضع مذکور کے زمیندار مسلمان ہوئے ہیں آپ کے لیل و نہار اُس کم سنی میں تحصیل علم اور نماز و عبادات میں گزرتے تھے ۔ جب بارہ برس کی عمر ہوئی تو آپ کے والد نے حضرت مخدوم شاہ اخی جمشید مذکور کو مطلع کیا انہوں نے بلگرام میں تشریف لاکر آپکو موضع مذکور سے بلوایا پدر بزرگوار نے رسوم شادی کتخدائی کے طریقہ سے قصبہ میں جمع و عدے زمینداروں وغیرہ سے کئے تھے سب وفا کیے ۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنے دست مبارک سے دستار قضا آپ کے سر پر باندھی اور دعا دی کہ جو تیرا یا تیرے فرزندوں کا دشمن ہو جوان مرجائے یا خانہ خراب ہو ۔ یا کوڑھی ہو ۔ صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ الحق میں نے اپنے وقت میں تین چار آدمیوں کو دیکھا کہ امر قضا کا اراد گیا اُن میں سے ایک جوان مرا

دوسرا اندھا اور خانہ خراب ہوا۔ ایک کوڑھی ہوا۔ اور ایک شخص رحم علی نامی موضع نیول کا باشندہ جو قصبہ بانگرمئو کے قریب ہی قاضی محمد احسان اللہ سلمہ اللہ تعالے کے خلاف کسی فریب سے پروانہ قضا اپنے نام لکھوالایا تھا اور نواب ابوالمنصور خاں بہادر ناظم صوبہ اودھ نے اس کو منظور نکیا آخر اس کا خاندان ایسا برباد ہوا کہ کوئی باقی نہ رہا۔

المختصر حضرت مخدوم کے فرمانے کے بموجب سیدالسادات سید محمود ڈھبھے کی دختر مسماۃ بی بی شاہو کے ساتھ نسبت قرار پائی شادی کے روز چندا عرف چندی زمیندار مذکور نے حاضر ہو کر عرض کی کہ بچپنے سے میں نے ان کی خدمت کی ہے۔ امیدوار ہوں کہ آج شادی کے دن میرا ایک جوڑا قبول کر کے نوشاہ کو پہنایا جائے۔ حضرت مخدوم نے فوراً فرمایا کہ مبارک ہے۔ اس نے جوڑا سفید مع پگڑی کے حاضر کیا۔ حضرت مخدوم نے وہی پگڑی سر پر باندھ کے فرمایا مبارکباد۔ حب سے یہ رسم آپ کے فرزندوں میں اب تک جاری ہے کہ نکاح کے وقت سفید پگڑی گو منقشی ہو نوشاہ کے سر پر باندھی جاتی ہے اس کو مبارک اور میمون جانتے ہیں۔

آپ آغاز شباب ہی میں اپنے پدر بزرگوار کے حین حیات مسند حکومت وقضا پر متمکن ہوئے اور بڑی قابلیت سے اپنے امور متعلقہ کو انجام دیتے رہے اور تہذیباً و انکساراً سجلوں کے دستخطوں میں تو اپنے نام کے آگے مجبوراً "حاکم بلگرام" لکھدیتے تھے باقی تحریروں میں "الراجی الی رحمۃ العلام عبدالدائم بن الہداد قاضی بلگرام" ترجمہ خدا کی رحمت کا امیدوار عبدالدائم الہداد کا بیٹا بلگرام کا قاضی۔ تحریر فرماتے تھے۔ جب حضرت اجمیر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو امور قضا اپنے پدر بزرگوار کے متعلق کر گئے اسوقت کے سجلات پر آپ کے والد کے دستخط ہوئے۔

بلگرام میں آپکی سکونت اور دارالعدالت قلعۂ راجہ سری "اوپرکوٹ" آپکے غلام بہت سے تھے اُن میں سے بعض آپکی خدمت میں رہکر پڑھ لکھ گئے۔ ہر ایک کو قلعے کے نیچے زمین دیکر گھر بنوا دیے تھے۔ وہ زمین چیری پورہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ دو غلام خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ کی مجاوری کے واسطے آزاد کر کے درگاہ کے متصل اُن کے رہنے

کو زمین ہبہ کردی جس کا مفصل ذکر باب اول کی دوسری فصل خواجہ صاحب مذکور کے حال میں ہو چکا ہے۔

قاضی محمد یوسف ثانی نے جو محلہ سلہڑا میں نو بیگہ سولہ بسوہ زمین اپنے جدّی باغ میں سی جلاہوں کو دیدی تھی جس کا ذکر اُن کے حال میں اوپر ہوا وہ آپ نے اُن جلاہوں کی اولاد سے خرید کے اُس پر باغ لگایا اور اپنے جد قاضی محمد شمس الدین کے چبوترۂ مزار کے پاس اُسی باغ میں پختہ اندارا بنوایا جس کا ذکر قاضی محمد شمس الدین کے حال میں اوپر ہوا۔

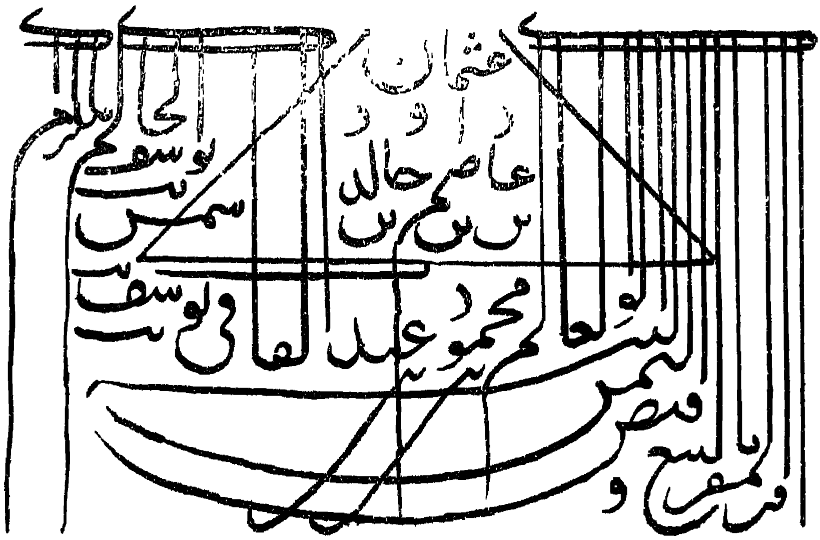
چند بیگہ زمین محلہ سلہڑا کے متصل گو رغریباں کے لیے وقف کی اور تیس بیگہ چند بسوہ زمین سید عبدالاحد کلاں کو ہبہ کی جس پر سرائے اور کچھ پختہ حویلیاں میر موصوف نے بنوائیں۔

جب سید محمد دائم ترمزی ہجد سادات داعی پور کے ساتھ آپکی دختر کی نسبت کی گفتگو ہوئی تو آپنے فرمایا کہ اگر بلگرام کی سکونت سید موصوف اختیار کریں تو میں ایک قطعہ زمین اُنکو ہبہ کردوں گا جس پر دو تین حویلیاں اور کچھ رعایا کے مکانات ہیں ۔ یہ منظور ہو تو شادی ہوگی ورنہ نہیں سید مذکور نے منظور کیا۔ چنانچہ آپ نے بائیں قلعہ گوشۂ جنوب و غرب میں تھوڑے فاصلے پر زمین جو کسی قدر بلند اور ٹیکرا کے نام سے موسوم تھی سید مذکور کو ہبہ کردی ۔ وہاں جو آبادی سادات ترمزی اولاد سید محمد دائم مذکور کی ہوئی وہ محلہ ٹیکرا مشہور ہوا جو اب کثرت استعمال عوام سے ٹکرا ہو گیا۔

آپ اپنے دستخط میں صرف اپنی کنیت "ابوالعالم" لکھتے تھے۔ منجملہ آپ کے دستخطی سجلوں کے مفصلہ ذیل سجل بہم پہنچے۔

اول دو قطعہ زمین کا بیعنامہ ۔ ایک قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق موسوم جوکاندل تعدادی سات بیگہ چھ بسوہ پانچ بسوانسہ ۔ اور دوسرا قطعہ خراجی متصل قطعۂ مذکور تعدادی سولہ بسوہ ایک بسوانسہ ۔ دونوں قطعہ تعدادی آٹھ بیگہ دو بسوہ چھ بسوانسہ نوشتہ بھکیا بن نوچن بن فرید بنام ملک بایزید لبعوض مبلغ جون سکۂ رائج اور ستائیس جیتل ۔ تاریخ پانچویں ماہ ذیقعدہ ۸۸۰ھ آٹھ سو اسی ہجری مطابق ۱۴۷۶ء ایکہزار چار سو چھہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے ۔ گواہان ملکیت منبان بن سلطان عمر اور خطیر بن تاج بن معین ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا

یہ طغرا ہے



عبارت طغرا۔ اقرالمقر بالبیع وقبض الثمن کتبہ ابو العالم بن محمود بن عبد الکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم بلگرام ۔ ترجمہ ۔اقرار کرنے والے نے بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا ۔ لکھا اسکو داؤد عثمان کے بیٹے خالد. خالد کے بیٹے عاصم ۔ عاصم کے بیٹے یوسف ۔ یوسف کے بیٹے شمش ۔شمس کے بیٹے یوسف کے بیٹے عبدالکافی ۔ عبدالکافی کے بیٹے محمود ۔محمود کے بیٹے ابو العالم ”قاضی عبد الدائم“ بلگرام کے حاکم نے ۔

یہ سجل ملک عبداللطیف کے گھر سے نکلا جو ملک بایزید مشتری مذکور کی اولاد میں تھے آن سے قاضی احمد اللہ عثمانی نے نقل کیا بعدہٗ اصل سجل شیخ محمد حسین بن نور محمد بن شیخ محمد نواسہ ملک دانیال بن ملک فتح اللہ عرف ملک بھیجے بن ملک علاء الدین ابنائے ملک بایزید مشتری مذکور سے محکمہ قضا میں پہنچا ۔

دوم ۔بیعنامہ قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب جنوب منسوب بجند بہ تعدادی سات بیگہ اٹھارہ بسوہ نوشتہ بلدین محمد بن فرید بن شیخن شریف وکالتاً منجانب والدہ خود مسماۃ بی بی فخر بنت مین

بن اختیار بوسری بنام ملک بازید بعوض مبلغ اکتالیس سکہ رائج اور پانچ جیتل کے جو مسماۃ مذکور کو اپنے شوہر متوفی کے ترکے سے مہر کے عوض میں ملا۔ یہ بیعنامہ تاریخ گیارہویں ماہ ربیع الاول آٹھ سو بیاسی ہجری مطابق ۱۴۷۷ء ایک ہزار چار سو ستتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان وکالت وکیل مذکور فیروز بن محمد بن فرید بن شیخن شریف مذکور۔ اور گواہان ثبوت ملکیت ابوطالب بن سعد اللہ بن فرید بن شیخن شریف مذکور۔ سعد اللہ بن فرید مذکور۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا وہی طغرا ہے جو سجل اوّل میں لکھا گیا۔ اور اُسکے ملنے کی بھی وہی صورت ہے جو سجل اول کی مذکور ہوئی۔

سوم بیعنامہ زمین تعدادی بیس بسوہ موضع بھائی اعمال قصبہ بلگرام جو اب بیہریا کے نام سے مشہور ہے نوشتہ ملک حسن وکالتاً منجانب مادر خود مسماۃ بی بی جہاں منکوحۂ ملک عبداللہ ترمزی "جو مسماۃ مذکور کو مہر میں ملا" بنام ملک پیارے بن ملک چندن بن ملک بازید بعوض مبلغ دو سو روپیہ تاریخ دوسری ماہ صفر ۹۰۴ھ نو سو چار ہجری مطابق ۱۴۹۸ء ایکہزار چار سو اٹھانوے عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان وکالت وثبوت ملکیت ملک حسین بن ملک حاجی۔ افغان خوندی صحاب سالار سلطان۔ اس کے نیچے آپکے دستخط کا وہی طغرا ہے جو سجل اوّل میں لکھا گیا ہے۔

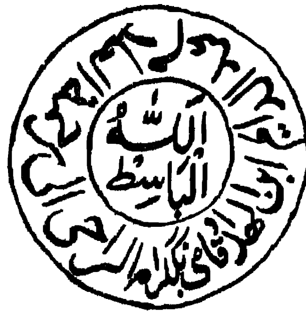
یہ سجل بھی محمد حسین بن نور محمد بن شیخ محمد نواسۂ خاندان ملک پیارے مشتری مذکور کے ذریعہ سے محکمہ قضا میں پہنچا۔

واضح ہو کہ بیس بسوے مبیعۂ مذکور ملک حاجی پدر ملک حسین گواہ مذکور الصدر مورث شوہر بائعہ کے تھے جو مورث مذکور نے جلاہوں سے بذریعہ بیعنامہ محررہ تاریخ دہم ماہ جمادی الآخر ۸۶۷ھ آٹھ سو سڑسٹھ ہجری مطابق ۱۴۶۲ء ایکہزار چار سو باسٹھ عیسوی خرید کئے تھے اس بیعنامہ کا حوالہ بیعنامہ مذکور الصدر میں ہے اور وہ (مسجل بسجل قاضی محمد محمود حاکم مرحوم) لکھا ہے۔ اس سے بھی قضات عثمانی کی حکومت کا قدیم سے مسلم ہونا ثابت ہے۔

منجملہ سجلات مذکور کے سجل اول و دوم کی پوری نقل صاحب شرائف عثمانی نے اپنی کتاب میں کی ہے اور تین سجلوں کے صرف سنہ تحریر لکھدیئے ہیں ع۱ سجل ۸۷۷ھ آٹھ سو ستتر ہجری ع۲ سجل ۹۰۱ھ نو سو ایک ہجری ع۳ سجل ۹۱۱ھ نو سو گیارہ ہجری۔ رسالہ سجلات فی تاریخ

القضات میں بھی انہیں تین سجلوں کے سنہ تحریر صرف لکھے ہیں۔

صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ آپ نے عہد آخر میں مہر بھی کندہ کروائی بعد اُس کے سجلوں کے نیچے دستخط کے ساتھ مہر بھی ثبت فرماتے تھے۔ ... اکثر کاغذوں کے نیچے راقم الحروف نے مہر اور دستخط طغرا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اسی وقت سے حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہ مد قاضی محمد یوسف گارزونی" کی اولاد میں مہر بھی جاری ہوئی ورنہ قضات سابقین فقط طغرا الحفظ ولایت اپنے آبائی کرام کے ناموں سمیت سجلوں کے نیچے تحریر فرماتے تھے انھی مہر کی نقل یہ ہے۔



واضح ہو کہ آپکی حکومت مثل اپنے پدر بزرگوار کے آخر عہد حسین شاہ شرقی پسر خرد محمود شاہ شرقی تک سلطنت جونپور کی ماتحتی میں رہی۔ جب حسین شاہ موصوف نے سلطان بہلول لودھی سے شکست کھائی تو اودھ پھر حدود مملکت جونپور سے نکل کر سلطنت دہلی کے متعلق ہو گیا اور اسی ضمن میں بلگرام کی حکومت بھی دوبارہ سلطنت دہلی کی ماتحتی میں آگئی۔

بعد اُس کے دہلی کی سلطنت خاندان مغلیہ کے ہاتھ آئی ظہیر الدین محمد بابر نے اس کو فتح کیا اور اگلے انتظام سلطنت کو بدل کر اپنے قلمرو کی ماتحت حکومتیں بھی خاص اپنے ہی قبضے اور انتظام میں رکھیں۔ اُس وقت سے صرف عہدہ قضا مع چند اختیارات حکومت آپ کے متعلق رہ گیا۔ جبھی مہر کندہ کروائی اور اُس میں نام کے ساتھ صرف وہی الفاظ رکھے جو علاوہ دستخط سجلات کے اور تحریروں میں لکھا کرتے تھے۔

اور حاکم بلگرام کی جگہ صرف حاکم کا لفظ طغرے میں رہ گیا جس سے مراد حاکم شرع ہے۔

آخر آپ نے بادشاہ کے حضور میں پہنچکے موضع اودھپور پرگنہ سانڈی اور موازی ڈھائی سو بیگہ زمین "جو قصبۂ مذکور کے سواد میں سابق سے آپکے متعلق تھی" کی بابت فرمان حاصل کیا نقل اُس کی یہ ہے۔

نقل فرمان بادشاہ دیوانیان برادر اعزاکرم ارشد کامگار منظور نظر الظار افریدگار الممدوح بلسان العبد والہ محمد سلطان بہادر بوفور عواطف پادشاہی مشرف گشتہ بدانند کہ قاضی عبدالدائم ولد اللہ داد بدرگاہ عالم پناہ آمد و بعد از ادائے وظائف و ثناگستری اظہار فضیلت خود نمودہ بہ ذروۂ عرض رسانید کہ موضع اودھپور از پیٹہ حویلی اعمال قصبہ فتحپور سانڈی کہ جمع آں زمین مبلغ ہشت صد تنکہ سیاہ است و دو دیست و پنجاہ بیگہ در سواد قصبہ مذکور بموجب احکام حکام سابق متعلق باو بود درینولا التماس امضا نمودہ آنجا زاً بالملتمسہ فرمان جہاں مطاع واجب الاتباع شرف نفاذ یافتہ کہ بدستور سابق تعلق بشاڑ الیہ داشتہ باشد تا حاصل آن را گرفتہ در وجہ مدد معاش خود صرف نماید مے باید کہ بدیں موجب مقرر دانستہ موضع مذکور و آں زمین باو مسلم دارد و بجہت یا بوجہات و اخراجات مزاحم و متعرض نگردد و دھونکہ و سالی یا لپسائی مطالبت نہ نماید در عایت احوال او لازم داند کہ کسے او را نجش نرساند تحریراً فی التاریخ الثامن شہر ربیع الاول سنہ اربع و ثلاثین و تسعمائۃ۔ ترجمہ۔ بندے کی زبان سے تعریف کیے ہوئے اور برگزیدہ۔ خدا کے منظور نظر بڑے ہدایت پائے ہوئے مقصدور۔ بزرگ تر عزیز تر بھائی محمد سلطان بہادر کے اہل دار العدالت بادشاہی مہربانیوں کی کثرت سے مشرف ہو کر جانیں کہ الہداد کے بیٹے قاضی عبدالدائم نے دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں مقررہ تعریفوں کے بعد اپنی فضیلت کا اظہار کر کے عرض کی کہ قصبہ فتحپور سانڈی کے آس پاس کے پرگنوں میں سے موضع اودھپور جسکی آمدنی مبلغ آٹھ سو سکہ رائج ظاہر ہے اور ڈھائی سو بیگہ قصبہ مذکور کے اطراف میں احکام سابق کے حکموں کے بموجب اُس کے متعلق تھے۔ اب اُس کے اجراء کا حکم دینے کے لیے التماس کی۔ عرض کے بموجب مطلب پورا کرنے کے طور پر فرمان "جس کی مطابعت واجب ہے اور دنیا اس کی تابع ہے" جاری ہوا کہ بدستور سابق مشاڑ الیہ۔

قاضی عبدالدائم کے متعلق رہے تاکہ اُس کے حاصلات کو لیکر اپنے ذرائع بسراوقات کی مدد میں صرف کرے۔ چاہیئے کہ اس سبب سے مقرر جان کے موضع مذکور اور وہ زمین اُس کے سپرد ہو اور کسی قسم کے اخراجات اور آمدنی میں روک ٹوک نہ کیجائے۔ دہونکہ۔ سالی۔ یا پیائی کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اُس کے ساتھ رعایت لازم جانیں کہ کوئی اسکو تکلیف نہ پہنچائے۔ ماہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ ۹۳۴ھ نوسو چونتیس ہجری" میں لکھا گیا۔

اس فرمان کی عبارت سے آپ کے بزرگوں کی ملکیت قصبہ سانڈی میں بھی قدیم سے معلوم ہوتی ہے جس کی رو سے بابر شاہ نے بدستور سابق موضع و زمین مذکرہ بالا فرمان آپ کو مرحمت فرمائی اور صاحب شرائف عثمانی نے جو قاضی محمد یوسف گازرونی کی نسبت ان کی حکومت کالپی اور فتحپور سانڈی میں بھی متحقق ہونا تحریر کیا ہے منجملہ اُس کے سانڈی کی حکومت کا پتہ فرمان مذکور کے مضمون سے بھی لکھا ہے۔ قصبہ سانڈی میں اولاد گنج اُسی زمین پر واقع ہے جو فرمان میں درج ہے۔

آپ نے موضع شرف الدین پور کے بیں بسوے مع مزروعہ شیخن پور پرگنہ بلگرام بدفعات بی شکر بنت سالار تہاردین سالار جیا منکوحہ سالار سلیمان بن سالار یوسف بن سالار عجید بشیر سے خرید کیے اور موضع اکبرپور عرف خانجہاں پور و بہاری پور عرف خیراللہ پور کو بھی خرید کیا موضع شرف الدین پور کا بیعنامہ آپ کے نام پندرھویں تاریخ ماہ محرم ۹۳۸ھ ہجری مطابق ۱۵۳۱ء ایکہزار پانچسو اکتیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔

صاحب شرائف عثمانی کی تحریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ پائیں حصار اس خاندان کی عمارتوں سے لیکر طول و بسط میں تالاب جوئی کلیانی ڈیڑہ کوس تک املاک قاضی آباؤ اجداد سے بدستور آپ کے قبضہ میں آئی۔ چنانچہ سواد قصبہ میں چند قلیچے پختہ کہ وہاں رعایا آباد ہیں اور تقریباً چالیس پچاس باغ اور بیس اندارے پختہ اور گنبد اور روضے اور مسجدیں وغیرہ آپ نے اور آپکی اولاد نے محلہ قاضی پورہ کے قریب تعمیر کیے۔

آپ بڑے درویش کامل عالم و فاضل بزرگ تھے۔ خدمت قضا تو خاص آپ

کے متعلق تھی ہی علاوہ اس کے خلافت رشد و ارشاد بھی تھی اور طریقہ درس و تدریس بھی جاری رکھتے تھے آپ کے تین فرزند قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال ۔ قاضی بازید المشہور بہ بزودی دان اور شیخ عبدالحئی دانشمند صاحب علم و عمل تھے ۔ اس لیے اپنی زندگی میں آپ نے خلافت قضا قاضی کمال کو اور خلافت درس و تدریس قاضی بازید کو اور خلافت مشیخت شیخ عبدالحئی کو مرحمت فرمائی ۔ اور اس لحاظ سے فرزند اول کو قاضی اور دوم کو ملا اور سوم کو شیخ کے خطاب سے سرفراز فرمایا ۔ اسوقت سے آپکی اولاد میں تین فرقے یعنی قاضی و ملا و شیخ ہو گئے ۔ چنانچہ اس امر کی تفصیل کو آپ کے فرزند اول قاضی کمال نے یوں نظم فرمایا ہے ۔

نظم

فاتح باب معانی شیخ عبدالدائم است — کاشف راز نہانی شیخ عبدالدائم است
آنکہ در اولاد ذی النورین باعلم و عمل — رہبر اہل معانی شیخ عبدالدائم است
قاضی احکام شرع و سالک سلک ورع — از جناب جد ثانی شیخ عبدالدائم است
بندگی مشہور شد او را لقب مخدوم نیز — در حقیقت قطب ثانی شیخ عبدالدائم است
من ترا دو از لب او بسکہ چوں گوہر سخن — شاہ ملک نکتہ دانی شیخ عبدالدائم است
طالبانش این سخن را در سرود آوردہ اند — نور شمع مہربانی شیخ عبدالدائم است
آنکہ بر زخم دل ہر طالب حق مے کند — نکتہ اش مرہم فشانی شیخ عبدالدائم است
بندہ را کو پیر و ہم استاد و ہم والد بود — اے برادر گر بدانی شیخ عبدالدائم است
آنکہ از فیض لسانش درمیان ہجدہ سال — شد ز علم کامرانی شیخ عبدالدائم است
آنکہ از تلقین و ارشادش مرا حاصل شدہ — گوہر بحر معانی شیخ عبدالدائم ست
آنکہ احکام شریعت بندہ را تفویض کرد — سرور ملک امانی شیخ عبدالدائم ست
پور ثانی شیخ بازید عالم الدہرش بدان — این چنین فیض عیانی شیخ عبدالدائم ست
نسبت عالی کہ ہست این پور را در ہر علوم — جملہ از فیض زبانی شیخ عبدالدائم است
وانکہ عبدالحئی و دانشمند شد او را لقب — این ہم از لطف نہانی شیخ عبدالدائم ست

صاحب سجادۂ وہم محتوی علم و فقرہا — آن در از کانِ معانی شیخ عبدالدایم است
ہر سہ مارا کرد حکمے تاکنیم اجرائے آں — موجب آں شادمانی شیخ عبدالدائم است
ظلّ او ممدود باد ابر سر ما ہر یکے — زانکہ شاہ دوجہانی شیخ عبدالدائم است

مے ندانی ای کمال از نظم خود حد ادب
این جناب کیست دانی شیخ عبدالدائم است

واضح ہو کہ مصنف نظم مسطور الصدر عالم و فاضل تھے نہ کہ شاعر۔ اسوجہ سے محض حسب موزونی طبع بطرز عالمانہ بلا لحاظ نکات شاعری حال واقعی نظم کیا ہے۔

ترجمہ

ع۱ مطلبوں مرادوں کے دروازے اور چھپے ہوئے بھیدوں کے کھولنے والے شیخ عبدالدائم ہیں۔ ع۲ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اہل باطن کے عالم و عامل ہادی شیخ عبدالدائم ہیں ع۳ دوسرے دادا "حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی" کی طرف سے شریعت کے حکموں کے قاضی اور پرہیزگاری کی راہ چلنے والے شیخ عبدالدائم ہیں ع۴ ان کا لقب بندگی اور مخدوم مشہور ہوا حقیقت میں شیخ عبدالدائم دوسرے قطب ہیں ع۵ اُن کے لب سے موتی کے مانند الفاظ نکلتے ہیں۔ عقلمندی کے ملک کے بادشاہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۶ ان کے طلبگار اس بات کو نغمے کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ شیخ عبدالدائم مہربانی کی شمع کی روشنی ہیں ع۷ جنکی پاکیزہ پوشیدہ بات خدا کے ہر طالب کے دل کے زخم پر مرہم لگاتی ہے وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۸ ای بھائی اگر تو جاننا چاہتا ہے کہ میرے پیر استاد اور باپ کون ہیں تو جان یہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۹ جنکی زبان کے فیض سے اٹھارہ برس میں مجھکو کامرانی حاصل ہوئی وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۰ جنکی تعلیم اور ہدایت سے مجھکو مطالب کے دریا کے موتی حاصل ہوئے۔ وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۱ جنھوں نے شریعت کے احکام میرے سپرد کیے وہ امیدوں کے ملک کے سر/ شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۲ شیخ عبدالدائم کا ظاہری فیض اسطرح کا ہے کہ اُن کے دوسرے بیٹے شیخ بازید زمانے کے عالم ہیں۔ ع۱۳ یہ جوان بیٹے شیخ

بازید کو ہر علم سے برتر لگاؤ ہی یہ سب شیخ عبدالدائم کی زبان کے فیض سے ہے ۱۱ اور عبدالحی کا جو دانشمند لقب ہوا یہ بھی شیخ عبدالدائم کی پوشیدہ مہربانی سے ہے ۱۵ وہ صاحب سجادہ او علم و فقر میں گھرے ہوسے "شیخ عبدالحیٰ" شیخ عبدالدائم کی مطالب کی کہاں کا موتی ہیں۔ ۱۶ ہم تینوں "قاضی کمال۔ قاضی بازید۔ شیخ عبدالحیٰ کو حکم کیا تاکہ اسکو جاری کریں اس خوشی کا باعث شیخ عبدالدائم ہیں ۱۷ ہم ہر ایک کے سر پر ان کا سایہ دراز رہے اس لیے کہ دو جہاں کے بادشاہ شیخ عبدالدائم ہیں۔ ۱۸ اے کمال اپنی نظم کی اوہن میں تجھکو تعظیم کی حد کا خیال نہیں تو جانتا ہے کہ یہ کسکی درگاہ ہے؟ شیخ عبدالدائم کی ہے۔

صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ حسب موزونی طبع کبھی نظم کی طرف بھی متوجہ ہوتے تھے یہ دو تین شعر قاضی محمد یوسف ثالث کے سفینے میں لکھے ہوسے ملے۔

نظم

لطفے رحمے کہ بے نوائیم	دریائے دُو تو ایم ہر کجا ئیم
ما و تو قدیم اشنائیم	بیگانہ چرا شوے تو از ما

چوں پادشہی گدائی آمد
هم پادشہیم وہم گدائیم

پیدائش آپ کی واقعات و کاغذات قدیم سے نویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم عہد سلطان معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ میں معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ وفات بمیں نرشوری مولف شرائف عثمانی نے اپنی تصنیف یہ لکھی ہے

قطعہ تاریخ

کاید صفتش نہ در دلیل و برہاں	آں صدر نشیں مسند آرائے قضا
قدوائی زمانہ شیخ آل عثماں	خورشید سپہر فضل عبدالدائم
تاریخ بگو محرم حرم عرفاں ۸۷۰ھ	در سنہ دوسی و ہفت رحلت فرمود

مجکو ان سنین وفات کی صحت میں تامل ہے اس لیے کہ جب قاضی موصوف نے موضع شرف الدین پور بذریعہ بیعنامہ محررۂ تاریخ پانزدہم ماہ محرم ۹۳۸ھ نوسو اڑتیس ہجری خرید کیا جسکی نقل خود مصنف صاحب تاریخ نے اپنی کتاب شرائف عثمانی میں درج کی ہے تو پھر اس سن سے ایک سال قبل وفات ہونا کیا معنی۔ پس جب ۹۳۸ھ نوسو اڑتیس ہجری میں قاضی صاحب موصوف کا بقید حیات ہونا ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ ان سنوں کے بعد کے کسی سن میں وفات واقع ہوئی۔ چنانچہ بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہمایوں شاہ ابن بابر شاہ حادثات ملک گیری میں مبتلا تھے اور شیر شاہ سوری نے موقع پاکر ہندوستان پر اپنی سلطنت قائم کرلی۔ بلگرام میں بھی ہمایوں سے سخت معرکہ ہوکر ہمایوں کو شکست ہوئی اور بلگرام کی امارت سلیم خاں کو سپرد ہوئی تو آپ اسوقت بقید حیات اور بدستور اپنے عہدے پر تھے اور سلیم خاں آپکی تعظیم و توقیر اور بزرگی کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ یہ سب واقعات ۹۴۷ھ نوسو اڑتالیس ہجری کے بعد کے کتب تواریخ سے ثابت ہیں۔ لہذا اس حساب سے جو تاریخ وفات آپکی صاحب شرائف عثمانی نے لکھی ہے اُس کے بعد کم سے کم دس بارہ سال اور آپ کی حیات معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ صرف وفات کی تاریخ اور مہینا نہم محرم الحرام نظر سے گذرا ہے۔

آپ نے میدان بیل اور مزار قاضی محمد یوسف گازرونی کے متصل جانب جنوب ایک باغ لگایا تھا جس کے جانب غرب وہ شارع عام ہی جو قنوج کو گئی ہے۔ چونکہ اس باغ میں نہایت بلند تاڑ کے درخت تھے اور کچھ اب بھی باقی ہیں۔ اس سلیے تاڑ والا باغ مشہور ہے اسی میں آپ کا مزار شریف ہے۔ آپ نے جو دو غلام مسمی عبداللہ و عبدالرحیم درگاہ خواجہ عمادالدین قدس سرہٗ کی خدمت مجاوری کے لیے آزاد کیے تھے جن کا ذکر مفصل پہلے باب کی دوسری فصل تحت حالات خواجہ عمادالدین قدس سرہٗ میں ہوچکا ہے۔ انہیں کی اولاد سے جو قلندر کے لقب سے مشہور ہیں آپکی درگاہ کی مجاوری بھی متعلق رہی جو کچھ چڑھاوا چادر اور زر نقد وغیرہ لوگ آپ کے مزار شریف پر چڑھاتے تھے وہ سب یہی قلندر مذکور لیا کرتے تھے

پہلے ہر پنجشنبہ کو بوقت شب مجلس مولود اور چراغاں ہو کر شرینی پر فاتحہ ہوا کرتا تھا
قاضی محمد سلیم کے وقت تک یہ طریقہ جاری رہا جب ان کو مبلغ چودہ ہزار
روپیہ بسبب ضامنی مالگذاری برادران سادات محلہ سید واڑہ تاوان دینا
پڑے (جس کا ذکر مفصل اُن کے حال میں ہوگا) تو اُس وقت سے موقوف ہوگیا
آپکو خلافت رشد وارشاد بزرگوں سے پہنچی تھی اس کا ذکر مفصل آپ کے
فرزند سوم شیخ عبدالحئی دانشمند (جو آپ کے صاحب سجادہ تھے) کے حال میں ہوگا۔

قاضی مبارک محتسب

آپ علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کے دوسرے بیٹے اور قاضی محمود الہداد مذکور کے بھائی تھے۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" آپ کا کچھ حال نہیں ملا۔ شرائف عثمانی سے اتنا پتا لگا کہ محتسب تھے اور یہ عہدہ انہیں کے وقت سے ان کے خاندان میں آیا۔ آپ مثل صاحبان مسطور الصدر کے حاکم بلگرام نہ تھے۔ مگر چونکہ آپ کے پوتے عبدالصمد محتسب کے ذکر کے سوا آپ کے خاندان کے اور مشاہیر کا حال نہیں معلوم ہوا جو علیحدہ فصل اُن کے حالات کی قائم کیجاتی لہٰذا شجرہ نمبرا میں شامل ہونے کی وجہ سے آپکا اور آپ کے پوتے عبدالصمد محتسب کا ذکر اسی فصل میں کردیا گیا۔

عبدالصمد محتسب

آپ ہانس بن قاضی مبارک محتسب مذکور کے بیٹے تھے۔ خدمت احتساب آپ کے متعلق تھی مگر آپ اس کے انجام دینے میں کم توجہی کرتے تھے اس لیے آپ کے چچیرے بھائی قاضی کمال اس کام میں مداخلت کرتے رہے آخر آپ کے اور قاضی کمال کے درمیان مناقشہ ہوا اس کا ذکر تیسری فصل میں آگے قاضی کمال کے حالات میں ہوگا اسی وقت سے آپ محلہ قاضی سے نکل کے محلہ ملکنہ کے متصل بازار کلاں کے ملحق سکونت پذیر ہوئے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ عالم متبحر تھے۔ اکبر شاہ کا مہری فرمان احتساب مجددا آپ کے نام ہی نقل اس کی یہ ہے (تحریرًا فی التاریخ سنہ حاکم وقضات اسلام سنہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شرائف عثمانی کے مولف سے تاریخ فرمان ہذا نقل میں سہواً چھوٹ گئی

پرگنہ بلگرام بدانند زبانی عبدالصمد محتسب چناں بموقف عرض رسید کہ در پرگنہ مذکور شراب خانہ وبوزہ خانہ بودہ وہندوان انجا لعلانیہ بت پرستی میکردند و در محل بت پرستی بعضے ازمسلمانان جمعیت مے نمودند وبمنع اہل شرع شریف ممنوع نمی شدند چوں در دین رواج شریعت عزا اہتمام تمام است بنابراں حکم فرمودیم کہ شراب خانہ و بوزہ خانہ و امثال آنہا درہر جا باشد برطرف ساختہ مرتکبان مسکرات راتعذیب بہ بیع نمایند وہندوان پرگنہ مذکور راازبت پرستی منع نمودہ چناں کنند کہ اثارہ بدعت وضلالت درآں پرگنہ نماند ودردفع مناہی کوشیدہ غایت سعی بظہور رسانندم

ترجمہ تاریخ تحریر ۱۰۰۲ھ "ایکہزار دوہجری" پرگنہ بلگرام کے مسلمان حاکم اور قاضی جانیں ۔عبدالصمد محتسب کی زبانی ایسا ظاہر ہوا کہ پرگنہ مذکور میں شراب خانہ اور کلواری تھی اور وہاں کے ہندو کھلم کھلا بت پرستی کرتے تھے اور بت پرستی کے موقع پر بعض مسلمان جمع ہوتے تھے اور اہل شرع کے منع کرنے سے مانتے نہیں تھے چونکہ دین میں روشن شریعت کے رواج کا پورا اہتمام ہے اس بنا پر ہم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں شرابخانہ اور کلواری وغیرہ ہو اُسے موقوف کرکے ایسا کریں کہ اُس پرگنے میں بدعت اور گمراہی کے آثار نہ رہیں اور ناجائز باتوں کے دفع کرنے میں کوشش کرکے نہایت سعی ظاہر کریں)

تیسری فصل شیوخ عثمانی کا شجرہ نمبر (۲) اور قضات عثمانی

مندرجہ شجرہ نمبر (۳) کا ذکر

شجرہ نمبر (۲) شاخ شجرہ نمبر (۱)

قاضی کمال بن بندگی قاضی عبدالدایم

ابوالمکارم قاضی بھکاری | قاضی محمود | ابوالعلا قاضی بڑے | قاضی محمد حافظ لاولد مرگئے | قاضی عبدالصمد | قاضی سدن

قاضی قطب الدین | قاضی محمد یوسف ثالث | قاضی عبدالحی | شاہ عبدالکافی معروف بہ ناناکافی

قاضی صدرالدین | شیخ بدرالدین | شیخ علیم الدین لاولد

قاضی امجد | قاضی بدیع الدین عرف قاضی بدلے | وسیع الدین عرف منڈا

غلام محمد | غلام محی الدین | دختر

قاضی محمد فضیل | قاضی محمد سلیم لاولد | محمد واسع لاولد

دختر | حاجی غلام اخی | شیخ قدرت اللہ لاولد شہید ہوئے

قاضی محمد حافظ لاولد | قاضی محمد ناصر

حیات النبی لاولد | عبدالنبی لاولد | شیخ محمد لاولد

قاضی محمد احسان | قاضی محمد روشن

شیخ علیم الدین عرف جھوٹے میاں لاولد | شیخ عظیم الدین عرف محمد حافظ لاولد

غلام محمد یوسف عرف بڑے میاں | قاضی احمد اللہ | محمد صدیق سخنور | شیخ اسد علی

یار محمد | محمد فقیہ لاولد | دختر | حسن عسکری عرف محمد حسین | محمد واعظ

دختر | قاضی علی احمد | ابوالفتح | زین العابدین | محمد شمس الدین

ناصر علی

دختر

تکملہ

قاضی علی احمد

قاضی مجد الدین محمد	اوحد الدین احمد	علی متقی	علی مہتدی (لاولد مرے)

اوحد الدین احمد:

نور الحق گونگے	بہار الحق گونگے متاہل نہیں ہوئے	احسان الدین متاہل نہیں ہوئے

نور الحق گونگے:

دختر غیر کفو

علی متقی:

ریاض مصطفےٰ خردسال مرے	ریاض حیدر خوردسال مرے

قاضی مجد الدین محمد:

مصلح الدین حیدر ×	اصلح الدین حیدر ×	مصباح الدین حیدر ×	قاضی شریف احمد	قاضی قطب حیدر لاولد مرے	نجم الدین احمد ناکتخدا مرے

قاضی شریف احمد:

شیخ محمود سرّی ناکتخدا مرے	قاضی مصطفےٰ علی	ارتضیٰ علی خردسال مرے	وصی احمد شیرخوار مرے

قاضی مصطفےٰ علی:

قاضی محمد یوسف علی عرف کلو میاں	اعظم علی عرف منّو میاں	شریف الحسن عرف ننھول میاں	انوار احمد عرف مجھتو میاں	رؤف احمد عرف رحمن میاں

قاضی کمال الدین عرف قاضی کمال

آپ کی کنیت ابوالفتح۔ بندگی قاضی عبدالدایم مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپرکوٹ" شرائف عثمانی میں آپ کی پیدائش ۹۱۷ھ نوسو سترہ ہجری میں لکھی ہے جس کے مطابق ۱۵۱۱ء ایک ہزار پانچ سو گیارہ ہوتے ہیں اور عہد سلطان سکندر لودی کا پایا جاتا ہے۔ بڑے دیندار اور عالم و فاضل جید تھے۔ آپ کی پیدائش بھی اپنے والد کی سن رسیدگی میں ہوئی اور اُنہوں نے اپنے حین حیات ہی میں عہدہ قضا آپ کے سپرد کر دیا۔ نہایت خوبی سے اس امر بزرگ کو آپ انجام دیتے رہے چونکہ خدمت احتساب قاضی مبارک محتسب "جو آپ کے دادا کے بھائی تھے" کے وقت سے اونکے فرزندوں کے متعلق تھی اور وہ لوگ اُس کے انجام دینے میں کم توجہی کرتے تھے اس لئے آپ کام میں مداخلت کرتے رہے اور آپ کی اُس طرف کی مصروفیت کی وجہ سے امر قضا بھائیوں میں تقسیم رہا اُسی زمانہ میں ایک فرمان اکبر بادشاہ کا بلگرام کی بعض اراضی کے مالکوں کی درخواست پر آپ کے پاس صادر ہوا جو قضات اسلام و جاگیرداران و عمال پرگنہ بلگرام کے نام ہے یہ اصل فرمان میں نے دیکھا اور اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہ کے پاس موجود ہے۔ ماہ جمادی الاولی ۹۷۱ھ نوسو اکہتر ہجری مطابق ۱۵۶۳ء ایک ہزار پانچ سو ترسٹھ عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی پیشانی پر طغرائے نسخ کی ایک چوکھنٹی بڑی مہر ہے جو بوجہ صاف نہ اُٹھنے کے پڑھی نہیں جاتی اور اس مہر کے اوپر تحریر ہے۔ جس کا عکس بعینہ یہ ہے۔

محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی

دو مہریں گول فرمان کی پشت پر بھی ہیں۔ ایک تقریباً انچ بھر کی مدور یہ بھی بخط نسخ ہے اور دوسری اُس سے بڑی بالکل حاشیے پر ہے جو حاشیہ بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے جاتی رہی ذرا سا کنارہ مُہر کا باقی ہے۔

جب قاضی عبدالدایم نے امر قضا خاص آپ کے متعلق کر دیا تو قاضی مبارک محتسب مذکور کے پوتے قاضی عبدالصمد محتسب اعزۂ شہر بالخصوص اعزۂ شیوخ فرشوری سے اس امر کی ہمیشہ شکایت کرتے رہے شیخ الداد صدیقی فرشوری اُن کے مشیر کار رہے اور وہ اس باب میں زیادہ مبالغہ کرتے رہے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ قاضی عبدالصمد نے اکبر شاہ کے حضور میں پہنچ کے قاضی کمال کو وہاں طلب کروایا۔ آخر یہ فیصلہ ثالثی قرار پا کر تحریر ہوا **نقل فیصلہ** مقصود ازیں نوشتہ آنکہ چوں قاضی عبدالصمد بن ہانس فرمان عظام برائے طلب قاضی کمال آوردہ بودند بعدہٗ قاضی کمال و قاضی عبدالصمد مذکورین بدارالخلافت اکبرآباد آمدند بعدہٗ میراں سید عبدالواحد و میراں سید محمد و میراں سید عثمان درمیان شدند میان فریقین قرار دادند کہ ہر چہ عقدانہ خارج تشاریف باشد ثلث برائے قاضی عبدالصمد بدہند و دو ثلث قاضی کمال بستانند و خواندگی چنانچہ سابقاً مناصف قرار بود ہمچنان باشد و قاضی عبدالصمد مذکور ہمیشہ با اخلاص باشد و ہرگز شکوہ و شکایت و گلہ نکنند و چیزے دعوی نمایند اگر بکنند دعوی الیشان باطل و نامسموع باشد تحریراً فی التاریخ عشرین شہر صفر ختم اللہ بالخیر والظفر سنہ ثمان و سبعین و تسعمائۃ من ہجرۃ صلعم۔ مہر والعبد قاضی کمال مہر اداہن منجمن سقی۔ مہر سید دُلارے عبدالبقی۔ مہر سید صدرالدین ابراہیم۔ گواہی مکرم عبدالکریم فرشوری۔ ترجمہ۔ اس تحریر سے مقصود یہ ہے کہ قاضی عبدالصمد ابن ہانس جو بزرگ فرمان قاضی کمال کے بلانے کے لئے لائے تھے اُس کے بعد قاضی کمال اور قاضی عبدالصمد مذکورین دو ذکر کئے گئے ،، دارالخلافت اکبر آباد میں آئے تو پھر سید عبدالواحد اور سید محمد اور سید عثمان نے درمیان میں پڑکر دونوں کے بیچ میں یہ بات قرار دی کہ جو کچھ نکاح جانے کی نذر سوا پوشاک کے ہو اُس میں سے ایک تہائی قاضی عبدالصمد کو دیں اور دو تہائی قاضی کمال لیں اور نکاح پڑھوائی جیسی کہ پہلے آدھو آدھ مقرر تھی اُسی طرح رہے اور قاضی عبدالصمد مذکور ہمیشہ سچے دوست بنے رہیں اور شکوہ شکایت اور گلہ ہرگز نہ کریں اور نہ کچھ دعوی کریں اگر کریں تو اُن کا دعویٰ بے اصل ہو اور سُنا نہ جائے۔ بیسویں تاریخ ماہ صفر کی ۹۷۸ھ نو سو اٹھتر ہجری (۱۵۷۰ء ایک ہزار پانچسو ستر عیسوی) میں لکھا گیا۔

جس وقت اس باہمی نزاع کا زور شور تھا شیخ الہداد صدیقی فرشوری جو اپنے

مطلب کے لئے اس قضیے کو طول دلوا رہے تھے موقع پاکر خود اکبرآباد پہنچے اور علامہ شیخ فیضی کی سال بھر
خدمت کر کے اُن کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ اُنھوں نے شیخ الہداد کے علم و فضل کی بادشاہ
سے خود تعریف کی اور خلاف شائی سے قاضی کمال کی بُرائی اور اُن کے برادران اور بعض اعزۂ
شہر کی اُن کی جانب سے ناخوشی موقع موقع پر بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فرمان قضا
شیخ الہداد مذکور کے نام حاصل کر کے اُن کے حوالے کر دیا اور قاضی کمال بیچارے عہدۂ قضا سے معزول
ہو کر قصبۂ راجگیر میں اپنے خسر قاضی معروف کے یہاں عزلت گزیں ہو گئے آخر ایک مدّت کے
بعد اُن کے منجھلے بیٹے قاضی محمود اکبرآباد پہنچے او اکبر شاہ کے حضور میں باریاب ہو کر بڑے
ذی مرتبہ امیر ہوئے اُنھوں نے قاضی الہداد غاصب سے اُنیس برس کے بعد عہدۂ قضا نکلوا کر
فرمان قضا پھر اپنے پدر قاضی کمال مذکور کے نام کرالیا۔ مفصل قصہ اس کا قاضی محمود کے حال
میں بیان ہوگا۔ مگر نقل فرمان مذکور کی یہاں پیش کی جاتی ہے

نقل فرمان اکبر شاہ بنام قاضی کمال

تحریراً فی التاریخ روز رام لبت دیکم ماہ تیر آلٰہی ۳۰ سنہ موافق روز یکشنبہ دوم شہر شوال سنہ الف آنکہ
چون سابقاً منصب قضائے پرگنہ بلگرام بموجب حکم جہاں مطاع تعلق بفضیلت مآب کمالات اکتساب
صلاح آثار تقوی شعار قاضی کمال داشتہ و معزول شدہ بود و موازی دو لبست بیگہ زمین مزروع
بے منصب قضا در وجہ مدد معاش او مقرر بود۔ چون بتاریخ روز فروردی نوزدہم ماہ آذر آلٰہی
۳۶ سنہ موافق لبست و چہارم شہر صفر سنہ الف از نظر اشرف گزشت حکم جہا نمطاع عز صدر
دریافت کہ عمدۃ الملک شاہم خان جلابر کہ جاگیر داران پرگنہ است اگرا و را با امانت و دیانت دانم
بدستور سابق قاضی آنجا بودہ یک صد و پنجاہ بیگہ زمین بمدد معاش او بدہند در ینولا در باب امانت
و دیانت خود نوشتہ بمہر عمدۃ الملک مشارٌ الیہ ظاہر ساخت حکم قضا جریان شرف نفاذ یافت کہ مشارٌ
الیہ بدستور سابق قاضی آنجا بودہ یکصد و پنجاہ بیگہ زمین بگز آلٰہی از جملہ دو لبست بیگہ مزروع کہ در قبض و
تصرف داشت بموجب ضمن از ابتدائے خریف لوئیل در وجہ معاش او مع اولاد مقرر باشد و بمراسم
قضا قیام و اقدام نماید باید کہ حکام کرام و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال و ایمہ متوطنان

پرگنہ مذکور مومی الیہ را قاضی الیہ را قاضی باستقلال آنجا دانستہ عقود وانکحہ و قطع فصل و ضبط اموال غیب و مجانین و کتابت صکوک و سجلات و تعدیل مکیال و اوزان و تفتیش اشعار و ذراع و زجر و منع مرتکبان مناہی و مایکون من ہذا القبیل ہمہ را مخصوص او شمرند و غیرے را باد شریک ندانند و قضایاے شرعیہ را باو رفع نمایند و اراضی مذکورہ را از محل قدیم پیمودہ و چک بستہ بتصرف آن واگزارند و بعلت یا بوجہے و حقوق و لوالی و غیرہ چوں قتلغہ و پیش کش و ساوری و صدور و تکرار زراعت و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک مزاحمت نرسانند و در استقرار و استمرار ایں حکم کوشیدہ ہر سال فرمان مجدد نہ طلبند تحریر صدر رسنہ الیہ) **ترجمہ**۔ دروزرام اکیسویں تاریخ ماہ تیر ۳۷ سنہ سینتیس "جلوسی"، مطابق روز یکشنبہ ماہ شوال ۱۰۰۱ ایک ہزار ہجری میں لکھا گیا کہ پہلے جو پرگنہ بلگرام کا منصب قضا دینا کی اطاعت کی گئے "بادشاہی حکم کے بموجب فاضل۔کامل نیک اور پرہیزگار قاضی کمال سے تعلق رکھتا تھا اور وہ معزول ہوگیا تھا اور دو سو بیگہ کی برابر بوئی ہوئی زمین بے منصب قضا کے اُس کی مدد معاش کے لیے مقرر تھی۔

جب بروز فروردین تاریخ اُنیسوین ماہ آذر ۳۶ سنہ "جلوسی"، مطابق تاریخ چوبیسویں ماہ صفر ۱۰۰۱ ایک ہزار ہجری کو وہ نظر اشرف "نظر بادشاہ" سے گزرا تو جہان کی اطاعت کیا گیا "بادشاہی" حکم صادر ہوا کہ عمدۃ الملک شاہم خاں جلایر جو اس پرگنے "بلگرام" کا جاگیردار ہے اگر اُس "قاضی کمال" کو امانت و دیانت دار جانے تو بدستور سابق وہاں "بلگرام" کا قاضی ہوکر ڈیڑھ سو بیگہ زمین اُس "قاضی کمال" کی مدد معاش کے لئے دیدیں۔ اب مشارٌالیہ "قاضی کمال" نے اپنی امانت و دیانت کے بارے میں عمدۃ الملک کی مہر کی ہوئی تحریر دکھائی تو دفعتاً جاری ہونے والا حکم جاری ہوا کہ مشارٌالیہ "قاضی کمال" بدستور سابق وہاں "بلگرام" کا قاضی ہوکر ڈیڑھ سو بیگہ زمین اکبری گز سے منجملہ دو سو بیگہ مزروع "بوئی ہوئی" جو اُس کے قبضے اور تصرف میں تھی حسب قاعدہ شروع فصل سے اُس کی معاش کے لئے مع اُس کی اولاد کے مقرر ہو اور وہ قضا کے قاعدوں پہ دلیری سے قایم رہے اور موجودہ اور آیندہ کے جاگیردار اور کروری اور پرگنہ مذکورہ "بلگرام کے سب رہنے والے اشارہ کئے گئے "قاضی کمال" کو وہاں "بلگرام کا مستقل قاضی جان کر عقد نکاح۔ فصل کاٹنا۔ غیر موجود اور دیوالوں کے

مال کی نگہبانی ۔تیالوں اور سجلوں کا لکھنا۔ اناج ناپنے کے برتنوں اور وزنوں کا درست اور برابر کرنا ۔ دل میں خوف ڈالنا اور ہاتھ کے گز کی جانچ گھڑ کی جھڑکی اور غیر شرع ناجائز باتیں اختیار کرنے والوں کو روکنا اور اسی طرح کی اور باتیں سب اس "قاضی کمال" کے واسطے مخصوص سمجھیں ۔ اور کسی دوسرے کو اُس کا شریک نہ جانیں اور شرعی جھگڑے اُسی سے رفع کریں اور زمین مذکورہ قدیم موقع سے ناپ کے اور حد باندھ کے اُس کے تصرف میں چھوڑ دیں اور کسی وجہ یا سبب سے اُس کے حقوق وغیرہ مثلاً قلبہ ۔نذر۔ساوری ۔حدود۔ بار بار کھیتی کرنا اور ہر سال کی آمدنی تشخیص حد کے بعد لینے میں تنگ نہ کریں اور اس حکم کے مضبوط اور ہمیشہ قایم رہنے میں کوشش کر کے ہر سال نیا فرمان نہ چاہیں۔ اوپر کے سنہ میں لکھا گیا)

المختصر جب شیخ الہداد مذکور اپنی چال سے ٹھوکر کھا کر اوندھے مُنہ گرے تو اپنے چند برادروں اور بعض اعزہ شہر" جو ان کے موافق تھے"، کی مہروں سے ایک صورت حال اپنے مطلب کے موافق قاضی کمال کے خلاف تیار کیا مگر پھر کالے کے آگے چراغ نہ جلا۔ شیخ فیضی کو الگ سوجھی ہوئی کہ یہ کیا ہوگیا ۔بعدۂ موقع پاکر وہ صورت حال علامہ فیضی کی معرفت حضور میں گزرانا۔ علامہ موصوف نے زبانی بھی کہا کہ الہداد کو تو اُس کا علم و دیانت حضور پر ظاہر ہوکر فرمان قضا مرحمت ہوا تھا اور اب پھر اُسے معزول کرکے قاضی کمال کے نام فرمان قضا نافذ ہوا ہے اور قاضی کمال ایسا ہی ہے ۔ بادشاہ نے فرمایا کہ پہلے الہداد خلا ف کی سے فرمان قضا ہم سے لے گیا ۔ قاضی کمال اسم بامسمیٰ ہے اور یہ امر قدیم الایام سے اُسکی اسلاف سے تعلق رکھتا ہے اب اس میں تغیر نہ ہوگا۔ شیخ فیضی بیچارے یہ ٹکا سا جواب پاکر اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے ۔ اس شکست کھانے سے شیخ فیضی و قاضی محمود کے درمیان شکر رنجی بھی ہوگئی ۔مگر فرشوریوں کو پھر اُس وقت سے عہدۂ قضا نصیب نہیں ہوا۔

القصہ فرمان حاصل ہونے کے بعد قاضی کمال نے اکابر شہر بالخصوص میر سید عبدالواحد میر سید محمد اور سید عثمان کو جمع کرکے قاضی عبدالصمد جن کا جھگڑا اوپر بیان ہوا کو بلایا اور کہا کہ خدمت قضا و احتساب دونوں ہمارے تمہارے باپ دادا سے تعلق رکھتی ہے اور اب دونوں عہدوں کی بابت فرمان بادشاہی ہمارے نام ہے مگر ہم اب اپنی طرف سے امر

احتساب تمہارے اور تمہارے فرزندوں کے لئے چھوڑے دیتے ہیں اور امر قضا جو بندگی قاضی عبدالدایم نے اپنی زندگی ہی سے ہمارے سپرد کر دیا ہے اس کی طمع نہ کرد اور نہ کچھ اُس کی بابت شکوہ وشکایت کرو ورنہ دونوں امر ہمیں کو پہنچتے ہیں۔ قاضی عبدالصمد نے اس بات پر راضی ہوکر بازنامہ لکھدیا۔

واضح ہوکہ معزولی سے قبل تین فرمان اکبرشاہ کے قاضی کمال کے حق میں اور پائے جاتے ہیں جن میں ایک ۹۷۱ھ نوسو اکہتر ہجری مطابق ۱۵۶۳ء ایک ہزار پانچسو تریسٹھ عیسوی اور دوسرا ۹۷۸ھ نوسو اٹھتر ہجری مطابق ۱۵۷۰ء ایک ہزار پانچسو ستر عیسوی اور تیسرا ۹۷۹ھ نوسو اناسی ہجری مطابق ۱۵۷۱ء ایک ہزار پانچسو اکہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایک ہزار آٹھ سو اکہتر عیسوی تک اُن کے یہاں رہے بعدہٗ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دے کر لے گئے اور اُن سے تلف ہوگئے جس کا ذکر فصل دوم کی پہلی فصل کے آخر میں صورت حال کی نقل کے بعد ہو چکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کے درمیان میں ۹۷۸ھ و ۹۷۹ھ و ۹۷۱ھ کے اکبری کتبے یہی تینوں فرامین مذکور ہیں۔ مجکو اُن کی نقلیں دستیاب نہ ہوئیں صرف فرمان آخرالذکر کی بابت اتنا دریافت ہوا کہ یہ فرمان چوبیسویں تاریخ ماہ شعبان ۹۷۹ھ نوسو اناسی ہجری کا لکھا ہوا قاضی کمال کے حق میں جبیب اللہ کمال افسر انچارج ڈویزن کے نام تراسی بگیہ زمین کی بابت جو سلطان تروی بیگ اور فضل سلطان نے بحکم خواجہ محمد سلیمان ضبط کرلی تھی۔

شیخ سلیمان اور اُن کے بھانجے مولانا ضمیری "جن کا ذکر اپنے مقام پر ہوگا"، پر قاضی کمال کی بہت نظر عنایت تھی چنانچہ اُن کی سکونت کے لئے بہت سی زمین عطا کی اور علاوہ سکونت کے اور قطعات اراضی بھی اُن کے قبرستان وغیرہ کے لئے مرحمت کئے جس کے شکریئے میں مولانا ضمیری نے ایک قطعہ آپ کی مدح میں کہا وہ یہ ہے۔ قطعہ

معدن فضل وکرم قاضی ابوالفتح آنکہ ہست　　اعلم واکمل کمال ابن ابوالعالم بدہر

ما زبینے خانہ دارے درجہاں میخواستیم　　اوز ملک خولیشتن بخشید حبا مار البشہر

اقبل آمد مولد و منشاے او در بلگرام　　راند کفارِ لعین را جدِ اعلایش بقہر

باطنش دریاے علم و ظاہرش احسان و خلق　　یافتہ ہر گونہ از وے ہر یکے فیضے و بہر

بے نظیر اندر کرم بے مثل در علم و عمل　　آشکار است اندر جہاں اوصاف او سر و جہر

ہاں ضمیری دست بردار و دعا کن دم بدم　　تا بروز حشر بادا او حاکم و قاضیِ شہر

دشمن او باد دائم در جہاں مردود و کور　　دوستِ او روشن اختر ہمچو مہر و مہ بدہر

ترجمہ :۔ بزرگی اور سخاوت کی کھان قاضی ابوالفتح جو کہ زمانے میں بڑا عالم اور بہت کامل ہے وہ ابوالعالم " قاضی عبداللہ ابیم " کا بیٹا اور اُس کا عرف قاضی کمال ہے۔ ہم دنیا میں گھر بنانے کے قابل زمین چاہتے تھے اُس نے اپنے مُلک سے شہر میں ہم کو جگہ عطا کی۔ اُس کا وطن اور جائے پیدائش بلگرام میں بہت پہلے سے ہے۔ ملعون کافروں کو اُس کے جدِ اعلیٰ " قاضی محمد یوسف عثمانی " نے بزورِ زبردستی نکال دیا۔ اُس کا باطن علم کا دریا اور اُس کا ظاہر احسان اور مروت ہی۔ ہر ایک نے اُس سے ہر طرح فیض اور حصہ پایا۔ سخاوت میں بے نظیر اور علم و عمل میں بے مثل۔ اُس کے چھپے ہوئے اور کھلے ہوئے سب اوصاف دُنیا میں روشن ہیں۔ ہاں ضمیری ہاتھ اُٹھا اور بار بار دُعا کر وہ قیامت تک شہر کا حاکم اور قاضی رہے۔ اُس کا دشمن دنیا میں ہمیشہ مردود اور راندہ رہے۔ اُس کا دوست زمانے میں سورج اور چاند کی طرح روشن نصیب رہے۔

آپ نے اپنے عہد میں موضع کندریا۔ موضع پردلی اور موضع ہرہری اُن کے مالکوں سے خرید کئے۔ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ کے دستخطی مہری بہت سے سجل گھروں میں ہیں۔ بطور مشتے نمونہ خروارے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اول بیع نامہ ایک بسوہ منجملہ بیس بسوہ موضع ڈھولی اعمال قصبہ بلگرام کا نوشتہ مسمی یوسف مبتنا، امیلر دہو بن عین بوسری بنام ہنوراج بن دھنول بن ہرنس مقدم موضع رسولی بعوض مبلغ سو سکہ رائج جو بایع کو امیرا دہوند کور سے بسبب تملیک کے ملا۔ یہ بیع نامہ تاریخ بائیس ماہ رمضان ۹۴۹ھ نو سو انچاس ہجری مطابق ۱۵۴۲ء ایک ہزار پانچ سو بیالیس کا

لکھا ہوا ہے۔ گواہان ثبوت ملکیت اوجہی بن عطن بن امیر علاء بوسری۔ بوسر بن راجن بن راجن بوسری اور گواہان حاشیہ قاضی بن کمال۔ اوجہی بن عطن امیر علاء بوسری مذکور اُس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا اور مہر ہے۔

آل احمد مصطفےٰ و عبد حضرت ذو الجلال ابن قاضی عبد دائم نام وی قاضی کمال

عبارت طغرا:۔ اقر المقر بما فیہ کتبہ ابو الفتح بن ابو العالم بن محمود بن علامت الکلا فی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم۔ ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہی اُس کا کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اُس کو داؤد کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے شمس شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے علامت الکافی۔ علامت الکافی کے بیٹے محمود محمود کے بیٹے ابو العالم۔ ابو العالم کے بیٹے ابو الفتح حاکم نے مہر پر یہ شعر ہے [۵]

آل احمد مصطفےٰ و عبد حضرت ذو الجلال ابن قاضی عبد دایم نام وہی قاضی کمال

ترجمہ:۔ احمد مصطفےٰ کی آل اور خدا کا بندہ۔ قاضی عبد الدائم کا بیٹا اُس کا نام قاضی کمال واضح ہو کہ بلگرام کی قدیم حکومت تو دورِ بابری میں آپ کے پدر بزرگوار قاضی عبد الدایم ہی کے زمانے میں جاتی رہی جیساکہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے آخر میں بضمن حالات

[۵] قاضی شریف احمد صاحب عثمانی نے اپنے رسالہ تکملۂ شرائف عثمانی میں بضمن تتمۂ احوال غلام حسن شہید مولف شرائف عثمانی بحوالہ مرآۃ الجنان لکھا ہی کہ عبد اللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین بن امام الدین عمر بن عثمان کا عقد فاطمہ صغرا بنت حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوا تھا اور اُنکے بطن سے علیم الدین عبد العزیز ہیں جن سے قضات عثمانی بلگرام کا سلسلہ نسب ملتا ہی۔ بہ اولاد فاطمہ صغرا ہونے کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے اپنے آپ کو آل رسول بھی لکھا ہے۔

بندگی قاضی عبدالدایم ذکر ہوا۔ اب جو آپ کے طغرے میں صرف حاکم کا لفظ ہے اس سے حاکم شرع مراد ہے سجل مذکورۂ بالا کے حاشیہ پر وارثان ہنوراج مذکور کی طرف سے بسوۂ مندرجۂ سجل کی فروختگی میاں بدو ورجلال کے ہاتھ سولھویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۹۸۸ھ نوسو اٹھاسی ہجری مطابق سنہ ۱۵۸۰ء ایک ہزار پانچسو اسی عیسوی کی لکھی ہوئی ہے اور اُس پر آپ کی صرف مہر ہے۔ یہ اصل کاغذ دیوان قضا میں مکرمی قاضی شریف احمد صاحب کے وقت تک محفوظ رہا۔ چونکہ موضع دہولی مذکور کے بسوے سادات صغروی کے یہاں بیع ہوئے لہذا چودھری سید محمد عسکری صغروی نے اصل کاغذ مذکور قاضی شریف احمد صاحب سے مانگ لیا اور اُس کی نقل قاضی صاحب موصوف کو دیدی اُس کے نیچے خاص اپنے قلم سے لکھدیا کہ (بسوہاے موضع دہولی خریدِ بزرگان بندہ است و کاغذ قدیم بنام مالکان موضع مذکور بخانۂ شرافت پناہ قاضی شریف احمد امانت بود کاغذ جدید خرید بزرگانم نزدم موجود کاغذ قدیم مذکور از شریعت پناہ موصوف گرفتہ شد لہذا برنقلش مہر نمودہ شد) ترجمہ موضع دہولی کے بسوے بندے کے بزرگوں نے مول لئے ہیں اور موضع مذکور کے مالکوں کے نام پرانا کاغذ شریعت پناہ قاضی شریف احمد کے یہاں تھا اور میرے بزرگوں کے نام کا کاغذ میرے پاس موجود ہے۔ پُرانا کاغذ مذکور شریعت پناہ موصوف سے لیا گیا اس لئے اُس کی نقل پر مُہر کر دی گئی اُس کے نیچے چودھری سید محمد عسکری صاحب نے اپنے دستخط کرکے تین مُہریں اپنی مکرر کی ہیں اس نقل کی مطابق اصل ہونے کی تصدیقی مہریں محمد حسین اور امداد علی رضوی اور ابراہیم حسین کی بھی ہیں۔

دوم - بیع نامہ چار بسوہ منجملہ بیس بسوہ موضع لوچن پور اعمال قصبہ بلگرام کا نوشتہ مساۃ منی جہان بنت سید .... منکوحۂ حسن بن فتح بن لوچن بنام سید تاج الدین و سید عثمان ابناے سید حسین دُلارے بعوض مبلغ بارہ سکہ نقرہ جو بایعہ کو اپنے شوہر متوفی سے مہر کے عوض میں ملے۔ تاریخ پندرہویں ماہ ذی قعدہ ۹۶۳ھ نوسو تریسٹھ ہجری مطابق ۱۵۵۵ء ایک ہزار پانچسو پچپن عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان ثبوت ملکیت سالار حامد بن سالار شمس تہارو۔ پیارے بن بھورن سالار عجائب۔ گواہان حاشیہ بدر الاسلام ابوالفتح عماد۔ عبدالرحیم عبدالصمد عماد الظفر شوری۔ خواندم العلما اوہن منجھو۔ اس سجل کے نیچے آپ کے دستخط کا وہی طغرا اور مہر ہے جو سجل اول میں ہے۔

سوم۔ صلح نامہ راج بن ہنو بن ہرہنس اور بدور بن مبارک بن یوسف کے درمیان جو اصل ہیں بنفس خود اور وکیل ہیں اپنے شرکا مبارک چندن و دلارے محمد پیارے بن یوسف مذکور۔ اور سدھن بن فتول۔ اور حسین بن پیارے۔ اور کمال بن ہانس۔ اور ادھی بن عطن کی طرف سے بیس بسوہ موضع دہولی من اعمال قصبہ بلگرام کی بابت۔ تاریخ چوبیس ماہ ذیقعد ۹۶۴ھ نوسو چونسٹھ ہجری مطابق ۱۵۵۶ء ایک ہزار۔ پانچ سو چھپن عیسوی کا لکھا ہے۔ یہ فیصلہ فریقین نے سید عبدالنبی بن پیارے کو حکم قرار دے کر تحریر کیا اور قاضی کمال کے سامنے دیوان شرع میں پیش کیا۔ اسکے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے۔ شروع میں (کان فی دیوان القضا) بخط طغرا شامل ہے۔

جس کا ترجمہ ہے "قضا کی کچہری میں تھا" اور مُہر بھی وہی ہے جو سجل اوّل میں نقل کی گئی بعد اس کے اصحاب ذیل کے دستخط ہیں۔ سید عبدالنبی سید پیارے حسینی۔ ان کی مہر بھی ہے جس پر عبدالنبی پیارہ حسینی منقوش ہے۔ عبدالرحیم بن عبدالصمد بن عماد الفرشوری۔ چاند بن شمس اعوان۔ حسن بن عبدالقادر بن پیارہ حسینی۔ اوہن بن بھو مبارک بن جلال الفرشوری۔ محمد عطاراللہ فاروقی۔ عبدالقادر بن پیارے حسینی۔ سید کمال حسینی ان کی مہر بھی ہے جس پر سید کمال منقوش ہے۔ اشرف محمد حسینی مکرم بن عبدالرحیم بن عبدالصمد الفرشوری۔ کمال۔ تاج الدین حسین حسینی۔ بدرالدین بن ابراہیم حسین۔ پناہ محمد بن پیارہ حسینی۔ سید عمر بن تاج حسینی۔ اوجھی بن فضل اللہ۔ بدور بن مبارک بن یوسف فرلق۔ عبدالشکور بن شمس برخوردار حسینی۔ عبدالصمد بن ہانس۔ عبدالوہاب بن بھورن خطیب جمال الدین حسین۔ ماہراجہ چاند۔

یہ اصل سجل سید ابراہیم حسین کے گھر سے نکلا اور دیوان قضامیں مکرمی قاضی شریف احمد صاحب کے وقت تک محفوظ رہا اور موضع دہولی مندرجہ سجل مذکور کے بسوے چودھری سید محمد عسکری صغروی کے بزرگوں کے یہاں بیع ہو جانے کی وجہ سے یہ سجل بھی چودھری موصوف نے قاضی شریف احمد صاحب سے مانگ لیا اور اُس کی نقل قاضی موصوف کو دیکر خاص اپنے دست وقلم سے وہی عبارت نیچے لکھکر اپنے دستخط کرکے تین مہریں اپنی مکرر کردیں جس کی نقل مع ترجمہ سجل اوّل کے تحت میں اوپر کی گئی۔ اس نقل کے مطابق اصل ہونے کی بھی تصدیق

مہریں اُنہیں اصحاب کی ہیں جن کی سجل اول کی تصدیق کی بابت ہیں۔
قاضی کمال دوبارہ عہدہ قضا حاصل ہونے کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صرف ایک سال زندہ رہے۔ چوراسی سال کی عمر ہو کر ماہ ربیع الاول کی چودھویں تاریخ ۱۰۰۱ھ ایک ہزار ایک ہجری مطابق ۱۵۹۲ء ایک ہزار پانچ سو بانوے عیسوی عہد اکبر شاہ میں وفات پائی اور تاڑ والے باغ میں اپنے پدر بزرگوار بندگی قاضی عبدالدایم کے مزار کے پاس مدفون ہوئے۔ ملا فیروز عثمانی نے یہ تاریخ وفات کہی۔

قطعہ

اے دریغا کہ مشفق و مکرم — عارف وقت خضر بحر نوال
آن محقق مدقق دوران — وان منفتح درسرائے جلال
سال ہشتاد و چار در دنیا — کرد تلقین دین مبارک فال
چون ندا در رسید از عالم غیب — گشت پنہاں بسان آب زلال
اسم و تاریخ از خرد جستم — گفت ہاتف بدانکہ شیخ کمال ۱۰۰۱ھ
باش آزاد از غمش فیروز — صبر بہتر ازیں ملال منال

ملا فیروز نے مادہ تاریخ خوب نکالا کہ متوفی کا نام بھی اور تاریخ بھی مگر چونکہ قاضی کمال متوفی کے سگے بھائی قاضی بایزید کے پردتے تھے اس لحاظ سے قاضی کمال بھی اُن کے پردادا ہوئے۔ لہذا تاریخ کہتے وقت اپنے پردادا کا زیادہ غم و الم لاحق ہونے کی وجہ سے کچھ عیوب شعر کا خیال نہ رہا اور قطعہ تاریخ میں شعر اکو شبہات کا موقع باقی رہ گیا۔

قاضی بھکاری

آپ کا اصل نام نہیں معلوم ہوا۔ قاضی بھکاری عرف ہی اور کنیت ابوالمکارم قاضی کمال مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ"، عالم۔ فاضل۔ نیک اور مہذب شخص تھے۔ جس زمانے میں آپ کے پدر بزرگوار عہدۂ قضا سے معزول ہو کر گوشہ گزیں ہوگئے تھے آپ تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ تلاش روزگار میں وطن سے نکل کر کھڑے ہوئے۔

پہلی منزل قنوج میں ہوئی وہاں جو ئے کالی نی ”کالندری“ کے کنارے عمدۃ الملک شاہم خاں جلابر ناظم سرکار قنوج خیمہ زن تھے آپ مع ہمراہیوں کے سرا میں ٹھہرے۔ کسی طرح آپ کا حال ناظم موصوف نے سُنا فوراً کہلا بھیجا کہ میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں اگر قدم رنجہ فرمایئے تو مہربانی ہے۔ آپ تشریف لے گئے ناظم نے دریافت احوال کے بعد کہا کہ سرکار مالوہ میری جاگیر میں ہے مگر چونکہ بہت دور ہے لہٰذا میں ایک ایسا معتمد آدمی چاہتا ہوں جو وہاں کا انتظام امانت کے ساتھ کرے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو جو سامان مطلوب ہو مہیا کر دیا جائے۔ آپ نے قبول کیا۔ نواب نے چند گھوڑے اور خرچ عنایت کیا اور جو کچھ مطالب تھے لکھکر اپنے دستخط کر کے آپ کو مالوے روانہ کیا۔ آپ نے بہت ہی لیاقت سے وہاں کا بندوبست اور انتظام کیا اور بہت سے محاربوں کے بعد اُس ملک کو مفسد اور سرکشوں سے پاک کر کے روز افزوں ترقیاں حاصل کیں۔ چنانچہ ناظم مذکور مخدوم شاہ فتح اللہ راج گیری خواہر زادۂ مخدوم شاہ اخی جمشید سے آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اور عنایات روز افزوں مبذول فرماتے تھے۔ اس اثناء میں فرمان قضا آپ کے والد قاضی کمال کے نام ہو گیا اور حصول فرمان کے ایک سال بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ آپ چونکہ مالوے میں تھے لہٰذا احکام قضا اور امور فوجداری دونوں آپ کے بھائی ابو العلا عرف قاضی بڑے ”جو آپ سے چھوٹے تھے“ کے متعلق رہے اُس وقت پرگنۂ بلگرام وغیرہ آپ کے دوسرے چھوٹے بھائی قاضی محمود کی جاگیر میں تھے اور قاضی محمود بادشاہ کی حضور میں رہتے تھے۔ اس لئے قاضی بڑے موصوف نیابتاً جاگیر کا انتظام بھی کرتے تھے۔

قاضی کمال کی وفات کے بعد قاضی محمود نے قبل تکمیل فرمان قضا جو آپکے نام بعد کو حاصل کیا مالوے سے آپ کو بلایا۔ لیکن آپ نے کچھ خیال نہ کیا آخر دو تین طلبیوں کے بعد اپنے بیٹے قاضی محمد یوسف ثالث کو اپنی جگہ مالوے کی حکومت پر چھوڑ کر کے خود بلگرام چلے آئے یہاں آکر مالوے کی سند ناظم قنوج سے قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے نام حاصل کر کے مالوے میں بھیجدی اور امور قضا وغیرہ آپ کے اور آپ کے بھائی قاضی بڑے مذکور کے درمیان تقسیم رہے پھر وہ ڈھنگ نہ چلا اور قاضی بہکاری کے نام فرمان حاصل ہونے تک آپس میں مناقشہ رہنے لگا۔ جب یہ خبر قاضی محمود کو پہنچی تو اُنھوں نے

چھوٹے بھائی قاضی بڑے کو متواتر خطوط خاص اپنے دستخطی بھیجے کہ امر قضا قاضی بھکاری کے متعلق رہے کہ وہ بڑے بھائی ہیں اور تم جاگیرات کے کام میں مشغول ہو۔ غرض کہ یہ امر دونوں بھائیوں میں تقسیم رہا اور قاضی بڑے کی وفات کے بعد جب جہانگیر بادشاہ کا فرمان قاضی بھکاری کے نام صادر ہوا تو اُن کے نام مخصوص ہوگیا۔

آخر میں جہانگیر بادشاہ فرمان بنام قاضی بھکاری صادر ہوا اُس کی نسبت شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھا ہے کہ جہانگیر بادشاہ بنام قاضی بھکاری حاشیہ پر مہر طلائی بادشاہ ہے۔

نقل فرمان جہانگیر بادشاہ بنام قاضی بھکاری

(چوں امر جلیل القدر قضائے پرگنہ بلگرام از سرکار قنوج شریعت مآب قاضی مقرر بود، مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپردہ فضیلت مآب کمالات اکتساب دیانت آثار صلاح آثار قاضی بھکاری ولد متوفی مذکور کہ بصلاح وفلاح وعلوم دینیہ منسوب است بنظر اشرف گزشتہ حکم فرمودیم کہ امر قضائے پرگنہ مذکور مضافات از قریات وبنجات بمشارٌ الیہ مع اولاد مفوض باشد کہ چنانچہ دیانت او منصور است در احکام شرع شریعت از قطع خصومات ورفع نامشروعات وکتابت صکوک وسجلات وعقود وانکحہ مع الولی وبغیر ولی ومحافظت اموال الیتامیٰ والغائبین وبلا وارثین وصفحاے ایتام وصیت اوصیا واجتہاد بظہور رساندمی باید کہ سادات عظام ومشایخ کرام وحکام وشقداران وعاملان حال واستقبال خصوصاً چودہریان وقانوگویان ومقدمان ورعایا ومزارعان وسائر متوطنان پرگنہ مذکور حسب السطور مقدور معین دانستہ تصدی اور ادر تقلد ایں امر قوی مطلق دانند ودر جمیع امور شرعیۂ آنجا رجوع بموی الیہ نمودہ غیرے را شریک مشارٌ الیہ ندانند وطریق اعزاز واحترام بجا آوردہ دقیقہ از دقایق نامرعی نگزارند ومشارٌ الیہ نیز دریں امر عالی قدر نوعے قیام نماید کہ عندالخالق والخلایق مستحق شود ویوم تقویم الحساب از عہدہ بیروں تواند آمد دریں باب قدغن لازم دانستہ از فرمودہ صدر نگزرد تحریراً فی التاریخ، رماہ آبان الٰہی ۱۰۲۲ھ ہجری)

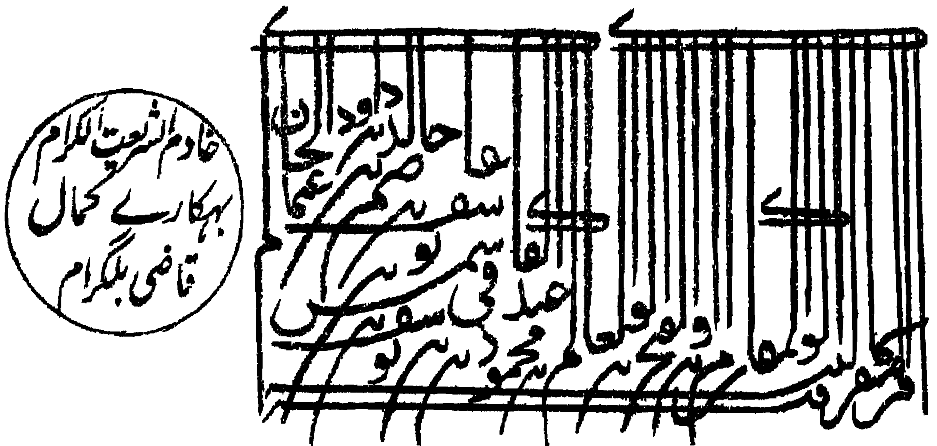
ترجمہ (قضائے پرگنہ بلگرام کا امر جلیل القدر جو سرکار فوج سے شریعت مآب قاضی کے لئے مقرر تھا وہ فوت ہو گئے۔ فاضل ذی کمال دیندار اور نیکی کی نشانیاں رکھنے والے قاضی بہکاری ولد متوفی " قاضی کمال " مذکور جو نیکی، بھلائی اور دینی علوم سے منسوب ہیں ہماری نظر سے گذرے ہم نے حکم دیا کہ پرگنہ مذکور مع دیہات و متعلقات وغیرہ کا امر قضا مشارٌ الیہ " قاضی بہکاری کی اولاد کے سپرد ہو کہ جیسی اُن کی دیانت خیال کی گئی ہے شرع شریف کے احکام جاری کرنے فساد مٹانے ناجائز باتوں کو موقوف کرنے۔ قبالے اور حکم نامے لکھنے مع ولی اور بغیر ولی کے عقد و نکاح باندھنے یتیموں۔ غیر موجودوں اور لاوارثوں کے مال کی حفاظت کرنے۔ یتیموں کی رعایت کرنے وصیت کئے ہوؤں اُن کے حق پر قایم کرنے اور اجتہاد کا اظہار کریں۔ چاہئے موجودہ اور آیندہ بزرگ سادات اور شیوخ اور حکام اور حصہ دار اور عامل خصوصاً چودھری۔ قانون گو۔ مہتوں (یہ مہیتا)، رعایا، کسان اور تمام پرگنہ مذکور کے رہنے والے لکھے ہوئے کے مطابق مقرر اور مخصوص جان کر اس امر قوی " قضا " کی پیروی میں اُن کو درپیش ہونے میں آزاد جانیں اور وہاں بلگرام کے تمام امور شرعیہ میں اُن سے رجوع ہو کر کسی دوسرے کو اُن کا شریک نہ جانیں اور عزت و حرمت کا طریقہ بجا لا کر اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں اور مشارٌ الیہ " بہکاری " بھی اس امر عالی قدر میں اس طرح قایم رہیں کہ خدا اور خدائی کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور حساب درست ہونے " قیامت " کے دن اُس کی ذمہ داری سے باہر ہو سکیں۔ اس بارے میں تاکید لازم جانکر اوپر کی لکھی ہوئی باتوں سے نہ درگزریں۔ تاریخ تحریر ساتویں ماہ آبان " آٹھواں مہینہ شمسی مطابق اگہن "، ۱۰۲۵ھ (پچیس) اس اصل فرمان کے دیکھنے والے مولفین شرائف عثمانی و رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات نے لکھا ہے کہ حاشیہ پر مہر طلائی اور بادشاہ کے دستخط خاص سے مزین ہے۔

صاحب رسالہ مسجلات نے قاضی بہکاری کے حال میں لکھا ہے کہ قاضی بڑے کی وفات کے بعد رؤسا مردمان قصبہ نے آپ کے پسر کلاں قاضی محمد کے سر پر دستار قضا باندہ دی مگر چونکہ قاضی بہکاری کے پاس فرمان جہانگیر بادشاہ موجود تھا اس وجہ سے انہوں نے قاضی محمد سے بازنامہ لکھوالیا نقل اُس کی یہ ہے۔ (باعث تحریر آنکہ چوں فرمان قضا بنام مخدومی ولی نعمتی

میاں قاضی بہکاری است بنا بر علیہ سنکہ قاضی محمد بن قاضی بڈہ ام تا آمدن حکومت پناہی قبلہ گاہی میاں قاضی محمود مجمود در امر قضا و پرگنہ بلگرام دخل نکنم این چند کلمہ بر سبیل سند نوشتہ دادیم کہ ثانی الحال حجت باشد تحریر ششم ماہ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ ترجمہ (تحریر کا سبب دو کہ فرمان قضا چونکہ میرے مخدوم پرورش کرنے والے میاں قاضی بہکاری کے نام ہی اس بنا پر میں کہ قاضی محمد قاضی بڑے کا بیٹا ہوں حکومت پناہ قبلہ گاہ قاضی محمود جی کے آنے تک پرگنہ بلگرام کے امر قضا میں دخل نہ کروں گا یہ چند کلمے بطریق سند کے لکھدئے کہ دوسرے وقت دلیل ہو۔ تاریخ تحریر چھٹی ماہ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ ایک ہزار پچیس)

صاحب شرائف عثمانی و رسالہ مسجلات لکھتے ہیں کہ قاضی بہکاری کی مُہر اور طغرے کے اکثر قبالے اور سجل شہر میں موجود ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں منجملہ اُن کے ایک قطعہ باغ کا بیع نامہ جو قاضی محمود بن قاضی کمال نے خریدا نویں تاریخ ماہ جمادی الآخر ۱۰۱۱ھ ایک ہزار گیارہ ہجری کا لکھا ہوا۔ دوسرا قبالہ تیسری تاریخ ماہ صفر ۱۰۲۳ھ ایک ہزار تئیس ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

آپ کے دستخط کے طغرے اور مہر کی یہ نقل ہے



عبارت طغرا اقر المقر بما فیہ کتبہ ابو المکارم بن ابو الفتح بن ابو العالم بن محمود بن عبد الکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم۔ ترجمہ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اس کو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے شمس شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبد الکافی عبد الکافی

کے بیٹے محمود۔ محمود کے بیٹے ابو العالم۔ ابو العالم کے بیٹے ابو الفتح۔ ابو الفتح کے بیٹے ابو المکارم حاکم نے۔
واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپ کی عہد اکبر شاہ میں اور وفات عہد جہانگیر بادشاہ میں بعد حصول فرمان قضا محررہ ۱۰۲۵ھ مسطور الصدر کے معلوم ہوتی ہے۔ اور مولف شرالیف عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ کے سنہ وفات قاضی محمد یوسف ثالث کے دستخط کے ساتھ ایک بیاض کے ورق کے کونے پر دیکھ کر بعینہ لکھے گئے۔ مادہ تاریخ ع گزشتہ بود ز رمضان چو ہیزدہ ایام انتھی۔ مگر مولف موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ اس مادہ سے کیا سن اور کس طرح نکلتے ہیں۔ بظاہر مصرع کے معنی سے تو تخرجے کی تاریخ معلوم ہوتی ہے کہ جب رمضان ۱۰۹۱ سے ہیزدہ ایام گزر گئے تھے یعنی (۱۰۹۱) سے (۸۳) نکال ڈالنے سے (۱۰۰۸) رہ گئے۔ یہ سن وفات قاضی بھکاری کے واقعات زندگی پر نظر کرتے ہوئے صحیح نہیں ہو سکتے۔ رمضان کے اٹھارہ ایام گزر جانے سے ماہ رمضان کی اُنیسویں تاریخ صرف ظاہر ہوتی ہے لیکن سنہ وفات نہ تخرجے سے نکلتے ہیں نہ مصرع کے اعداد سے علاوہ سال وفات نہ نکلنے کے تاریخ میں بھی اختلاف ہے کیونکہ میں نے رسالہ قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کے ورق پر گیارہویں جمادی الاخری لکھی دیکھی ہے واللہ اعلم۔ مصرع مسطور الصدر میں رمضان کے میم کا سکون اور بھی طرہ ہے قبر قصبے کے دکھن طرف ایک باغ میں ہے جو بندگی قاضی عبداللہ ایم کے تاڑ والے باغ سے ملحق ہے۔

قاضی قطب الدین

آپ ابو المکارم قاضی بھکاری مذکور کے بڑے بیٹے فلک تمکین کے آفتاب اور دائرہ ملت و دین کے قطب تھے مقام سکونت قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ"، شرالیف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھا ہے کہ فاضل کامل اور عالم متبحر اور حافظ کلام اللہ تھے۔ پدر بزرگوار کے انتقال کے بعد بروز سوم تمام شہر کے رئیسوں نے جمع ہو کر خلعت قضا آپ کو پہنایا اور مردم شہر نے بالاجماع قاضی بنایا۔ آپ کے مُہری قبالے اور حکم نامے شہر میں موجود ہیں۔ اُسی وقت میں قاضی بڑے کے بیٹے قاضی محمد (آپ کے چچیرے بھائی) بھی اپنی مہر کر دیتے تھے۔ آپ کی دو مہروں کی نقل جیسی دونوں کتب مذکور میں ہی نقل کی جاتی ہے۔





ایک مہر میں غالباً کچھ الفاظ اُلٹ پلٹ نقل کئے گئے ہیں جن پر مولفین موصوف نے غور نہیں کیا اس مُہر کے الفاظ یہ شعر ہے ؎

بلطفِ جہانگیر صدر کرام　　شدہ قطب دین قاضی بلگرام

جیساکہ قاضی کمال مذکور کی مُہر پر یہ شعر ہے۔

آل احمد مصطفےٰ و عبد حضرت ذوالجلال　　ابن قاضی عبد دایم نام شُد قاضی کمال

صاحب شرائف عثمانی و رسالہ سجلات دونوں نے آپ کا زمانہ ابتداً عہد جہانگیر میں اور آخر عہد سلطان شاہجہاں بادشاہ غازی میں لکھا ہے۔ اور صرف شرائف عثمانی میں وفات آپ کی بائیسویں تاریخ ماہ رمضان میں ہے سن ندارد۔

واضح ہو کہ آپ کی اصل مہر کا کوئی قبالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ مولفین مذکور نے بھی کسی قبالے کی نقل اپنی کتابوں میں نہیں کی۔ صرف مہروں کی نقل جیسی اُن سے پڑھی گئیں کر دی ہے اُن پر بھی سن نہیں۔ آپ کی قبر کا بھی پتا نہیں۔ غالباً اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن ہوئے ہوں گے جسکا پتہ اُن کے حال میں لکھا ہے۔

قاضی صدرالدین

آپ قاضی قطب الدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں مقام سکونت قلعۂ راجہ سری" اور پرکوٹ" حافظ کلام اللہ تھے۔ اُن کے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد مردمان شہر نے ان کو قاضی مانا اور احکام قضا کے جاری کرنے میں مشغول ہوئے۔ قاضی بڑے کے دوسرے بیٹے قاضی محمد یحییٰ ان کی نیابت میں قضا کا کام کرتے رہے بعد اُس کے قضا کو ٹھیکے پر لے لیا اور قبالوں وغیرہ پر دونوں کی مُہریں ہوتی تھیں۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ اُس وقت قاضی محمود (آپ کے دادا قاضی بھکاری کے بھائی)، بادشاہ کے حضور میں اور قاضی محمد یوسف ثالث (آپ کے سگے چچا) مالوے میں تھے۔ جب یہ خبر اُن کو پہنچی تو بہت ناخوش ہوئے چنانچہ قاضی محمود نے اپنے بھتیجے قاضی محمد یوسف خلف قاضی بھکاری مرحوم کو مکرر خطوط لکھے کہ امر قضا ہمارے آبائے کرام سے ہی اور تم فضیلت رکھتے ہو لازم ہے کہ خدمت فوجداری مالوہ ترک کر کے اپنے آپ کو حضور میں پہنچاؤ کہ تمہارے نام فرمان ہونے کے لئے میں حضرت اقدس (بادشاہ) سے عرض کر چکا ہوں (پس قاضی محمد یوسف مذکور حضور بادشاہ میں پہنچے اور فرمان بادشاہ اُن کے نام ہو گیا۔ اُس کا ذکر قاضی محمد یوسف مذکور کے حال میں ہوگا۔

قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی رسالہ مسجلات میں لکھتے ہیں کہ قاضی صدر الدین کے مُہری قبالے وغیرہ اکثر شہر میں موجود ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور شرائف عثمانی میں آپ کا زمانہ عہد سلطنت شاہجہاں میں اور مُہر کی نقل یہ ہے۔



وفات آپ کی ماہ رمضان کی تیسری تاریخ لکھی ہے سن ندارد مزار کا پتا نہیں غالباً آپ کے دادا قاضی بھکاری کے مزار کے پاس ہوگا جس کا پتا اُن کے حال میں اوپر لکھا ہے۔

حاجی غلام اخی

آپ غلام محی الدین بن قاضی امجد بن قاضی صدر الدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" قاضی نہ تھے مگر چونکہ بڑے قابل ذی علم اور شجرہ ہذا میں شامل ہیں لہذا ترتیباً آپ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ حاجی حرمین شریفین تھے۔ جامع علوم خاص کر فقہ اور حدیث کے زبردست عالم تھے تمام عمر گرامی فقہ اور حدیث کی تصنیف و تالیف میں صرف ہوئی۔ اس علم میں چند کتابیں تصنیف کیں اُن میں غُنیت العلم فقہ و حدیث میں اور ترجمہ سراجیہ علم فرائض میں ہے۔

حق یہ ہے کہ احادیث کی تحقیقات خوب کی ہے انتہے۔

واضح ہو کہ ترجمہ سراجیہ فرائض سراجی تصنیف شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی کا عربی سے فارسی میں ترجمہ ہے۔ یہ نسخہ خاص آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے۔ اس کے خاتمہ پر لکھا تھا (دوازدہم شہر رجب المرجب ۱۱۵۵ھ من ہجرۃ النبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت نماز عصر در ہنگام بیکاری در بلگرام تحریر یافت) **ترجمہ** (ماہ رجب کی بارہویں تاریخ ۱۱۵۵ھ ایک ہزار ایک سو پچپن ہجری میں نماز عصر کے وقت بیکاری کے دنوں میں بلگرام میں لکھی گئی۔

آپ کا انتقال ۱۱۶۱ھ ایک ہزار ایک سو اکسٹھ ہجری مطابق ۱۷۴۷ء ایک ہزار سات سو سینتالیس عیسوی میں بمقام بلگرام ہوا اور میدان پیل میں حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی کے مزار کے پاس علیحدہ اپنے قطعۂ زمین میں مدفون ہوئے۔

قاضی محمد یوسف ثالث

آپ کی کنیت ابوالعادل۔ ابوالمکارم قاضی بھکاری مذکور کے دوسرے بیٹے ہیں۔ ۱۰۱۲ھ ایک ہزار بارہ ہجری مطابق ۱۶۰۳ء ایک ہزار چھ سو تین عیسوی بمقام بلگرام قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ"، پر پیدا ہوئے اپنے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ عالم متبحر اور فاضل ماہر تھے۔ حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی قدس سرہٗ آپ کے استاد اور مرشد تھے۔ خرقۂ خلافت بھی انہیں نے پہنایا اور طریقۂ قادریہ وغیرہ کی اجازت دی۔ فقہ اور علم سلوک و تصوف ادب واخلاق میں چند کتابیں بعض عربی اور بعض فارسی آپ کی تصانیف سے یادگار ہیں از انجملہ شرح خصوص الحکم۔ رسالۂ نتیجہ۔ شرح سورۂ یوسف شرح عین العلم اور ہدیۃ السلطانیہ[۱] معروف ہیں۔ آغاز شباب میں آپ کے والد نے اپنی جگہ پر صوبۂ مالوہ کی فوجداری پر آپ کو متعین کر دیا تھا۔

---

[۱] شاہزادہ محمد دارا شکوہ نے چند سوالات آپ کے استاد و مرشد شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے پاس بھیجکر جواب طلب کیا تھا اور شیخ موصوف نے اُن سوالات کا جواب لکھنے کے لئے آپ کو حکم فرمایا آپ نے دو رسالے ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں لکھے اُنہیں کا نام ہدیۃ السلطانیہ ہے۔ شرائف عثمانی میں رسالۂ فارسی کی نقل کر دی ہے۔

پھر والد بزرگوار اور بڑے بھائی قاضی قطب الدین مذکور کے انتقال کے بعد جب آپ کے بھتیجے قاضی صدر الدین مذکور کو مردمان قصبہ نے قاضی بنایا جیسا کہ اُن کے حال میں اوپر مذکور ہوا تو اپنے منصب قضائے موروثی پر نظر کر کے اپنے چچا قاضی محمود اور چھوٹے بھائیوں قاضی عبد الحی اور شاہ کافی (جو شاہزادہ محمد دارا شکوہ کے مقرب درگاہ تھے) کے اشارے اور ذریعے سے سلطان شاہ جہاں کے حضور میں پہنچکر ۱۰۴۷ھ ایک ہزار سینتالیس ہجری میں جبکہ وہ بعزم قندھار اکبر آباد سے پنجاب کو روانہ ہوئے منصب قضائی بلگرام کا فرمان حاصل کیا۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ جب قاضی محمد یوسف مالوے سے حضور بادشاہ میں جانے لگے تو قاضی محمود بادشاہ کے حکم کے بموجب گوالیار گئے تھے اور وہاں سے نواب وزیر اور صدر الصدور کے نام خط لکھ کر قاضی محمد یوسف کے پاس بھیجدئے کہ پہنچکر اُن کو دیں مضمون اُن خطوں کا یہ تھا کہ حامل خط قاضی محمد یوسف اس امر کا وارث ہے ملازمت کا امیدوار ہو کر خدمت میں پہنچتا ہے۔ جو کچھ توجہ اس کے حق میں کی جائے گی وہ میرے ساتھ ہے۔ جب قاضی محمد یوسف حضور میں پہنچے تو وزیر الممالک اور صدر الصدور سے ملاقات کر کے قاضی محمود کے خط دئے۔ دونوں نوابوں نے کہا کہ ہم سعی میں کمی نہ کریں گے لیکن جب تک حکم اقدس نہ ہوگا فرمان نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ان امور کا تعلق ہم سے ہے اور ہم اس کام کے متصدی ہیں لہذا حضور اقدس سے اس بارے میں عرض نہیں کر سکتے کہ خدا جانے حضرت ظل سبحانی کیا خیال فرمائیں بہتر یہ ہے کہ شاہزادے کے وسیلے سے عرض کیجئے آپ نے دو تین ملاقاتوں کے بعد ایک موقع پر رسالہ ہدیۃ السلطانیہ کا ذکر کیا پھر تو ایک روز نواب مذکور نے شاہزادے سے عرض کیا کہ قاضی محمود کے بھتیجے اور شاہ عبد الکافی کے سگے بھائی قاضی محمد یوسف عالم متبحر اور عارف کامل ہیں اور امر قضائے بلگرام جو اُن کے باپ کے متعلق تھا اُس کا فرمان حاصل کرنے کے لئے چند مدت سے اُردوئے معلیٰ میں حاضر ہیں اور اپنا تصنیف کیا ہوا ایک رسالہ جو اپنے مرشد حضرت شیخ محب اللہ کے حکم سے جناب عالی کے سوالوں کے جواب میں لکھا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ شاہزادہ محمد دارا شکوہ نے فرمایا کہ وہ بہت جلد حاضر ہوں۔ آپ شاہزادہ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہزادہ نے بہت عنایت فرمائی اور بلا قید ملاقات کی اجازت دی یہاں تک کہ ایک روز حضرت ظل سبحانی

شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں پہنچادیا۔ بادشاہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ مقرب الحضرت قاضی محمد نے ایک دن اُن کی نسبت فرمان قضا کے بارے میں کہا تھا۔ ضرور فرمان قضا او موازی ایک سو بیگہ زمین اُن کے نام مقرر ہے۔ چنانچہ فرمان شاہجہان بادشاہ حاصل کرکے چلے آئے۔

نقل فرمان شاہجہاں بنام قاضی محمد یوسف ثالث

چوں بعرض اشرف اقدس و اعلیٰ رسید کہ بموجب فرامین مطاعہ پیش از جلوس حضرت .. .. منصب جلیل القدر قضائے پرگنہ بلگرام سرکار قنوج و موازی یک صد بیگہ زمین از پرگنۂ مذکور بنام قاضی بہکاری مقرر بود مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپردہ بنابر این حکم جہاں مطاع عالم مطیع شرف اصدار و عز ایراد یافت کہ منصب قضائے پرگنہ مذکور بشریعت مآب صلاح آثار قاضی یوسف ولد متوفی مذکور و موازی یک صد بیگہ زمین بدستور سابق از محل قدیم بشرط قبض و تصرف در وجہ معاش مشارٌ الیہ وغیرہ بموجب ضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود نمودہ بدعائے دوام دولت ابد پیوند اشتغال نماید و کما ینبغی بلوازم و مراسم آن امر خطیر قیام و اقدام نمودہ دقیقۂ از دقائق حزم و احتیاط در رفع و دفع مخاصمات و مناقشات و کتابت صکوک و سجلات و عقود انکحہ مع الولی و بلا ولی و قسمت ترکات و محارست اموال ایتام و غائبین و بلا وارثین و محافظت احوال مجازیب و مجانین و نصب اوصیا و اقامت جمعہ و جماعات و حدود و جنایات و سائر متعلقات و متفرعات آن امر فوت و فروگزاشت نکند و سویت عدالت رابین المخاصمین نوعے مرعی دارد کہ روز باز خواست از عہدۂ جواب آن بیروں آید۔ می باید کہ حکام و عمال و جاگیر داران و کروریان حال و استقبال استمرار و استقرار این حکم اقدس و اعلیٰ کوشیدہ مشارٌ الیہ را قاضی بالاستقلال پرگنہ مذکور دانستہ غیرے را سہیم و شریک او ندانند و دست تصدیع و صاحبراے احکام شرعیہ قوی و مطلق دانستہ صکوک و سجلات را بمہر و دستخط او معتبر شناسند و موازی مذکورہ را بالشرح صدر بہ تصرف او بازگزاشتہ اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بدان راہ ندہند و بعلت بالوجہات و اخراجات مثل قلغہ د

پیش کش وجرمانہ ومحصلانہ ومہرانہ وداروغ گانہ وبیگار وشکار ودہ نیمے ومقدمے وصدودی و
قانون گوئی وضبط ہر سالہ وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت
نرسانند وسبیل ایان وموالی واقاصی وادانی وجمہور سکنہ وعموم متوطنان آنجا آنکہ مومی الیہ را
بآن امر منسوب دانستہ در کمات ومرافعات باو رجوع آوردہ قول وفعل اورا بشرط مطابقت
وموافقت بما جا ربہ الینی اعتماد واعتبار نمایند ودریں باب تاکید دانستہ ہر سالہ فرمان و
پروانجات مجدد نطلبند واگر در محلے دیگر زمین داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند واز فرمودہ تخلف و
انحراف نورزند تحریراً فی تاریخ ۱۳ اسفند یار ماہ الٰہی ۹ سنہ جلوس) **ترجمہ** (چونکہ یہ بات
ظاہر ہوئی کہ اطاعت کئے گئے فرمانوں کے بموجب حضرت "جہانگیر بادشاہ" کے جلوس
کے پہلے سے پرگنہ بلگرام سرکار قنوج کا جلیل القدر عہدۂ قضا اور ایک سو بیگہ زمین پرگنہ مذکور
قاضی بھکاری کے نام مقرر تھی وہ فوت ہوگئے اس بنا پر جہان کا اطاعت اور خدمت کیا گیا
"ہمارا" حکم صادر اور وارد ہوا کہ پرگنہ مذکور کا عہدۂ قضا اور ایک سو بیگہ زمین شریعت
مآب نیکی کی نشانیاں رکھنے والے قاضی یوسف ولد متوفی مذکور کے لئے بدستور سابق قدیم جگہ
"بلگرام" سے بشرط قبضہ و دخل مشار" الیہ" قاضی محمد یوسف" وغیرہ کے کھانے پینے کو
قاعدے کے موجب مقرر اور سپرد ہو کہ اُس کے حاصلات کو فصل بفصل اور سال بسال
اپنے سبب زندگی میں صرف کرکے قایم رہنے والی "ہماری" دولت کے ہمیشہ رہنے کی دعا
میں مشغول رہے اور اس بزرگ امر "عہدۂ قضا" کی رسموں اور لازموں پر جیسا چاہیئے دلیری کرکے
احتیاط اور ہوشیاری کے دقیقوں میں سے دشمنوں اور جھگڑوں کے رفع اور دفع کرنے اور
قبالوں اور دستاویزوں کے لکھنے اور مع ولی اور بغیر ولی کے نکاح باندھنے اور مردوں کا
مال تقسیم کرنے اور یتیموں اور غیر موجودوں اور لاوارثوں کے مال کی حفاظت اور مجذوبوں اور
اور مجنونوں کے احوال کی نگہبانی اور وصیت کئے ہوؤں کو اُن کے حق پر قائم کرنے اور جمع اور جماعتو
کے قیام اور تقصیروں کی حدوں اور اس امر "عہدۂ قضا" کے تمام متعلقات اور اُسکی شاخوں
میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑے اور آپس میں دشمنی رکھنے والوں کے درمیان انصاف کے اعتدال کا
اس طرح خیال رکھے کہ قیامت کے روز اس کا جواب دے سکے۔ چاہیئے کہ موجودہ اور آیندہ حکام۔

عامل۔ جاگیر دار اور کروری اس پاک اور بلند حکم کو ہمیشہ برقرار رہنے کی کوشش کرکے مشارُ الیہ "قاضی محمد یوسف" کو پرگنہ مذکور کا مستقل قاضی جان کر کسی دوسرے کو اس کا حصہ دار اور شریک نجانیں اور احکام شرعی کے جاری کرنے میں اُس کی مداخلت کو مضبوط اور آزاد جانکر قبالوں اور دستاویزوں کو اُس کی مہر اور دستخط سے معتبر سمجھیں اور زمین مذکورہ کو شرح بالا کے بموجب اُس کے تصرف کے لئے چھوڑ کر ہرگز بالکل اس میں تغیر اور تبادل نہ کریں اور اخراجات مثل نذر تکبینت۔ ہر ماہہ محصلانہ۔ مہرانہ۔ داروغ گانہ۔ جنگ۔ شکار۔ عشر۔ مقدمی۔ صدودی۔ قانونگوئی۔ سالانہ انتظام بار بار کھیتی کرنا اور کل احکام دیوانی اور مطالبات سلطانی میں کسی وجہ سے تنگی نہ کریں اور صاحبان اور خداوندان دور و نزدیک کے لوگ اور تمام باشندے اور وہاں کے سب رہنے والے مومی الیہ "قاضی محمد یوسف" کو اس امر پر قائم جانکر جھگڑوں کا تصفیہ کروائی اور دادخواہی میں اُس کی طرف رجوع ہو کر اُس کے قول و فعل پر بشرط مطابقت و موافقت حکم نبوی اعتبار اور بھروسا کریں اور اس بارے میں تاکید جان کر ہر سال نیا فرمان اور پروانے طلب نہ کریں اور اگر کسی دوسرے مقام پر اس کی زمین ہو تو اُس پر بھروسہ نہ کریں اور فرمائے ہوئے کے خلاف اور حکم عدولی نہ کریں۔ تاریخ تحریر ۲۱ کتنیں اسفندار ماہ فارسی سنہ ۹ نو جلوس) فرمان حاصل کرنے کے بعد چند سال بڑے استقلال سے امور شرع کو جاری کر کے احکام قضا اپنے بڑے بیٹے قاضی محمد فضیل کو سپرد کر دیئے اور خود گوشۂ عزلت اختیار کر کے طاعت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ بعض حکام پرگنہ نے موضع مہورا آپ کو وجہ معاش میں دے دیا۔

شرایف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے آبا کی رسم کے مطابق دو بیگہ آٹھ بسوہ بارہ بسوانسہ پختہ زمین میر سید طیب بن سید عبدالواحد اکبر مرحوم کو بخشدے اور پانچ بیگہ پندرہ بسوانسہ پختہ میر سید عبدالواحد ثانی پسر کلاں سید طیب مذکور کو مع بھائیوں کے تملیک کر دی اُس پر پختہ سرا بنی ہے جو سرائے میراں جی کہلاتی ہے اور دونوں تملیک ناموں کی حدوں میں آراضی ملکیت قاضی لکھی ہے۔

پہلے قطع کا تملیک نامہ آپ نے اپنے اور دیگر شرکا قاضی عبدالحی و شاہ عبدالکافی ابنائے قاضی بھکاری۔ اور قاضی صدرالدین وغیرہ فرزندان قاضی قطب الدین۔ اور قاضی محمد وغیرہ

وارثان قاضی بڑے ۔ اور قاضی محمد منعم و قاضی احمد قلی ابنائے قاضی محمود ۔ اور قاضی خواجہ و قاضی معین الدین و قاضی عبداللہ وغیرہ وارثان قاضی بازید ۔ اور شیخ خدا قلی وغیرہ وارثان شیخ وجیہ الدین اور شیخ غلام محمد و شیخ اللہ دیے وغیرہ وارثان شیخ احمد کے اقرار سے میر سید طیب مذکور کے نام پانچویں تاریخ ماہ شعبان ۱۰۵۰ھ ایک ہزار پچاس ہجری مطابق ۱۶۴۰ء ایک ہزار چھ سو چالیس عیسوی کو لکھ دیا۔

حدود اربعہ

شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد زمین مالکان مذکور	حد زمین مالکان مذکور	متصل دیوار خانہ میر مذکور	زمین مالکان مذکور

اراضی مذکور کے گواہان ملکیت قاضی دوے اور قاضی اوہن ہیں ۔ اور تملیک نامے پر قاضی محمد یوسف ۔ قاضی عبدالحی ۔ قاضی عبدالکافی ۔ صدرالدین ۔ علیم الدین ۔ محمد منعم ۔ احمد قلی ۔ معین الدین ۔ عبدالواحد ۔ محمد اسحاق وغیرہ ۔ اور محمد ہاشم شریف بہرائچی ۔ سید صدر جہان ۔ اور سید حبیب کی مہریں ہیں ۔

دوسرا قطعہ دو حصوں پر منقسم ہے جو سلہڑا تالاب کے قریب واقع ہے ۔ اس کا تملیک نامہ بھی آپ نے اپنے اور دیگر شرکا قاضی عبدالحی بن قاضی بہکاری ۔ اور قاضی صدرالدین و بدرالدین و علیم الدین ابنائے قاضی قطب الدین بن قاضی بہکاری مذکور ۔ قاضی محمد شافعی بن قاضی شاہ عبدالکافی بن قاضی بہکاری ۔ اور قاضی محمد منعم و قاضی احمد قلی ابنائے قاضی محمود اور محمد سعید ولد قاضی محمد ۔ اور قاضی عبدالغفور و قاضی محمد سبحان ابنائے قاضی عبدالرسول ۔ اور قاضی بڑے ثانی بن عبدالغنی بن قاضی عبدالرسول مذکور ۔ اور قاضی برخوردار بن قاضی بڑے اول ۔ اور قاضی عبداللہ و سلام اللہ و ثناء اللہ و اسداللہ ابنائے قاضی بدے ۔ اور مسماۃ بی بی پیاری منکوحہ قاضی عبدالغنی ۔ اور مسماۃ بی بی عائشہ منکوحہ قاضی شافعی ۔ اور مسماۃ بی بی رابعہ منکوحہ قاضی کمال ۔ اور مسماۃ سلیم خاتون منکوحہ دوم قاضی میانجی ۔ اور قاضی عبداللہ بن قاضی بہاء الدین ۔ اور مسماۃ بی بی حلیمہ بنت قاضی بھیکن منکوحہ قاضی محمد قایم وارث از جانب پدر و شوہر خود ۔ اور محمد فاضل بن قاضی محمد ۔ اور مسماۃ کریمہ بنت عبدالحکیم منکوحہ قاضی میکو بن قاضی محمد مذکور ۔ اور محمد قلی بن خدا قلی بن اکبر قلی ۔ اور مسماۃ بی بی بھیکن بنت عبدالرزاق منکوحہ شیخ میان بن مصطفیٰ قلی ۔ اور

شیخ معین الدین وعبدالرسول ابنائے شیخ غلام محمد بن شیخ احمد اور مسماۃ بی بی امن بنت عبدالرزاق منکوحۂ شیخ اللہ دیئے بن شیخ احمد مذکور (جو ہر ایک قاضی کمال وشیخ عبدالحی دانشمند و قاضی بازید ابنائے بندگی قاضی عبدالدایم کی اولاد سے ہیں) کے اقرار سے میر سید عبدالواحد ثانی بن میر سید طیب کے نام چودھویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۱۰۷۹ھ ایک ہزار اناسی ہجری مطابق ۱۶۶۸ء ایک ہزار چھ سو اڑسٹھ عیسوی کو لکھدیا۔

پہلے حصے دو بیگہ تین بسوے کے حدود اربعہ

شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد زمین حصہ دوم جیسکا ذکر آتا ہے	حد زمین مقربین مذکورین	حد قطعہ زمین پیلبانان	حد زمین مقابر

(دوسرے حصے دو بیگہ سترہ بسوہ پندرہ بسوانسہ کے حدود اربعہ)

شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد شارع عام	حد زمین حصۂ اول مذکور	حد شارع عام	حد زمین متعلقہ بملک نصرالدین و مقابر غسالان

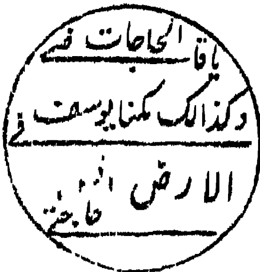
اراضی مذکور کے گواہان ملکیت سید پیارے بن سید قوام اور سید صادق بن سید تاج الدین ہیں اور گواہان حاشیہ رحیم اللہ ولد شیخ حبیب اللہ۔ بہاءالدین بن قاضی عثمان۔ محمد مراد ولد قاضی معین الدین عرف قاضی اودھن تاج معین الدین بن شیخ رکن الدین۔ سید غلام محمد۔ محمد ہاشم شریف۔ عبدالکریم۔ اسمعیل الحسینی محمد فیض بن محمد صادق الحسینی۔ حیدر علی۔ محمد صادق۔ پیارے ولد سید خواجہ ہیں اس تملیک نامے پر آپ کی یہ مہر ہے۔ اسی زمین پر سید عبدالواحد مذکور نے سرائے آباد کی۔ جو سرائے میران جی کہلاتی ہے۔ دونوں تملیک نامہائے مذکور الصدر کی نقلیں شرائف عثمانی میں درج ہیں۔



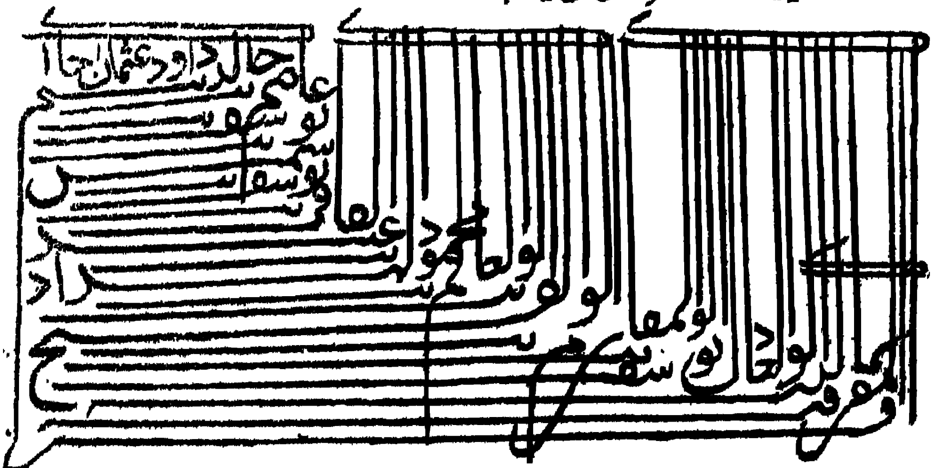
شرائف عثمانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ سرائے مذکور کے دکھن طرف جو قطعۂ زمین ہے وہ قاضی عبدالغفور ولد قاضی عبدالرسول بن قاضی ٹیرے نے سید عبدالواحد مذکور کو ہبہ کیا ہے چنانچہ تینوں قطعوں کے ہبہ نامے سید صاحب کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔ اور سلہڑے کی چند بیگہ زمین حضرت قاضی یوسف کلاں حاکم کے فرزندوں نے غسالوں اور رپیلیانوں کو بخش دی۔ آپ نے قلعۂ راجا سرے وہ اوپر کوٹ" پر کثرت خانہائے اولاد یک جدی کی وجہ سے قلعۂ مذکور کے نیچے دکھن طرف جدید حویلی تعمیر کر کے سکونت اختیار کی۔ اسی میں اب تک آپ کی اولاد کی سکونت ہے۔ اور آپ کے بڑے بھائی قاضی قطب الدین بن قاضی بھکاری کی اولاد کی سکونت اوپر کوٹ پر رہی۔

صاحب شرائف عثمانی اور مولف رسالۂ سجلات دونوں نے لکھا ہے کہ صکوک و سجلات آپ کے دستخطوں کے بخط ثلث و نستعلیق مع طغرا و مہر اکثر شہر میں موجود ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ایک نویں تاریخ ماہ ربیع الاخر ۱۰۵۲ھ ایک ہزار باون ہجری اور دوسرا چوبیسویں تاریخ ماہ ذی الحجہ ۱۰۷۰ھ ایک ہزار چوستر ہجری کا لکھا ہوا۔ بوجہ اطالت کلام کے سجلات کی عبارت نہیں لکھی گئی۔ آپ کی تین مہریں تھیں ایک کی نقل اوپر ہو چکی اور دو یہ ہیں۔





رسالہ سجلات میں دستخط کے طغرے کی نقل یہ ہے۔



عبارت طغرا:- اقرالمقر بما فیہ کتبہ ابوالعادل یوسف ابن ابوالمکارم بن ابوالفتح بن ابوالعالم بن محمودالہداد بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف - - - - - - بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم۔

ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اُس کو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے شمس شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی عبدالکافی کے بیٹے محمودالہداد۔ محمودالہداد کے بیٹے ابوالعالم۔ ابوالعالم کے بیٹے ابوالفتح ابوالفتح کے بیٹے ابوالمکارم۔ ابوالمکارم کے بیٹے ابوالعادل یوسف حاکم نے۔

واضح ہو کہ دستخط طغرا کا رواج آپ ہی کے وقت تک رہا بعدہٗ آپ کی اولاد میں قضات قبالوں پر صرف مُہر کیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات بہتر سال کی عمر میں ماہ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی ہجری مطابق ۱۶۷۳ء ایک ہزار چھ سو تہتر عیسوی میں ہوئی صاحب شرائف عثمانی اور مولف رسالہ مسجلات نے میر ضیاء اللہ بلگرامی کی یہ تاریخ لکھی ہے مثنوی

آہ قاضی یوسفم گو آہ آہ — با دشا دان او برضوان آلہ
درسن ہشتاد و چارم با ہزار — خامس ذیقعدہ رفت آں یار غار
سال فوت آں شریعت دستگاہ — آہ قاضی یوسف آمد آہ آہ
نیز رضی اللہ بہ از غیب دان — رحمت رضواں بر دے جاوداں

پہلے مادے آہ قاضی یوسف آہ آہ میں ایک عدد زیادہ اور دوسرے مادے رضی اللہ بہ میں ایک عدد کم ہے مادہ اول کی نسبت دونوں کتب مذکورہ کے مولفین نے لکھا ہے کہ "دبا بیمارہ اسقاطی کلمہ آمد ساقط گشت اعتبار یک عدد دریاب" یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کلمۂ آمد ساقط ہونے اور اُس سے ایک عدد اعتبار کرنے کا اشارہ۔ اشعار میں تو کہیں معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ اسکے آمد کے اعداد پینتالیس ہیں اُس کے ساقط ہونے سے ایک عدد کیوں اعتبار کیا جائے۔ نہیں معلوم یہ کس قسم کا تخرجہ ہے۔ دوسرے مادے کی نسبت مولف رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ "بحساب مکتوبہ با لف ملفوظ کہ در لفظ اللہ خواندہ میشود نیز تاریخ وفات است" خیر یہ تاریخ زبردستی الف ٹھونس کے ہو گئی حالانکہ خلاف ہے کیونکہ جملہ محققین محقق طوسی اسی قول کے پابند ہیں کہ ع

اللہ لود یک الف و یا و دلام۔ پھر اللہ میں دو الف کیونکر مانے جاسکتے ہیں۔ بہر حال یہ مادہ ہائے
تاریخ اور مضمون اشعار کی بندش اور صورت الفاظ عجیب و غریب ہے بہتر یہ ہے کہ تاریخ صوری
کا اعتبار کیا جائے اور مادہ اول میں ایک عدد کی زیادتی اور مادہ ثانی میں ایک عدد کی کمی
ملا جلا کر دونوں مادے سنہ ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی کے برابر سمجھ کے مصنف تاریخ کی روح خوش
کر دی جائے۔ مزار قاضی محمد یوسف مذکور کا پھلواری والے باغ میں ہے جو آپ نے خود اپنے
محلے سے دو تین قطعوں کے فاصلے پر لگایا تھا اور اُس میں پختہ کنواں بھی تعمیر کرایا تھا۔ آپ کے فرزند
دوم قاضی محمد سلیم ہر سال آپ کا عرس کیا کرتے تھے۔

قاضی محمد فضیل

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے بڑے بیٹے ہیں سنہ ۱۰۵۱ھ ایک ہزار اکاون ہجری
مطابق سنہ ۱۶۴۱ء ایک ہزار چھ سو اکتالیس عیسوی میں پیدا ہوئے مقام سکونت قاضی پورہ زیر
قلعۂ راجہ سری "اوبر کوٹ" جانب جنوب پہلے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کی
خدمت میں بہ ترتیب حاصل کیے بعدہٗ ملا محمد حرم ساکن دیوہ کی خدمت میں کتب درسی کی
تکمیل کر کے سترہ برس کی عمر میں فاتحہ فراغ حاصل کیا۔ جامع صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ
تھے۔ اعزائے شہر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ صاحب رسالۂ مسجلات لکھتے ہیں
کہ نسخۂ کافیہ و شافیہ وغیرہ آپ کے دستخط خاص کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کے والد ماجد نے
فرمان قضا ہونے کے بعد چند مدت عہدۂ قضا کا کام کر کے جب آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے
تو کاروبار قضا آپ کے سپرد کر دئے اور خود عبادتِ خدا میں مشغول ہوئے۔ آپ نے بڑی قابلیت
سے امور قضا کو انجام دیا افسوس کہ
اپنے والد ماجد کے سامنے اٹھارہ برس
کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کی دو
مہریں یہ تھیں۔





وفات آپ کی یوں ہوئی کہ ایک روز اپنی زمینداری موضع مھوریں گئے تھے جیسے ہی وہاں پہنچے نہایت شدت سے درد سر ہوا۔ اسی دن پالکی پر سوار ہو کر گھر واپس آئے ایک دن درد سر شدت سے رہا دوسرے دن ماہ شعبان کی چوبیسویں تاریخ ۱۰۷۹؁ ایک ہزار اناسی ہجری مطابق ۱۶۶۸؁ ایک ہزار چھ سو اڑسٹھ عیسوی میں انتقال ہوا اور اپنے پدر بزرگوار کے پھلواری والے باغ میں دفن ہوے۔

قاضی محمد سلیم عرف لال میاں

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے فرزند دوم اور قاضی محمد فضیل مذکور کے منجھلے بھائی ہیں مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ زیور علم و حلم سے آراستہ خلیق۔ باتمکین اور ذی وقار بزرگ تھے اپنے بڑے بھائی قاضی محمد فضیل مذکور کی وفات کے بعد اپنے والد ماجد کے سامنے ہی احکام قضا میں مشغول ہوئے۔ آپ کے والد نے اپنی آخر عمر میں مرزا پرول سے درخواست کہ میرا لڑکا محمد سلیم زیور علم و حلم سے آراستہ اور منصب قضا کی لیاقت رکھتا ہے اور میری عمر بہتر سال کی ہوئی ہیں قضا کو ترک کر کے گوشۂ قناعت میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہوں۔ چنانچہ ان کی خواہش مرزا پرول کی تجویز کے بموجب امر قضا آپ کو سپرد ہوا۔ تجویز نامے کی نقل یہ ہے۔ (چوں امر جلیل القدر منصب قضا پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ من مضاف صوبۂ اودھ بنام شریعت و فضیلت شعار دیانت و تقویٰ دثار قاضی محمد یوسف بموجب فرمان حضرت اعلیٰ مقرر است و از مدت سی و چند سال است کہ مشارٌ الیہ در اجرائے امور شرایع اشتغال داشتہ دریں ولا کہ سن سال مومی الیہ بہفتاد و دو رسیدہ میخواہد کہ در حین حیات بجائے خود محمد سلیم پسر خود را بخدمت قضا منسوب کند و خود بگوشۂ عبادت الٰہی مشغول باشد قاضی معز الیہ اظہار ایں معنی بایں جانب کرد بسیار پسند خاطر آمدہ الحق کہ فضیلت ماب دیانت آیات محمد سلیم پسر قاضی مذکور لیاقت و صلاحیت ایں خدمت دارد و فضیلت و طالب علمی مومی الیہ بوجہ احسن ہویدا است و اکابر و اصاغر این پرگنہ از راستی و نیک نہادی مشارٌ الیہ رضامندند و امید از درگاہ فلک اشتباہ دارد کہ سند جدید بنام فضیلت مآب مذکور باوجہ کفاف مرحمت شود

و این مہر بر تجویز نامہ ثبت شد)

پردل از جان مرید شاہ عالمگیر

ترجمہ: (پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ متعلق صوبہ اودھ کا جلیل القدر منصب قضا جو شرعیت۔ فضیلت۔ دیانت اور تقویٰ کے رکھنے والے قاضی محمد یوسف کے نام حضرت اعلیٰ "شاہجہاں" کے فرمان کے بموجب مقرر ہے۔ تیس اور چند سال سے مشارٌ الیہ "قاضی محمد یوسف" امور شرایع کے جاری کرنے میں مشغول رہا اب کہ مومی الیہ "قاضی محمد یوسف" کی عمر بہتّر سال کی ہوئی وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں بجائے اپنے خود بیٹے محمد سلیم کو خدمت قضا کے ساتھ منسوب کرے اور خود گوشے میں خدا کی عبادت کرے۔ قاضی معزالیہٗ "قاضی محمد یوسف" نے یہ بات مجھ سے ظاہر کی مجھکو بہت پسند آئی۔ بے شک فضیلت مآب دیانت نشان محمد سلیم پسر قاضی مذکور اس خدمت کی لیاقت اور صلاحیت رکھتا ہے اور اُس کی فضیلت و علمیت بخوبی ظاہر ہے اور اس پرگنے "بلگرام" کے چھوٹے بڑے اُس کی سچائی اور نیک نہادی سے رضامند ہیں۔ فلک کاشیہ ہیولی "بہت بلند" درگاہ سے امیدوار ہوں کہ فضیلت مآب مذکور "محمد سلیم" کے نام جدید سند مع خرچ معاش مرحمت ہو اور یہ مہر تجویز نامے پر ثبت ہوئی)

اس تجویز نامے کی نقل میں تاریخ تحریر نہیں لکھی ہے مگر چونکہ قاضی محمد یوسف ثالث نے بہتّر سال کی عمر میں ماہ ذلیقعد کی پانچویں تاریخ ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی ہجری میں انتقال کیا اور اپنی آخر عمر سنہ مذکور ہی میں مرزا پردل مذکور سے محمد سلیم کے قاضی ہونے کی درخواست کی اور اُسی وقت مرزا پردل نے تجویز نامہ تحریر کیا لہذا اس کی تاریخ تحریر ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی ہجری میں ماہ ذلیقعد سے قبل کے کسی مہینے کی ہے۔

المختصر قاضی محمد سلیم نے چند مدت امر قضا کو انجام دیا چونکہ طبیعت آپ کی فقر کی طرف مائل تھی اس لئے شیخ عبدالعزیز نیابتاً کام کرتے تھے۔ بالآخر آپ نے امر قضا کو ترک کرکے قاضی محمد فضیل مذکور کے بڑے بیٹے محمد حافظ اپنے سگے بھتیجے کو سپرد کر دیا اور خود عبادت خدا میں زندگی بسر کی۔ اپنے پدر بزرگوار کی طرح ہر پنجشنبہ کو بوقت شب مجلس مولود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ آپ سے اور میر لطف اللہ عرف شاہ لدھا بُھیتیؒ سے بہت محبت تھی جب شاہ لدھا

مذکور اسباب معاش ظاہری اور دنیا کو ترک کر کے اپنے پیر و مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے بلگرام میں تشریف لائے تو اپنے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے اور اکثر یار و معتقد لوگ بھی وہاں بیٹھتے تھے۔ یہ بات اُن کے برادران عشیرہ کے مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا باعث ہوئی اور میر شاہ لدہا اُن لوگوں کی آرزو کی خاطر کے سبب سے اپنی نشست گاہ ترک کر کے اپنے باغیچے میں جو اُن کے بزرگوں کا قبرستان تھا جا کر بیٹھ رہے۔ جب قاضی محمد سلیم اپنی عادت کے موافق شاہ لدہا کے یہاں گئے اور یہ حال معلوم ہوا تو باغیچۂ مذکور میں جا کر با آرزوئے تمام اُنہیں اُن کے گھر لا کر دیوان خانے میں بٹھایا اور اُن کے برادران عشیرہ کو اُن کی مخالفت سے باز رکھا اور مبلغ ساٹھ روپے شاہ لدہا صاحب کی وجہ کفاف کے لئے عامل وقت سے مقرر کروا دئے۔ اس کے بعد نواب شیخ روح الامین خاں عثمانی نے مبلغ ایک سو روپے اور اضافہ کروا کے جملہ ایک سو ساٹھ روپے سرکار سے مقرر کروائے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے موضع بھلید ریو نذر کر دیا ہر چند کہ حضرت شاہ لدہا حاصل موضع کو قبول نہیں کرتے تھے لیکن آپ نے اُن کے بیٹے میر عظمت اللہ بیخبر کے نام اس موضع کو مقرر کر دیا اس کا محصول اپنے حین حیات تک سال بسال پہنچا دیتے تھے۔ آپ بہت صاحب جاہ و دولت تھے۔ دو تین گھوڑے۔ پالکی۔ چار پانچ اونٹ۔ غلام اور لونڈیاں وغیرہ ہمیشہ رہتے تھے۔ آپ کے خسر عبد الغنی صفی پوری کی بارہ لڑکیاں تھیں وہ اتنے صاحب دولت تھے کہ ہر داماد کو علٰحدہ علٰحدہ گھر بنوا دئے اور جملہ مصارف اُن کے گھوڑے اور خدمت گار وغیرہ اپنے متعلق کر لیے کہ وہ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر انہیں کے سایۂ عاطفت میں رہنے لگے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیم کے ساتھ بھی سلوک کرنا چاہا مگر آپ اپنی زندگی بھر میں دو مرتبہ اُن کے یہاں گئے ایک بار شادی کے دن اور دوسری بار چوتھی میں۔ خسر صاحب نے بہت چاہا مگر آپ پھر نہ گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ خسر بجائے باپ کے ہوتا ہے مگر قاضی ہماری دولت کو خس کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ جب کبھی خسر صاحب خط لکھتے تو آپ کو حضرت قبلہ کے آداب سے یاد فرماتے تھے۔ آپ کی عدالت، فیاضی اور اخلاق وغیرہ کے تمام بزرگان شہر معترف تھے۔ میر عظمت اللہ صاحب بیخبر رحمت اللہ علیہ نے اپنے تصنیف نسخہ استغنائیہ میں آپ کی تعریف لکھی ہے۔ آپ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ

ایک وقت برادران سادات مثل سید سالار۔ سید حیدر علی۔ سید فیض اللہ سید کاسو وغیرہ کے تعلقے مالگزاری کے ادا نہ ہونے سے شکست ہوئے جاتے تھے اور حاکم وقت نے سب کو قید کر دیا۔ جب بہت شدت ہوئی تو اُن سب نے آپ کو رقعہ لکھا۔ آپ نے قلعے میں پہنچکر اپنی ضمانت پر سب کو چھٹوا دیا۔ سادات نے ضمانت کا روپیہ ادا کیا مگر چودہ ہزار روپیہ باقی رہ گیا وہ حاکم وقت نے آپ سے طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنے پاس سے ادا کر دیا منجملہ چودہ ہزار کے دس ہزار روپیہ مال گذاران مذکور نے آپ کو ادا کیا اور باقی چار ہزار روپیہ کی بابت تمسک آپ کو لکھدیا اُسمیں ایک کوڑی نہ وصول ہوئی جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو جتنے تمسک گھر میں تھے سب کو چاک کر کے مال گذاروں کو قید قرض سے آزاد کر دیا۔ میر سید احمد کی پختہ سرا کے متصل آپ کی زمین ملکیت سلیم آباد کے نام سے موسوم تھی۔ انقلاب زمانہ سے زمین مذکور کے وارثوں نے سید محمد فاضل کے ہاتھ بیچ لی اور سید مذکور نے اپنے بیٹے کے نام سے اُس کا نام فیض آباد رکھا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی کرامات کی بہت سی حکایتیں ہیں بعض اُن میں سے انیس المحققین میں منقول ہیں۔

رسالہ سجلات میں ہے کہ آپ کے جملہ خوارق عادات سے ایک سچا خواب ہے کہ آپ نماز صبح کے وقت اُٹھے اور اپنی بیوی سے کہا کہ آج شاہ لدہا کے گھر میں پوتا پیدا ہوا جو کچھ غلہ رکھا ہو بھجوا دو۔ اُسی وقت فرمانے کے بموجب آپ کی بیوی نے غلہ لونڈیوں کے سروں پر لدوا کر بھجوا دیا۔ اُسی رات کو میر نوازش علی عرف لالا میاں پیدا ہوے تھے۔ رسالہ مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی مُہر کے اکثر قبالے شہر میں موجود ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے سید ابراہیم عرف سید میاں کی خانقاہ کے متصل زمین کا تملیک نامہ ماہ صفر کی گیارہویں تاریخ ۱۰۸۵ھ ایک ہزار پچاسی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

یہ رسالہ نصف میں ہے اور پتہ قاضی کرامی کی مہر کے شعر سے حاشیہ ملاحظہ ہو۔

آپ کی دو مہریں ہیں نقل اُن کی یہ ہے۔

یا قاضی الحاجات
خادم شرع شریف محمد سلیم
ابن قاضی محمد یوسف
آنکھ حاجتی
۱۰۸۴

آل رسول
اہل قبول سلیم بن محمد یوسف
خادم فقرای

ماہ محرم کی اٹھائیسویں تاریخ ۱۱۱۴ھ ایک ہزار ایک سو چودہ ہجری مطابق ۱۷۰۲ء ایک ہزار سات سو دو عیسوی میں لاولد فوت ہوئے۔

میر آزاد صاحب نے ماثر الکرام میں آپ کا مختصر حال لکھا ہے اُس میں آپ کو سید الہ اللہ
"شاہ لدھا" کا مرید بتایا ہے مگر صاحب شرائف عثمانی نے اس قول کو قاضی محمد حافظ کے تذکرہ
میں غلط لکھا ہے۔ میر آزاد نے وفات کی تاریخ آیۂ کریمہ و یجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ سے
استخراج کر کے لکھی ہے مزار آپ کا پھلواری والے باغ میں اپنے پدر بزرگوار کے مزار کے جانب مشرق
ہے نہایت خوبصورت پرتکلف گچ سے بنا ہوا تھا اب وہاں بجائے پھلواری کے کھیت اور بجائے
پرتکلف مزار کے ٹوٹا ہوا چبوترہ باقی ہے۔

شیخ محمد واسع

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے فرزند سوم اور قاضی محمد سلیم مذکورین کے مختلف البطن
بھائی ہیں۔ ۱۰۵۳ھ ایک ہزار ترپن ہجری مطابق ۱۶۴۳ء ایک ہزار چھ سو تینتالیس عیسوی میں
پیدا ہوئے۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ فاضل مستعد تھے
علم باطنی بھی رکھتے تھے ایک رات کو سید لطف اللہ عرف شاہ لدھا بہتے قدس سرہٗ کے یہاں
سے اپنے گھر کو آ رہے تھے اثنائے راہ میں ماہ ذیقعدہ کی آٹھویں تاریخ ۱۰۷۲ھ ایک ہزار بہتر ہجری
مطابق ۱۶۶۱ء ایک ہزار چھ سو اکسٹھ عیسوی میں بروز یک شنبہ اُنیس برس کی عمر میں چوروں کے
ہاتھ سے لاولد شہید ہو کر باغ پھلواری میں مدفون ہوئے۔ سید احمد حسینی بلگرامی نے یہ صوری
تاریخ لکھی مثنوی

در مہ ذیقعدہ رفت آں نیک نام | از شہادت جانب دار السلام
ہشتمی تاریخ بُد روزِ وصال | روز یکشنبہ ازاں نیکو خصال
بود ہفتاد و دو از ہجرت ہزار | احمدش تاریخ گفتہ ہوش وار

قاضی محمد حافظ

آپ قاضی محمد فضیل مذکور کے بڑے بیٹے اور قاضی محمد سلیم مذکور کے بھتیجے ہیں مقام سکونت
قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ پیدائش آپ کی واقعات سے

گیارہویں صدی ہجری اور سترہویں صدی عیسوی کے ربع سوم میں معلوم ہوتی ہوئے علوم منقولات
و معقولات کے عالم اور جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ شوق تحصیل علوم میں پہلے وطن سے
نکل کر قصبۂ مانک پور میں ملا محمود سے کتب مختصرات پڑھیں۔ جب مطولات کی نوبت آئی تو وہاں
سے جائس پہنچکر سید غلام مصطفےٰ المعروف بملا باسو کی خدمت میں کتب مطولات کے سبق کی درخواست
کی ملائے موصوف نے اپنے فرزند محمد باقر کے سبق کی سماعت کا حکم دیا۔ آپ نے اس حکم سے شکستہ خاطر
ہو کر عرض کی کہ حضرت کے صاحبزادے اور مجھ میں جو زیادہ مستعد ثابت ہو اُس پر سبق کی قرأت مُسلم
فرمائی جائے۔ اس بات پر ملا صاحب نے دونوں کا مقابلہ کروایا اور آپ کو اپنے فرزند پر غالب
پاکر آپ ہی کو پڑھنے کی اجازت دی۔ اُس روز سے آپ کے حال پر توجہ فرمانے لگے اور سب طلبا
میں آپ کو برگزیدہ اور سردار سمجھنے لگے۔ مقدمات معقولات آپ کو اس قدر یاد تھے کہ جملہ طلبا میں
سے کسی کو آپ کے سامنے زبان کھولنے کا حوصلہ نہوتا تھا آپ ایک مدّت تک ملا باسو کے مدرسے
میں رہے چنانچہ ملا باسو کے مدرسے میں حجرہ قاضی مشہور ہے جس وقت نواب معز موسوی خاں
فطرت صوبہ پٹن کی وقائع نگاری کی خدمت پر مامور ہو کر جا رہے تھے قصبہ جائس میں ٹھہرنے
کا اتفاق ہوا۔ چونکہ خود مرد فاضل تھے اور ملا باسو کی شہرت کا آوازہ تمام عالم میں گونج رہا تھا
نواب مذکور نے ملا صاحب سے قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کی۔ ملا متوکل آدمی تھے عذر کہوا
بھیجا۔ آخر خان موصوف خود سوار ہو کر مدرسہ ملا میں آئے اور ملاقات کی۔ تھوڑے عرصے
کے بعد علمی ذکر چھڑا اور رفتہ رفتہ مقدمات معقولات کی بحث شروع ہو گئی۔ ملا چونکہ ہندوستانی
تھے اور خان موصوف مرد ولایت زا اس لئے دونوں میں گفتگو بخوبی نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ ملا کی تقریر
خان اچھی طرح سمجھتے تھے اور نہ خان کی تقریر ملا۔ قاضی محمد حافظ مجلس میں حاضر تھے اُنہوں نے
ملا صاحب سے عرض کی اگر حکم ہو تو میں آپ کے اور خاں صاحب کے درمیان ہو کر آپ کی تقریر
کو فارسی میں بوجہ احسن عرض کر کے جواب شافی پہنچاؤں۔ ملاّ نے فرمایا بہتر ہے پس قاضی صاحب
خان معزی الیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو شروع ہو گئی۔ تین روز کامل بحث رہی نواب کو
اس گفتگو میں ایسا لطف آیا کہ تین دن برابر مدرسے میں مقیم رہے اور ماحضر پر اکتفا کی چوتھے دن
اجازت چاہ کر کوچ کیا اور نہایت محظوظ ہوئے۔ جب الہ آباد پہونچے تو اُس وقت میرزا صر علی

سیف خاں کی ہمراہی میں الہ آباد میں تھے اُن سے ملاقات کے وقت اس صحبت کا ذکر کیا اور
میر ناصر علی نے اپنے خلف الصدق میر علی عظیم سے بیان کیا جب ۱۱۶۰ھ ایک ہزار ایک سو ساٹھ
ہجری میں قاضی محمد حافظ مذکور کے بھتیجے قاضی محمد احسان مع اپنے فرزند محمد صدیق سخنور کے شاہجہاں آباد
گئے تو وہاں محمد صدیق مرزا مظہر جان جاناں سراج الدین علی خاں آرزو اور میر علی عظیم خلف میر ناصر علی
مذکور سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک روز میر علی عظیم نے محمد صدیق سے پوچھا کہ بلگرام
میں محمد حافظ کون شخص تھے جو ملا یاسو جایسی کے مدرسے میں رہتے تھے محمد صدیق نے کہا کہ میں انکا
پوتا ہوں۔ وہ میرے والد کے حقیقی چچا اور ملّا یاسو کے شاگرد تھے۔ یہ سن کر میر علی عظیم نے نواب
موسومی خاں فطرت کا کل قصہ ملا یاسو سے مباحثے اور قاضی محمد حافظ کے مترجم ہونے کا جو اپنے
والد میر ناصر علی سے سنا تھا مفصل بیان کیا اور اکثر قاضی محمد حافظ صاحب کی استعداد کی تعریف
کیا کرتے تھے۔ المختصر آپ کتب مطولات معقول اور منقول کی تحصیل کے بعد فاتحہ فراغ پڑھ کر بلگرام
تشریف لائے اور آپ کے عم بزرگوار قاضی محمد سلیم مذکور نے آپ کے والد قاضی محمد فضیل کی انتقال
ہونے پر امر قضا آپ کے سپرد کر دیا آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ
وسلم کے مطابق احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں عمل فرماتے تھے اور جو لوگ آپ سے تعلیم کی
خواہش کرتے تھے اُن کی تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روز ایک معتبر شخص نے پوچھا کہ آپنے
قرآن حفظ بھی کیا ہے کہ نام ہی حافظ ہے۔ اس بات سے آپ کو ایسی غیرت معلوم ہوئی کہ پانچ
برس کی مدت میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ شعر خوانی کی طرف بہت رغبت تھی چونکہ خوش گلو
تھے اور خدا نے آواز نہایت دلکش عطا فرمائی تھی لہذا آپ کی قرآن خوانی کے وقت اور شعر
خوانی کے اعلی وادنی بوڑھے اور جوان سب شیفتہ ہو جاتے تھے۔ خط نستعلیق بھی خوب تھا۔
جود و سخا میں حاتم ثانی تھے اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ اگر کوئی سایل سوال کرتا اور اُس وقت نقد یا
ماحضر نہ ہوتا تو بدن کے کپڑے اُتار کے حوالے کر دیتے اکثر سوائے لنگی کے بدن پر کچھ نہ رہتا کئی مرتبہ
فقیروں کو دو شالے اُتار دئے۔ ایک روز سیاح فقرا کی ایک جماعت نے آکر سوال کیا آپ
گھر میں گئے سوا طعام پختہ کے اور کچھ نہ تھا تمام کھانا لا کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔ گھر والوں نے
کہا کہ آدھا دیجئے اور آدھا گھر والوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ فرمایا کہ تم کو خدا اور دیدے گا چنانچہ

اُسی وقت آپ کے گانوں کے زمینداروں نے اتنی کھیر بھیجی کہ تمام گھر کے کھانے کو کافی ہوئی اور دوسری جگہ بھی بھیجی گئی۔ایک مرتبہ ایک بڑھیا نے آکر عرض کی کہ میری ایک لڑکی ہے اُس کا نکاح ہے اور مجھکو اتنی مقدرت نہیں کہ سرکار کے نوکروں کو کھانا دوں۔آپ کو اُس کے حال پر رحم آیا۔فرمایا کہ قاسم شاہ کو بلاؤ وہ حاضر ہوئے اُن سے کہا کہ ہمارے مواضع کی تحصیل سے مبلغ پچاس روپیہ اس بڑھیا کو دیدو۔

صاحب رسالہ مسجلات لکھتے ہیں کہ یہ نقل میں نے شاہ رحمت اللہ مرید حضرت میر شاہ نعمت اللہ جو "سلہڑے کی مسجد میں رہتے تھے" سے سنی۔غرضکہ ایسی بہت سی حکایتیں آپ کی مشہور ہیں۔میر نوازش علی فقیر نبیرۂ شاہ لدہا قدس سرہٗ نے انیس المحققین میں اور میر آزاد صاحب نے مآثر الکرام میں آپ کی تعریف لکھی ہے۔میر آزاد نے آپ کو قاضی علیم اللہ کھنڈوی کا بھی شاگرد اور سید العارفین "شاہ لدہا" کا مرید بتایا ہے۔مگر شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ یہ قول آخر غلط ہے۔اور ایک نقل یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا قاضی محمد سلیم نے جب امر قضا آپ کو سپرد کیا تو ایک شخص کے مقدمے میں فرمایا کہ یہ بیچارہ ہے ایسا نہ ہو کہ اس کا حق تلف ہو۔آپ نے اُسی وقت مہر قضا لاکر قاضی محمد سلیم کے سامنے رکھدی اور عرض کی کہ آپ نے یہ کام جو میرے سپرد کیا ہے مجھکو نہیں قبول ہے۔آپ نے جو یہ بات کہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں حق اور ناحق نہیں پہچانتا ہوں قاضی محمد سلیم بہت خوش ہوئے اور کہا کہ الحمد للہ کہ تم دیانت کا بڑا خیال رکھتے ہو اور منت و سماجت کر کے مہر قضا آپ کے حوالہ کی چنانچہ اکتیس سال تک امر قضا کو انجام دیا آپ نے ایک موضع کو مدد معاش میں پیدا کیا اور حکام نے بعض چک آپ کو مرحمت فرمائے۔ اپنے دادا قاضی محمد یوسف ثالث کے باغ پھلواری کے پاس ایک باغ اور لگایا۔

شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں لکھا ہے کہ آپ کے بہت سے مہری سجل شرفائے بلگرام کے گھروں میں موجود ہیں جن کی نسبت صاحب رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں مہر کی نقل یہ ہے۔



زمانہ آپ کا سلطان اورنگ زیب عالمگیر اور سلطان محمد معظم شاہ عالم کے عہد میں تھا مقام جہان

میں بعارضہ درد سر لاولد وفات پائی۔ تاریخ وفات شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں ماہ محرم کی بائیسویں اور ماثر الکرام میں میر آزاد نے چوبیسویں لکھی ہے ۱۱۲۳ھ ایک ہزار ایک سو تیئیس ہجری مطابق ۱۷۱۱ء ایک ہزار سات سو گیارہ عیسوی تھے۔ لاش مو ہان سے لاکر ماہ مذکور کی ستائیسویں تاریخ پھلواری والے باغ میں قاضی محمد یوسف ثالث کے مرقد کے قریب علیحدہ چبوترے پر قاضی محمد سلیم مذکور کے مزار کے پاس دفن کی گئی۔ شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں شیخ عزیز اللہ بن عبد اللہ خطیب فرشوری کی تصنیف یہ تاریخ وفات لکھی ہے۔

قطعہ

دریغا کہ قاضی حافظ زمن　　جدا گشت و بگزید جنت وطن
چو پرسندت از مسکن علویش　　بگو سال فوتش برضوان وطن

یہ تاریخ بہتر نہیں اس لئے کہ شعر ثانی کے مصرع اول میں پرسندت کی "ت" جو ضمیر مخاطب غائب ہے۔ اور جب مخاطب کا پتا نہیں تو مصرع دوم میں "بگو" فعل امر کا مامور کون ہوگا۔ اگر مخاطب ہوتا تو وہی مامور ٹھہرتا۔ علاوہ اس کے دو شعر کا قطعہ اور دونوں میں قافیہ مکرر۔ پھر طرہ یہ کہ مادہ تاریخ میں ایک عدد زیادہ ہے اُس کے تخرجے کا بھی کہیں اشارہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ تاریخ ہے۔ جو سید محمدی اور قاضی محمد حافظ مذکور دونوں کے ایک ہی سال میں انتقال ہونے کی علامہ میر عبد الجلیل نے کہی۔

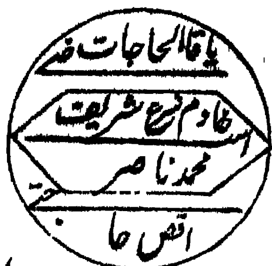
رباعی

چوں میر محمدی و قاضی حافظ　　بر وند بیک سال سوئے جنت راہ
گشتند برضوان الٰہی واصل　　ہاتف تاریخ گفت رضوان اللہ ۱۱۲۳

قاضی محمد ناصر

آپ قاضی محمد فضیل مذکور کے فرزند دوم اور قاضی حافظ مذکور کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ مرد سلیم الطبع کم گو متواضع۔ کم آزار۔ نیکو اطوار اور نہایت حلیم تھے کبھی کسی پر غصہ نہیں کیا سب آپ سے محبت رکھتے تھے۔ شب و روز طاعت و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اکثر کتب درسی اپنے بڑے بھائی قاضی محمد حافظ مذکور سے پڑھیں

دوسرے اُستادوں کے بھی شاگرد ہوئے۔ علم فرائض حساب اور علم تکسیر میں مہارت کامل رکھتے تھے اپنے بھائی قاضی محمد حافظ مذکور کی وفات کے بعد قاضی ہوئے اور تقریباً پانچ سال نو ماہ تک اجرائے احکام شرعی میں مشغول رہے۔ صاحب رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ آپ کے مہری قبالے اکثر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں مہر کی نقل یہ ہے۔



آپ مدت اجرائے احکام قضا میں ایک سال سے زیادہ بیمار رہے آخر ۔۔۔ ہو کر ماہ شوال کی انیسویں تاریخ ۱۱۲۸ھ ایک ہزار ایک سو اٹھائیس ہجری مطابق ۱۷۱۵ء ایک ہزار سات پندرہ عیسوی میں دنیا سے رحلت کی قبر پھلواری الٰہی باغ میں قاضی محمد حافظ مذکور کی قبر کے پہلو میں ایک چبوترے پر ہے۔ شیخ غلام حسن ثمین فرشوری مولف شرائف عثمانی نے یہ تاریخ وفات کہی۔

مثنوی

قاضی ناصر شریعت دستگاہ	بود بر تخت شریعت پادشاہ
در ہزار و یک صد و با بست و ہشت	داخل اندر روضۂ فردوس گشت
سال قولش با ہزاراں درد و غم	یدخل الجنت ثمین کردہ رقم

۱۱۲۸